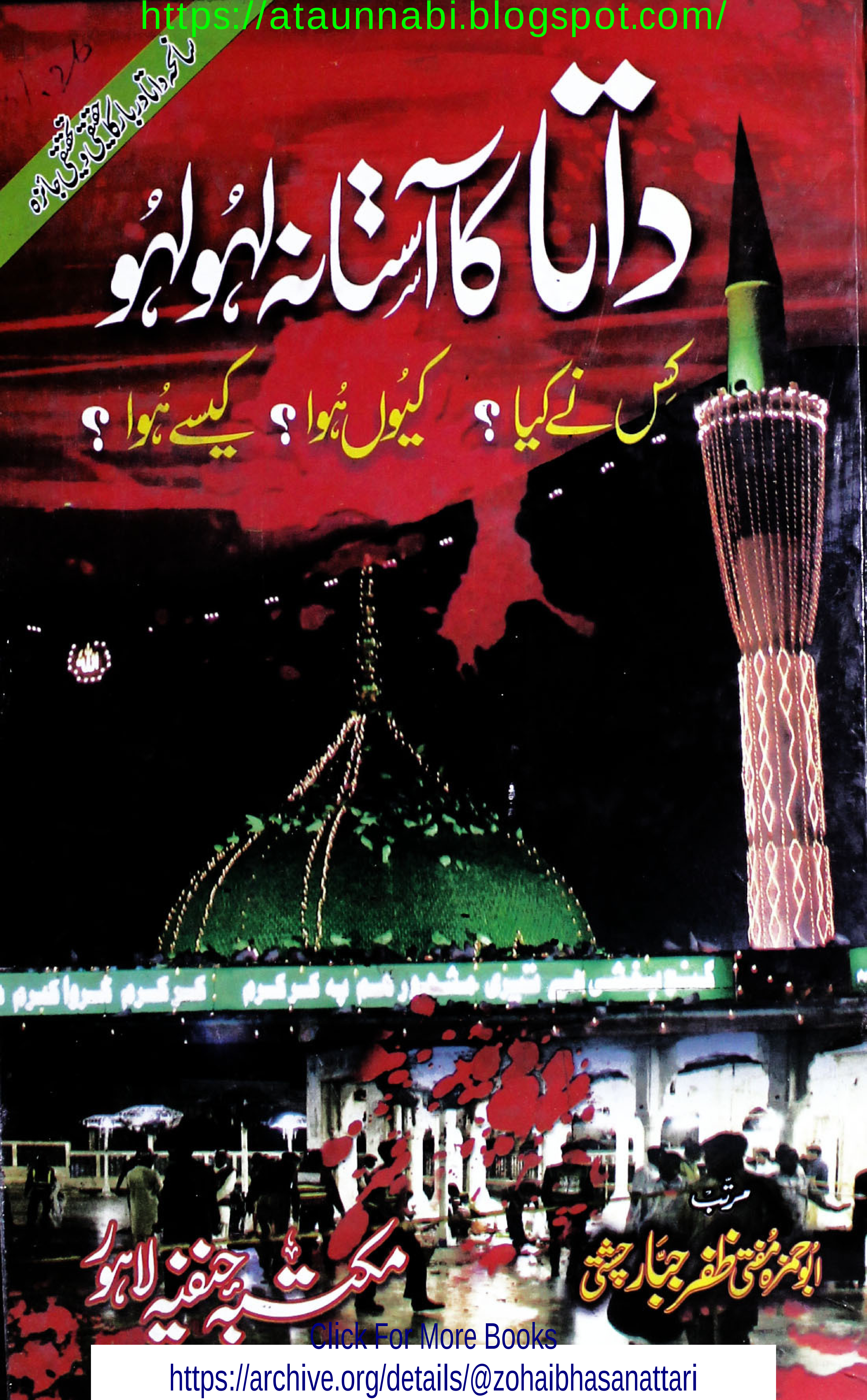

سانحہ داتا دربار کا تحقیقی و تجزیاتی جائزہ
داتا کا آستانہ لہو لہو
کس نے کیا؟ کیوں ہوا؟ کیسے ہوا؟
مرتب
ابو حمزہ مفتی ظفر جبار چشتی
مکتبہ حنفیہ لاہور

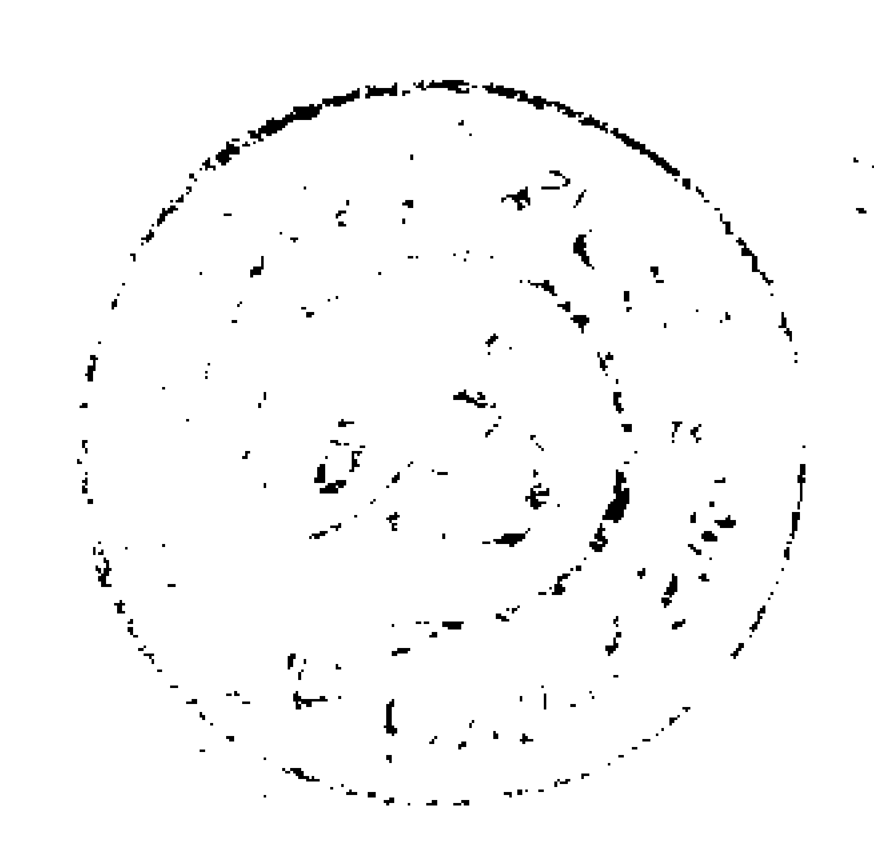
سانحہ داتا دربار کا حقیقی و تحقیقی جائزہ





کیسے ہوا؟

کس نے کیا؟







گنج بخش روڈ، لاہور 042-37213575

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

نام کتاب	______	داتا رحمۃ اللہ علیہ کا آستانہ لہولہو
		(کیوں ہوا؟ کیسے ہوا؟ کس نے کیا؟)
	78366	
مرتبہ	______	ابوحمزہ مفتی ظفر جبار چشتی
پروف ریڈنگ	______	حافظ عبدالجمال ناصر نقشبندی
		حافظ محمد عدنان فیصل چشتی
باراول	______	1432ھ/2011ء
کمپوزنگ	______	ورڈز میکر
صفحات	______	376
زیرنگرانی	______	چوہدری محمد خلیل قادری
تحریک	______	چوہدری محمد ممتاز احمد قادری
ناشر	______	چوہدری عبدالمجید قادری
تعداد	______	1100
قیمت	______	250روپے

ملنے کے پتے

مکتبہ حنفیہ گنج بخش روڈ لاہور

قادری رضوی کتب خانہ۔ گنج بخش روڈ لاہور

Hello: 042-7213575, 0333-4383766

انتساب

عریانی وفحاشی کے خلاف زوردار تحریک چلا کر
ایک لاکھ سے زائد دختران اسلام کو چادریں عطا کر کے
ان سے باپردہ رہنے کا عہد لینے والے شیخ طریقت
دعا، وفا اور عطا کے پیکر
صاحب راز، صاحب عرفان
یوسف المشائخ حضرت پیر سیّد محمد کبیر علی شاہ مجددی گیلانی
(سجادہ نشین دربار عالیہ چورہ شریف)
(امیر چادر اوڑھ تحریک)
کے نام

رُکے تو چاند چلے تو ہواؤں جیسا ہے
یہ شخص دھوپ میں دیکھو تو چھاؤں جیسا ہے

(مفتی ظفر جبار چشتی)

خراجِ تحسین

سانحۂ داتا دربار کے خلاف زوردار احتجاجی تحریک چلانے اور
اپنی جان ہتھیلی پر رکھ کر انتہائی جرأت واستقامت کے ساتھ
طالبانائزیشن کی مزاحمت کرنے والے اہلسنّت کے گلِ سرسبد

جگر گوشۂ محدثِ اعظم، قائدِ اہلسنّت

صاحبزادہ حاجی محمد فضل کریم

(چیئرمین سنّی اتحاد کونسل پاکستان)

اور

ان کے جانثار رفقاء

مفکرِ اسلام علامہ سیّد ریاض حسین شاہ	مخدومِ اہلسنّت حاجی محمد حنیف طیب
پیر محمد افضل قادری	ثروت اعجاز قادری
پیر سیّد محمد صفدر شاہ گیلانی	پیر سیّد محمد محفوظ مشہدی
پیر سیّد محمد اقبال شاہ	پیر محمد اطہر القادری
مفتی فضل الرحمٰن اوکاڑوی	محمد نواز کھرل
پیر سیّد محمد اجمل شاہ گیلانی	صاحبزادہ نعیم عارف نوری

کو پوری قوم کی طرف سے خراجِ تحسین پیش کرتا ہوں۔ میری دعا ہے اللہ کریم اپنے پیارے محبوب کے صدقے ان کی پُرخلوص جدوجہد اپنی جناب میں قبول فرمالیں۔

(مفتی ظفر جبار چشتی)

فہرست

اپنی بات

(ابتدائیہ)

زندگی بھر امن وسلامتی کا درس دینے، محبتیں بانٹنے، آسودگیاں عطا کرنے، روحانی فیض تقسیم کرنے اور علم وعرفان کے بیش بہا خزانے لٹانے والے سید ہجویر مخدومِ امم حضرت داتا گنج بخش علی ہجویریؒ کے آستان حرم نشان پر ہونے والی بدترین دہشت گردی کے المناک، افسوسناک، دردناک اور شرمناک واقعہ پر سات ماہ گزر جانے کے باوجود آج بھی ہر آنکھ اشکبار اور ہر دل سوگوار ہے...... گزشتہ دس صدیوں سے داتا صاحبؒ کی درگاہ تحمل، بردباری، برداشت اور رواداری کی درسگاہ بنی ہوئی ہے۔ یہ وہ آستانہ ہے جہاں پر محبت واخوت کی خیرات بٹ رہی ہے...... یہ وہ مرکزِ مہر ووفا ہے جو ایک ہزار سال سے بھوک اور افلاس میں لپٹے ہوئے مفلوک الحال غریبوں کے لئے پناہ گاہ ہے...... یہ وہ روحانی خانقاہ ہے جہاں پہ شاہ وگدا، امیر وغریب، ہر رنگ، ہر نسل اور ہر مذہب سے تعلق رکھنے والے دیوانہ وار حاضری دیتے آرہے ہیں۔، اس مرکز تجلیات سے بے چینوں کو چین، بیماروں کو شفا، پریشان حالوں کو سکون، مضطرب اور اُداس دلوں کو اطمینان، بےقراروں کو قرار اور خوابوں کو تعبیر ملتی ہے۔ اس دربار پر مایوسی، اُمید میں بدلتی ہے اور دکھ سکھ میں ڈھل جاتے ہیں۔ اس آستانِ محبت پر آنے والے زندگی کے مصائب وآلام کی تپتی اور کڑکتی دھوپ میں فیضِ عالم کے سبز گنبد کی ٹھنڈی چھاؤں تلے سکون کی تلاش میں حاضر ہوتے ہیں۔ ان کا کسی سے کوئی بیر نہیں، کس سے کوئی دشمنی نہیں۔ پھر آخر کیوں ابلیسی ہاتھوں نے اس مرکزِ امن وعافیت کو وحشت وبربریت کے لئے منتخب کیا۔ کسی صوفی بزرگ کے محبت بانٹتے آستانے پر دہشت گردی کا یہ پہلا واقعہ نہیں بلکہ چند سال قبل اسلام آباد میں امام بری سرکارؒ کے مزار پر ہونے والی دہشت گردی

کا سلسلہ بڑھتے بڑھتے رحمان بابا، حضرت بابا فرید، حضرت عبداللہ شاہ غازی اور بابا حیدر سائیں کے مزارات تک دراز ہو چکا ہے۔ سینکڑوں قیمتی جانوں کے زیاں کے علاوہ ان روحانی مراکز کے تقدس کو جس طرح پامال کیا گیا اس کے تصور سے روح پر نشتر چلنے لگتے ہیں کہ انسانیت کے ان دشمنوں اور دہشت و وحشت کے ان علمبرداروں نے کس طرح فیض عام کے ان صاف شفاف چشموں کو اپنی بدبودار ذہنیت کی سیاہی اور انسانی خون کی سرخی سے آلودہ کر دیا ہے۔..... دل خون کے آنسو روتا ہے کہ لاکھوں انسانوں کی قربانیوں سے حاصل ہونے والی جنت آگ اور خون کا بھڑکتا الاؤ کیوں بن رہی ہے۔ بابا بلھے شاہ کا مسکن شدت پسندی کی آماجگاہ کیوں بن رہا ہے..... شاہ عبداللطیف بھٹائی کی دھرتی پر نفرت، تشدد اور تعصب کے جہنم کیوں بھڑکائے جارہے ہیں۔ خوشحال خان خٹک اور رحمان بابا کے دیس میں لہو کی مہک اور بارود کی بو کیوں پھیلی ہے؟ یہ کس کے دریچے ہیں جن سے چاند نہیں جھانکتے۔ بلکہ لہو کی پھواریں برستی ہیں۔ یہ کسی کی کھڑکیاں ہیں جو گل پوش ہونے کی بجائے لہو رنگ ہیں...... یہ کیسے منظر ہیں جو آنکھوں کو موت کا پیغام دے رہے ہیں۔ یہ بیوگی کون تقسیم کر رہا ہے اور یہ یتیمی کون بانٹ رہا ہے۔ کوکھیں اور سہاگ کیوں اجاڑے جارہے ہیں۔ 17- کروڑ آبادی کا ملک پاکستان آج جس انتہا پسندی اور دہشت گردی کے عفریت کی لپیٹ میں اس کا بیج خود اس ملک کے ناعاقبت اندیش حکمرانوں نے ہی بویا تھا۔ افغانستان میں سوویت یونین کی فوجی مداخلت کے دوران امریکہ اور مغربی طاقتوں نے پاکستان کو ''شہید سازی'' کی صنعت میں بدل دیا اور دنیا بھر سے ''جہاد'' کے شوقین خام مال کی شکل میں پاکستان پہنچتے رہے۔ ''جہاد'' کے یہ دلدادہ خود اپنے ملکوں میں قانون شکن قرار دیئے گئے۔ یہ کرائے کے قاتل افغان جہاد کے دوران مغربی و امریکی میڈیا میں آزادی کے لئے لڑنے والے مجاہدین کہلائے جن کے لئے بے مثال جنگی تربیت اور جدید اسلحہ کی فراوانی کیلئے اربوں ڈالر کے حصول کو یقینی بنایا گیا اور پھر ایک عشرہ تک جاری رہنے والی اس جنگ کے خاتمے پر پاکستان کو جنگ کے بعد کی لازمی تباہ کاریوں کو سمیٹنے کیلئے تقریباً چالیس لاکھ افغان مہاجرین اور ہزاروں مسلح

مذہبی جنونیوں کے ساتھ اکیلا نبٹنے کیلئے لئے چھوڑ دیا۔ جہاد کے نام پر فساد کرنے والے یہ موت کے سوداگر اور نفرت کے بیوپاری ان اسلامی تعلیمات کی پیداوار نہیں جس کی پیروی اس خطے کے مسلمانوں کی اکثریت کرتی رہی ہے ان کا انداز فکر باہر سے درآمد کیا گیا ہے جس کی تشکیل سرد جنگ کی امریکی ضروریات کے تحت ہوئی اور اُسے پاکستانی آمروں نے اپنی مہم جوئی کیلئے استعمال کیا۔ طالبانائزیشن کی تخلیق اسی مہم جوئی کا نتیجہ ہے جس نے آج ایک نہ ختم ہونے والے عذاب کی شکل اختیار کر لی ہے۔ اس عذاب سے نجات کیلئے ہمیں اُسی ثقافت کو ڈھال بنانا ہوگا جس کی روح صوفی سوچ ہے۔ ہمیں من مرضی کا اسلام بندوق کے زور پر نافذ کرنے والوں کے حملے سے بچنا بھی ہے، ان سے لڑنا بھی ہے اور انہیں شکست بھی دینی ہے کیونکہ اس کے سوا کوئی راستہ باقی نہیں رہا۔ ہمیں خود سے عہد کرنا ہوگا کہ حضرت داتا گنج بخشؒ، پیر سید مہر علی شاہؒ، بابا فرید، خواجہ فریدؒ، رحمان باباؒ، لعل شہباز قلندرؒ، سچل سرمستؒ، میاں محمد بخشؒ، سلطان باہوؒ کے عظیم افکار کے وارثین، یارسول اللہ کہنے والے غلامانِ رسول طالبانی سوچوں کے سامنے سر نہیں جھکائیں گے۔ آج ضرورت ہے کہ فکرِ صوفیاء کو دہشت گردی، انتہا پسندی، شدت پسندی اور عسکریت پسندی کے خلاف ایک موثر ڈھال کے طور پر استعمال کیا جائے کیونکہ صوفیاء کے افکار و خیالات ہی تنگ نظری کا توڑ ہیں۔ ہمیں دنیا کو بتانا ہوگا کہ ہمارے ہیرو انسانیت کے دشمن، اسلام کے باغی اور پاکستان کے غدار وہ فسادی ملاں نہیں جو خود ساختہ شریعت کے ذریعے وطن عزیز کو لہولہان کر رہے ہیں بلکہ ہمارے ہیرو اور ہمارے رہبر تو انسانیت سے محبت، پیار اور بھائی چارے کا پرچار کرنے والے صوفیا ہیں۔ وہ صوفیا جنہوں نے اس خطے میں اسلام کے روشن، صلح جو اور لطیف پیغام کو اُجاگر کیا جو دین اسلام کی اصل روح ہے۔ نسل، زبان، علاقے اور مذہب کے تمام تعصّبات سے بالاتر ہو کر انسانیت کی خدمت اور فلاح کا جو رنگ ان اولیائے کرام کی تعلیمات میں جھلکتا ہے، اس کا ثبوت ان مزارات پر عوام و خواص کا بے پناہ ہجوم ہے کہ جو ان برگزیدہ ہستیوں کے دنیا سے گزرنے کے صدیوں بعد بھی ان کے آستانوں پر ہمہ وقت موجود رہتا ہے۔

قارئین کرام!

حضرت داتا گنج بخشؒ کے آستانے پر حملہ ہماری روح پر حملہ ہے۔ محبتوں اور عقیدتوں پر حملہ ہے...... ہمارے روحانی ورثے پر حملہ ہے...... نظام تصوف اور صوفی ازم پر حملہ ہے...... یہ حملہ داتا سرکارؒ سے ٹوٹ کر محبت کرنے والے ہر دیوانے کی غیرت کے لئے عظیم چیلنج ہے...... آیئے اس چیلنج کو قبول کرتے ہوئے طالبانائزیشن کے سامنے سر جھکانے کی بجائے سر اُٹھانے اور دہشت گردوں کے ساتھ مفاہمت کی بجائے مزاحمت کی جدوجہد تیز تر کرنے کا عہد کرتے ہیں کیونکہ اگر ہم آج دہشت و وحشت کے ان پیامبروں کے خلاف مہر بلب رہے تو پھر شاید کچھ اور بچے نہ بچے وہ سیاہی باقی رہے گی جو ہمارے آنے والے کل پر چھائے اندھیرے کی علامت ہوگی۔

پیارے پڑھنے والے!

میں نے زیر نظر کتاب میں سانحہ داتا دربار کی تمام تر تفصیلات، اس لرزہ خیز واقعہ کے ساتھ جڑے تمام ناقابلِ تردید حقائق و واقعات اور آنکھیں کھول دینے والے بے رحم انکشافات جمع کر دیئے ہیں۔ اس کتاب میں سانحۂ داتا دربار کے ردِّعمل میں تحریر کئے گئے نامور صحافیوں، دانشوروں اور اہلِ قلم کے کالم اور مضامین بھی شامل کئے گئے ہیں یہ وہ مضامین ہیں جو خون دل میں انگلیاں ڈبو کر لکھے گئے۔ ان مضامین کے حرف حرف اور لفظ لفظ میں دلوں کے حکمران داتا سرکارؒ سے والہانہ محبتوں کا عکس جھلملاتا دکھائی دیتا ہے۔ گہرے رنج و ملال میں بھیگی ہوئی ان تحریروں کا ہر لفظ شدت احساس کے ساتھ دل کو چھوتا ہے کیونکہ یہ لفظ نہیں بلکہ سانحہ داتا دربار کے غم میں قلم سے ٹپکنے والے آنسو ہیں آنسوؤں کا یہ دلگداز مجموعہ میں آپ کی خدمت میں اس اُمید کے ساتھ پیش کر رہا ہوں کہ اس کتاب کا ہر قاری مجھے اپنی نیم شب کی دعاؤں میں یاد رکھے گا۔

والسلام۔ دعاؤں کا طلبگار

ابوحمزہ (مفتی) ظفر جبار چشتی

سانحۂ داتا دربار کے فوراً بعد اے آر وائی چینل پر
جماعت اہلسنّت پاکستان کے مرکزی ناظمِ اعلیٰ
مفکر اسلام پیر سیّد ریاض حسین شاہ کی گفتگو

سید داتا علی ہجویری علم کا جلال، فقر کا جمال، ایمان کا نشان، عمل کا وقار اور دین مبین کے عہد آفریں رہنما ہیں آپ کا مزار، خدا کی رحمتوں کا دروازہ ہے۔ داتا مصطفوی عظمتوں کے امین ہیں، علوی نسبتوں کے پرچم بردار ہیں، حسنی تدبر کا روشن نشان ہیں۔ حسینی ایثار کی دعوت ہیں۔ فاطمی خون کی افق رنگ بلندی ہیں' دعاؤں کا وقار ہیں۔ کربلا ان کی تاریخ ہے، داتا کا مینار قاسمِ رحمت ہے۔ ابلیس کے غلاموں نے گنبد داتا کے سایے میں تاریخ کربلا کو حرکت دی ہے لیکن کل کا یزید جیسے لعنت کے حصار میں گرفتار ہوا، آج کے یزید بھی نار جہنم میں پہنچ جائیں گے۔

یہاں مفسدین فی الارض نے جس ظلم و بربریت اور بہیمیت کا مظاہرہ کیا اور درجنوں لوگ شہید کئے قابلِ صد مذمت ہے، میں بلا تکلف کہوں گا کہ اسلام اور پاکستان ہمارے ایمان کا حصہ ہے، دو ہی قسم کے لوگ ہیں جو مفسدانہ اور ظالمانہ کوششوں سے اسلام اور پاکستان کو کمزور کر رہے ہیں

اسلام دشمن

اور

پاکستان دشمن

اہلِ عقد و کشا کو ان انسان نما درندوں کو بے نقاب کرنا چاہئے۔ عوام کو کھل کر بتایا

جائے کہ فساد اور دہشت گردی کی پشت پناہ ریاستیں کون سی ہیں۔ مزارات، مساجد اور امن کے نشانات برباد کرنے والے کون ہیں؟ قابلِ افسوس بات یہ ہے کہ ہماری حکومت دہشت گرد پکڑنے کی بجائے تتلیاں پکڑ رہی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ حقیقت سے بہت دور نکلتے جا رہے ہیں۔

ہم ملک اور مذہب مضبوط کرنے کی بجائے شخصیتیں مضبوط کر رہے ہیں۔ ہم مظلوم ہیں سوات اور قبائلی علاقوں میں تین سو مشائخ کو شہید کیا جا چکا ہے۔ پیر بابا، رحمٰن بابا اور دیگر مشائخ کے مزاروں کی بے حرمتی ہو چکی ہے۔ اب داتا صاحب جو کچھ کیا گیا وہ لوگوں کے سامنے ہے۔ میں سمجھتا ہوں بعض سچائیاں انتہائی تلخ ہوتی ہیں۔ بینائی سے محروم آدمی کو کانا کہیں تو اسے برا لگتا ہے لیکن بعض فرقے دہشت گردوں کی پناہ گاہ بنے ہوئے ہیں۔ ان درندوں کو پنجرے میں بند کیا جائے گو گرنہ کروڑوں سنّی جب جذبات میں بے قابو ہو گئے تو گلیوں کی جنگ میں نجد کے پجاریوں کو بچانا دشوار ہو جائے گا۔

ضمیروں کی عدالت لگ چکی ہے

مفکر اسلام حضرت علامہ سیّد ریاض حسین شاہ

(مرکزی ناظم اعلیٰ جماعت اہلسنت پاکستان)

یہ پرانے زمانے کی بات ہے جب نہ مرغ اذانیں دیتے تھے اور نہ ہی ان کی آوازوں کے اقب میں قرآن مجید کی آیتیں گونجتی تھیں۔ جہالت کا زمانہ تھا لیکن لوگوں کے اندر ''انسانی قدریں'' ایک حد تک احترام کی نظر سے دیکھی جاتی تھیں۔ لوگوں میں ایسے لوگ عزت کی نظر سے دیکھے جاتے تھے جو مشکل گھڑیوں میں کام آئیں۔

حضور ﷺ جب غارِ حرا سے نیچے تشریف فرما ہوئے تو آپ ﷺ نے حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا سے فرمایا مجھے کمبل اوڑھا دو، مجھے اپنے نفس پر اندیشہ ہو چلا ہے تو آپ نے عرض کی تھی:

''قسم اللہ کی وہ ذات آپ کو ہرگز کسی غم میں مبتلا کر کے اکیلا نہیں کرے گی اس لئے کہ آپ معدوم نیکیوں کے کمانے والے ہیں ٹوٹے ہوئے لوگوں کا بوجھ اٹھانے والے ہیں، مہمان نواز ہیں اور مصیبتوں میں مدد کرنے والے ہیں''۔

یہ اشارہ اس طرف تھا کہ انسان دوستی زندگی کی مضبوط بنیاد ہے جو لوگ اپنے کام کو غریب نوازی کی اساس پر استوار کرتے ہیں کامیاب وہی ہوتے ہیں۔

دورِ جہالت میں ایک فقیر اور کنگال شخص کی بات ہے وہ اگرچہ بدچلنی میں معروف تھا۔ معصیت کی ظلمتوں نے اسے اپنی لپیٹ میں لیا ہوا تھا۔ اس کے قبیلے والے بھی اس سے نفرت کرتے تھے۔ خالقِ کائنات کی طرف سے کرم کی ہوا چلی اور وہ شخص سونے، چاندی اور جواہرات کا مالک بن گیا لیکن اس نے اپنی قوم کو دولت کے بل بوتے پر تنگ

کرنے کی بجائے نوازنا شروع کر دیا۔ عربوں میں ہر قبیلے کی سطح پر اس نے ستو اور کھجوریں کھلانی شروع کر دیں۔ دودھ اور پانی تقسیم کرنا اس کی عادت ہو گئی۔ اس شخص کا نام عبداللہ بن جدعان تھا۔ رشتے میں یہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا چچا لگتا تھا۔ اس شخص نے شام کی طرف دو ہزار اونٹ بھیجے، جن پر گندم، شہد اور گھی لاد کر مکہ لایا گیا پھر اس نے ایک منادی کرنے والے کو یہ ذمہ داری سونپ دی کہ وہ ہر روز کعبہ کی چھت سے یہ اعلان کرے کہ کھانا حاضر ہے جس نے کھانا ہو بغیر کسی عصبیت کے اس کی خدمت کی جائے گی چنانچہ اعلان ہوتا:

''ابن جدعان کی دیگ کی طرف بڑھو''

ابن جدعان کی دیگ کے بارے میں حضور ﷺ کی ایک حدیث بھی روایت کی گئی ہے:

''کنت استظل بظل جفنة عبداللّٰه بن جدعان''

ترجمہ: ''میں ابن جدعان کی دیگ کے سائے میں بیٹھا کرتا تھا''۔

کہا جاتا ہے کہ یہ سخاوت کا ہی تاجدار نہیں تھا قلم کا بھی دھنی تھا۔ امویوں کے خاندان میں حرب، ہاشمیوں میں عبدالمطلب، صدیقیوں میں ابن جدعان اور خویلدیوں میں ورقہ عربوں کے استاد تسلیم کیے گئے ہیں۔

ایک مرتبہ حضور ﷺ سے پوچھا گیا کہ ابن جدعان صلہ رحمی کرتا تھا، مسکینوں کو کھانا کھلاتا تھا کیا یہ سب چیزیں بروز قیامت اس کو نفع دیں گی؟

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''نہیں یہ سب کچھ اس کے کام نہیں آئے گا اس لیے کہ اس نے ایک دن بھی یہ نہیں کہا:

''اے میرے ربّ! میری خطائیں مجھے معاف کر دے''۔

ہمارے حکمران جو کچھ کر رہے ہیں انہیں ایک دن تو کہہ دینا چاہیے ''اے ہمارے ربّ ہمیں معاف کر دے''۔

حکومتیں قاتلوں کی سرپرست بنی ہوئی ہیں۔غنڈوں لٹیروں کو جماعتوں کا مکالماتی نمائندہ بنا دیا گیا ہے۔ ان کے جی میں جو کچھ آتا ہے وہ کہے دیتے ہیں۔ پچھلے دنوں راولپنڈی کے ایک چوہدری نے داتا صاحب کے سانحہ کو معمولی اور روایتی حادثہ قرار دے کر نظر انداز کرنے کی کوشش کی حالانکہ انہی سیاست دانوں پر جب افتاد پڑتی ہے یہ داتا کی دہلیز پر جا کر اللہ کی ذات سے حاجتیں طلب کرتے ہیں۔ان میں سے بعض کو میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے کہ داتا علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کی مرقد انور کی چادر گلے میں ڈال کر عقیدتوں کے چراغ جلانے کے حیلے کرتے ہیں، انہیں آج کیا ہو گیا ہے، یہ کس کے ہاتھ میں موم بنے ہوئے ہیں۔ گورنمنٹ نے اپنے بجٹ میں دس کروڑ روپے دہشت گردوں کی ایک جماعت کے تعلیمی اداروں کو دینے کا اعلان کیا ہے۔ حکمرانوں کے روّیے ٹھیک نہیں۔ دنیا ساری یہودیوں کی سازش کی لپیٹ میں ہے۔ دنیا میں قتل عام کے جتنے منصوبے وضع کیے جاتے ہیں ان کے عقب میں یہ زہریلا ذہن کارکشائی کر رہا ہوتا ہے۔ کہتے ہیں مسلمانوں کے خلاف چنگیزیوں کو بھڑکانے کی تحریک بھی یہودیوں کی تھی اور آج عراق افغانستان تک یہی بازیگر مسلمانوں کا قتل عام کروا رہے ہیں۔ ان کے نزدیک داتا صاحب کا دربار قدس سے زیادہ حرمت نہیں رکھتا۔ کون نہیں جانتا کہ اسرائیل کی تاریخ شرارتوں، سازشوں اور فتنہ انگیزیوں سے بھری ہوئی ہے۔ یہ بدعہد لوگ پیغمبروں تک سے بے وفائی کے مرتکب ہوتے رہے ہیں۔ یہودی دنیا کے مختلف ممالک میں جا کر بیٹھ گئے اور سودی کاروبار کے سب سے بڑے فسوں کار بن کر ظاہر ہوئے۔ امریکہ میں ان کو بڑی کامیابیاں حاصل ہوئیں۔ برطانیہ میں بھی یہ معیشت پر سوار ہو گئے۔ اپنی منافقانہ اور دبیز مصلحتوں کی بنا پر فرانس، جرمنی میں ذلیل ہوئے اور برطانیہ نے کھل کر ان کی مخالفت بھی کی لیکن امریکیوں کی تائید نے انہیں منظم کر دیا۔ امریکہ کی شہ رگ اب یہودیوں کے ہاتھ میں ہے۔ وہ شیطان بن کر اب اپنی تھوتھنی امریکہ کے دل میں گاڑھے ہوئے ہے۔ ہاں یہ بات دردناک اور خوفناک ہے کہ وہ کون

لوگ ہیں جو یہودیوں کی سازش منڈیوں میں پذیرائی حاصل کرنے والی دولت کے عوض بک رہے ہیں۔ کرائے کے قاتل کون ہیں؟ سازشی جالوں کی رسیاں کون لوگ بنے ہوئے ہیں؟ جنگ کا مقصد کیا ہے؟ پاکستان سے دشمنی کیا ہے؟ اس کی مخالفت کل کیوں کی گئی تھی اور اب اسے برباد کرنے میں کن کی خواہش پوری کی جا رہی ہے۔ جہاں تک ہمارے دین کا تعلق ہے وہ مکمل بھی ہے اور اکمل بھی ہے۔ ہماری کتاب قرآن میں تو اللہ کے لفظ کا اضافہ بھی ممکن نہیں۔ دین جیسے تھا ویسے ہی ہے۔ زیر کو نہ زبر کیا جا سکتا ہے اور نہ زبر کو زیر کیا جا سکتا ہے۔ جب قرآن نے یہودیوں کی پست ذہنیت سے مسلمانوں کو آگاہ کر دیا تھا تو مسلمانوں کو یہودی ہوں یا عیسائی، ان کے مقاصد کی تکمیل کے لئے موم کی طرح نہیں بننا چاہئے۔ اس منطق کو زیادہ دیر تک نا قابلِ فہم نہیں رہنا چاہئے کہ انگریز کے دور میں ہماری مسجدیں کچی رہیں اور کچھ لوگوں کی مسجدوں اور مدرسوں کے مینار اونچے ہوتے رہے اور وہ انگریز سرکار کی تعریف میں رطب اللسان رہے۔ آج آزادی کے بعد پھر صورت حال وہی نظر آ رہی ہے۔

ہمارے مدرسوں، خانقاہوں

جامعہ نعیمیہ ہو

یا

پیر بابا کا مزار ہو یا داتا حضور کا آنگن

بم ادھر ہی کیوں پھٹتے ہیں؟

حکمرانوں کو بے وقوف نہیں بننا چاہئے

بلکہ

ذہانت کے ساتھ تلاش کرنا چاہئے

کہ

کچھ لوگوں کے مدرسے اور دار العلوم سلامت رہیں بلکہ ترقی کریں

حکومتوں کے دسترخوان سے دس دس کروڑ کی غذا خوری کریں

اور

اہلسنّت پٹیں، ادھڑیں شاید یہ سزا وفا کی ہے، شاید یہ تعزیریں اسلام اور ایمان کی ہیں۔

شاید یہ تمغے پاکستان کے ساتھ رہنے کا اعتراف ہیں!

شکایتیں داورِ محشر ہی سے کی جا سکتی ہیں

دنیا کے حاکم تو صمٌ بکمٌ عمیٌ ہو چکے ہیں

وہ بے چارے کیا کریں

گامے ماجھے

رانے رائے

چودھراجے

سادے زادے

اور مانے کانے

سب انہیں پریشان کیے ہوئے ہیں

اب تو ضمیروں کی عدالت لگ چکی ہے

فیصلوں کی قیامت ہی سے کھرا کھوٹا معلوم ہوگا

کوتوال شہر تو اقتدار کے برج سے یہی اعلان کر رہا ہے

کوئی آخری وصیت!

تمہارا انجام قریب ہے!

انا اللہ پڑھ لو

ہم حکمران نہیں رہے کسی کے مقرر کردہ جلاد ہیں

آؤ مل کر کلمہ پڑھتے ہیں

انجام تو اچھا ہو جائے

لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ

اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں

محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں

ہمارے الٰہ!

ہمارے مالک!

ہماری شرمساریوں، رسوائیوں اور بدعملیوں پر وائے

اے مالک ہمارے! تو نے بھی دھتکار دیا تو کس کا سہارا لیں گے

اب تو ہماری ہمتیں ٹوٹ گئی ہیں

آقا زین العابدین کے لفظوں میں ہم نے اپنی چاہتیں تیری ہی طرف پھیر دی ہیں۔

تیری ملاقات ہماری آنکھوں کی ٹھنڈک

تیرا وصل ہماری دلی آرزو

تیرا ہی شوق

تیری ہی محبت کا جنون

تیری چاہت ہی ہمارا عشق

اور

تجھ سے راز و نیاز ہماری خوشی

ہماری راحت تیرا نام بنے

ہماری چاہت تیرے نبی کی زیارت ہے

زندگی موت سب تیرے لئے

اسلام زندہ باد............پاکستان پائندہ باد

(ماہنامہ "دلیلِ راہ" اگست ۲۰۱۰ء)

سیّدِ ہجویر مخدومِ اُمم حضرت داتا گنج بخش علی ہجویری

(حالاتِ زندگی)

مفتی ظفر جبار چشتی

حضرت داتا گنج بخشؒ کا شمار برصغیر پاک و ہند میں اسلام کے اولین بزرگ مبلغوں میں ہوتا ہے۔ آپ کی مبارک کوششوں سے برصغیر میں اسلام کا بول بالا ہوا۔ دین کا چرچا ہوا اور مقامی باشندے جوق در جوق اسلام کے حلقے میں داخل ہوئے لیکن آپ کے مستند اور صحیح حالات زندگی تاریخ کا جزو نہیں بنے۔ معاصر مورخوں نے آپ کے بارے میں کچھ نہیں لکھا، جو بھی معلومات ہیں وہ آپ کی کتاب ''کشف المحجوب'' سے اخذ کی گئی ہے۔ حد یہ کہ نہ تاریخ ولادت کا پتا چلتا ہے نہ تاریخ وصال کا کچھ حال کھلتا ہے۔ بعد والوں نے اپنے اپنے طور پر قیاسی انداز سے تاریخیں متعین کرنے کی کوشش کی ہے۔ مشہور صوفی بزرگ خواجہ فریدالدین عطار کا ''تذکرہ اولیا'' وہ پہلی کتاب ہے جس میں آپ کا حوالہ ہے۔ خواجہ فرید عطارؒ کا سال وفات 627ھ ہے اور خیال یہ ہے کہ آپ کا تذکرہ ساتویں صدی ہجری کی ابتدا میں مرتب ہوا تھا۔ حضرت داتا گنج بخشؒ کا سال وصال قیاسی طور پر 461ھ اور 465ھ کے مابین قرار دیا جاتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ کا حوالہ ڈیڑھ سو برس گزر جانے کے بعد پہلی مرتبہ قلم بند کیا گیا تھا۔

خواجہ فریدالدین عطارؒ کے تذکرے کے بعد سلطان المشائخ حضرت نظام الدین اولیاء محبوب الٰہیؒ کے ملفوظات ''فوائد الفواد'' مرتبہ خواجہ حسن سجزیؒ اور ''درنظامی'' مرتبہ علی بن محمود جاندارؒ میں آپ کا تذکرہ ملتا ہے۔ فوائد الفواد میں آپ کا تذکرہ دو جگہ ہے۔ ''در

نظامی‘‘ میں حضرت محبوب الٰہیؒ کا یہ بیان ملتا ہے کہ ’’جس شخص کا کوئی پیر نہ ہوا سے حضرت داتا گنج بخشؒ کی کتاب ’’کشف المحجوب‘‘ کا مطالعہ کرنا چاہئے۔ یہ بیان حضرت داتا گنج بخشؒ کے وصال کے تقریباً ڈھائی سو برس بعد کا ہے۔

ایک اور کتاب ’’رسالہ ابدالیہ‘‘ سے یہ پتا چلتا ہے کہ حضرت داتا گنج بخشؒ گاہے گاہے محمود غزنوی کے دربار میں تشریف لے جاتے تھے اور عنفوان شباب میں محمود کے بارے میں آپ نے ایک ہندی فلسفی سے مناظرہ کر کے اسے لاجواب کر دیا تھا۔ محمود غزنوی کا سال وفات 421ھ ہے۔ عنفوان شباب کے الفاظ سے دو باتوں کا اندازہ ہوتا ہے ایک تو یہ کہ آپ کی ولادت 400ھ کے لگ بھگ ہوئی ہوگی۔ دوسرے یہ کہ عنفوان شباب ہی میں علوم وفنون میں کمال حاصل کر چکے تھے اور شاہی دربار میں دوسری قوموں کے عالموں سے مناظرہ کرنے کے اہل قرار دے دیئے گئے تھے۔

حضرت داتا گنج بخشؒ کا اسم گرامی علی بن عثمانؒ ہے، داتا گنج بخشؒ کے مبارک لقب سے معروف ہیں۔ سلسلہ نسب نو واسطوں سے حضرت علیؓ تک پہنچتا ہے۔ آپ حسنی سید ہیں۔ وطن افغانستان کا تاریخی شہر غزنی تھا۔ جلاب اور ہجویر غزنی کے دو محلوں کے نام ہیں شیخ کی سکونت ابتداء میں جلاب میں رہی پھر ہجویر منتقل ہو گئے۔ اسی نسبت سے جلابی اور ہجویری کہلاتے ہیں۔ شیخ نے خود بھی اپنے آپ کو جلابی الغزنوی ثم الہجویری لکھا ہے۔

شیخ کا خاندان اپنے علم، تقویٰ، پاکیزگی اور ذیانت وقناعت کی وجہ سے ممتاز تھا۔ آپ کے ماموں اپنے عہد میں ’’تاج الاولیا‘‘ کے لقب سے مشہور تھے۔ تاج الاولیاء کا مزار غزنی کے جس محلے میں تھا وہ اسی نام سے مشہور ہوا۔ اسی مزار میں شیخ کے والدین کے مزار بھی ہیں۔ یہ مزار گیارہویں ہجری میں شہزادہ داراشکوہ نے دیکھے تھے۔ کہا جاتا ہے کہ یہ مزار اب بھی موجود ہیں۔

شیخ نے ابتدائی تعلیم غزنی میں ہی حاصل کی تھی اور عنفوان شباب میں علوم کی ماہرانہ تحصیل کر چکے تھے لیکن اس زمانے کے دستور کے مطابق نامور بزرگوں سے استفادہ

98366

کرنے، ان کی صحبت میں بیٹھنے، فیض حاصل کرنے اور آداب درویشی کی تکمیل کے لئے سیاحت کو نکل کھڑے ہوئے۔ سیاحت، مشاہدے، تجربے اور مجاہدے کو تقویت پہنچاتی ہے۔ نظر میں وسعت پیدا ہوتی ہے زندگی کے نیک و بد سے آگاہی ہوتی ہے۔ عجائبات عالم کا عرفان ہوتا ہے۔ زندگی کی بوقلمونی، رنگارنگی، تضاد اور ناہمواری کا اندازہ ہوتا ہے۔ بڑے بڑے بزرگوں کی صحبت نصیب ہوتی ہے۔ عقل اور عشق کی منزلیں طے ہوتی ہیں۔ اسی وجہ سے اولیائے کرام نے اپنی مبارک زندگیوں کا بڑا حصہ سیاحت میں گزارا ہے۔ اور سیاحت کے ذریعے سے عرفان نفس کے مقامات طے کئے ہیں۔ شیخؒ نے اپنے عہد کے عالم اسلامی کے بیش تر مقامات کی سیاحت کی تھی اور تمام معروف مشائخ سے فیض اٹھایا تھا۔ ''کشف المحجوب'' میں آپ نے اپنی سیاحت اور نامور بزرگوں سے فیض اٹھانے کا تذکرہ کیا ہے۔

شیخؒ نے وسط ایشیا، ایران، شام اور برصغیر پاک و ہند کی سیاحت فرمائی تھی، ''کشف المحجوب'' میں ان علاقوں سے تعلق رکھنے والے مختلف شہروں کے نام ملتے ہیں۔ یہ بھی اندازہ ہوتا ہے کہ شیخ نے پاک و ہند کے مختلف علاقوں کی سیاحت کی تھی، یہاں کے رسم ورواج کا مطالعہ کیا تھا اور یہاں کے عالموں سے تبادلہ خیال بھی کیا تھا۔ یہ سیاحت بڑی کٹھن تھی۔ پیدل سفر، کڑی، مشقت، موسموں کا سرد و گرم، مسجدوں اور خانقاہوں میں قیام، ایک دفعہ ایک خانقاہ میں پہنچے تو کپڑے تار تار، ہاتھ میں صرف عطر اور پانی کی چھاگل۔ خانقاہ والوں نے پھپھوندلگی روٹی کھانے کو دی اور خربوزے کے چھلکے ان پر پھینکے مگر خاصان خدا کے لئے اس بدسلوکی میں بھی اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کا تصور ملتا ہے۔

سیاحت کے دوران شیخ کو متعدد نامور اہل اللہ، عالموں، درویشوں اور خانقاہ نشینوں سے ملنے کا موقع ملا۔ ''کشف المحجوب'' میں ان میں سے بعض بزرگوں کے نام بھی ملتے ہیں۔ شیخ نے لکھا ہے کہ صرف خراسان میں تین سو بزرگوں سے ملاقات ہوئی

تھی۔اس بیان سے اندازہ ہوسکتا ہے کہ شیخ نے بے شمار بزرگوں سے فیض حاصل کیا تھا۔سالک راہ سلوک میں جتنے بزرگوں سے ملتا ہے اور فیض حاصل کرتا ہے،اس اعتبار سے اس کے مشاہدے، تجربے اور مقامات میں استواری، گہرائی اور رفعت پیدا ہوتی ہے۔زندگی کا شعور بیدار ہوتا ہے۔معرفت اور آگاہی حاصل ہوتی ہے،شکست انا کی منزل سے گزرتا ہے اور اپنی صحیح حیثیت سے آگاہ ہوجاتا ہے۔

شیخ ؒ نے یوں تو بے شمار بزرگوں سے فیض حاصل کیا تھا لیکن حصوصی فیض، ہدایت اور رہ نمائی انہیں اپنے پیر و مرشد حضرت ابوالفضل محمد بن الحسن الختلی سے ملی وہ سلسلہ جنیدیہ کے بزرگ تھے حدیث کے عالم تھے،حضرت حصریؒ کے رازدار مرید تھے۔ساٹھ برس تک تنہائی کی تلاش میں سرگرداں رہے اور یہ کوشش کرتے رہے کہ خلق خداؐ کے ذہن سے اپنا نام محو کردیں اور انہیں اس کوشش مین کامیابی بھی ہوئی۔شیخ ختلی صوفیاء کی رسموں اور لباس کے پابند نہیں تھے بلکہ ان صوفیون ےکے ساتھ جو رسوم میں جکڑے ہوئے تھے،سختی سے پیش آتے تھے۔فقر و استغنا میں اپنی نظیر آپ تھے مدت دراز تک ایک جبہ پہنا اور اسی میں پیوند پر پیوند لگواتے رہے۔شیخ ؒ نے یہ بھی لکھا ہے کہ میں نے ان سے زیادہ بارعب کسی کو نہیں دیکھا۔شیخ ؒ ختلی کا وطن دریائے جیحوں کے بالائی علاقے ختلان میں تھا لیکن دمشق کے جنوب مشرق کے ایک موضع بیت الجن میں مقیم ہوگئے تھے۔

مرشد و مرید کے تعلقات میں جو گہرائی، دلی لگاؤ اور روحانی شیفتگی تھی اسے سمجھنے کے لئے یہ واقعہ ذہن میں رکھنا ضروری ہے کہ مرشد کا وصال ہوا تو سر مبارک مرید کی آغوش میں تھا۔شیخ ؒ نے لکھا ہے کہ جب میرے شیخ ؒ کا وصال ہوا تو وہ بیت الجن میں تھے۔وصال کے وقت ان کا سر میری آغوش میں تھا اور میرا دل انسانی فطرت کے مطابق ایک محبّ صادق کی جدائی پر رنجیدہ تھا۔وصال کے وقت پیرو مرشد نے فرمایا۔"بیٹا میں تمہیں اعتقاد کا ایک مسئلہ بتاتا ہوں اگر اس پر مضبوطی سے عامل رہو گے تو تمام تکلیفوں سے محفوظ رہو گے۔یہ سمجھ لو کہ تمام موقعوں اور حالات میں نیک و بد کا خالق خدائے عزو

جل ہے، چناں چہ اس کے کسی فعل پر کبیدہ نہ ہونا اور رنج کو اپنے دل میں گھسنے نہ دینا۔" صرف یہ فرمایا کوئی لمبی چوڑی وصیت نہیں کی اور جان جاں آفریں کے سپرد کر دی۔

شیخ ختلی کا یہ بیان بڑا اہم اور معنی خیز ہے۔ یہ تلقین بھی ہے کہ میرے رخصت ہو جانے سے بددل نہ ہونا۔ اللہ تعالیٰ کی مشیت میں کسی کا دخل نہیں، وہ خالق اور قادر مطلق ہے اسی کا حکم چلتا ہے اور یہ نصیحت بھی ہے کہ کوئی موقع ہو، حالات کوئی بھی رخ اختیار کریں تم حرف شکایت زبان پر نہ لانا اور رنجیدہ نہ ہونا۔

انچہ از دوست می رسد نیکواست

جبر و اختیار کا مسئلہ پیدا نہیں ہونا چاہیے۔ راضی برضا رہو یہی آئین درویشی ہے۔

شیخ عالم اسلام کی سیاحت، بزرگوں سے فیض اٹھانے اور پیرومرشد کی تربیت و تلقین کے بعد لاہور تشریف لائے۔ آپ کے لاہور تشریف لانے کے سلسلے میں حضرت سلطان المشائخ نظام الدین اولیاء محبوب الٰہیؒ نے بیان کیا تھا کہ شیخ حسین زنجانیؒ اور شیخ علی ہجویریؒ دونوں ایک ہی پیر کے مرید تھے ایک دن پیرومرشد نے شیخ ہجویریؒ سے فرمایا کہ تم لاہور چلے جاؤ اور وہیں رہو۔ شیخ ہجویری نے عرض کیا کہ وہاں تو حسین زنجانی مقیم ہیں۔ پیرومرشد کا ارشاد ہوا کہ تم جاؤ۔ چنانچہ پیر کے فرمان کی تعمیل میں شیخ ہجویریؒ لاہور آئے رات کے وقت پہنچے۔ صبح کے وقت دیکھا کہ شیخ زنجانیؒ کا جنازہ باہر لایا جا رہا ہے۔ محققوں کو حضرت سلطان المشائخ کی اس روایت پر اعتراض ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ شیخ زنجانی کا سال وفات 600 اور 606ھ کے مابین ہے اور خواجہ معین الدین چشتیؒ نے لاہور میں ان سے ملاقات فرمائی تھی۔ معتبر اور مستند معاصر شہادتوں کے بغیر ہونے والی تحقیق میں قطعیت نہیں ہوتی۔ یہ بھی ممکن ہے کہ شیخ حسین زنجانی نام کے کوئی بزرگ شیخ سے پہلے لاہور تشریف لائے ہوں اور دوسرے ہم نام بزرگ نے بعد میں لاہور کو اپنا مستقر بنایا ہو۔ حضرت محبوب الٰہیؒ کی روایت شیخ کے ورود لاہور کے تقریباً ڈھائی سو برس

بعد کی ہے، دوسرے بزرگوں کی روایتیں ساڑھے چار سو برس پرانی ہیں۔ زیادہ قدیم روایت کو بہر حال تقدم حاصل ہوتا ہے اور ایک ہی نام کے دو بزرگوں کے مختلف زمانوں میں ہونے کی روایت بھی ملتی ہے۔

شیخ نے اپنی زندگی کے آخری دور میں لاہور کو اپنا مستقر بنایا تھا۔ یہ شہر ان دنوں لہاور کہلاتا تھا۔ محمود غزنوی کے جانشین یہاں حکمران تھے۔ حکومت مسلمانوں کی تھی، انہیں حاکمانہ حیثیت حاصل تھی لیکن رعایا کی اکثریت ہندو تھی۔ ہندو مسلمانوں سے ذہنی، روحانی اور ثقافتی طور پر مرعوب تھے لیکن انہوں نے اسلام اور مسلمانوں کی حکمرانی کو دل سے قبول نہیں کیا تھا۔ مسلمان حکمران ملکوں کو زیرنگیں لے آتے تھے لیکن عوام میں اسلام کی روشنی پھیلانا ان کے بس میں نہیں تھا کیونکہ حکومت اور اقتدار کے معاملے اشاعت دین کے بجائے کچھ اور ہوتے ہیں۔ سیدھی بات یہ ہے کہ اگر مسلمان حکمرانوں کو توسیع و اشاعت اسلام سے دل چسپی ہوتی تو مسلمان برصغیر میں اقلیت میں نہ ہوتے۔ حکمران ملک پر حکمرانی کرتے رہے اور خاصان خدا دلوں پر۔ جو دلوں کو فتح کر لے وہی فاتح زمانہ، شیخ نے لاہور کو مستقر بنا کر بے شمار لوگوں کو دین کی طرف مائل کیا اور ایمان کی روشنی پھیلائی۔ آپ کی پاکیزہ زندگی، زہد تقویٰ، بلند نگاہی، رواداری، دیانت، صبر و تحمل، عفو و درگزر اور فقر و فاقہ کے مسلک نے مقامی آبادی کو بہت متاثر کیا۔ لوگ جوق در جوق مسلمان ہونے لگے۔ جو کام مسلمان حکمراں انجام نہ دے سکے تھے وہ آپ نے تن تنہا انجام دیا اور سارے علاقے میں اسلام کا بول بالا کر دیا۔

مقامی آبادی عام طور پر غیر ملکی حکمرانوں، ان کے طور طریقوں، خیالات اور انداز فکر سے خائف رہتی ہے۔ ان کی اچھی چیزوں کو بھی پسند نہیں کرتی، شک و شبہ کی نظر سے دیکھتی ہے، انہیں آسانی سے قبول کرنے پر تیار نہیں ہوتی، امیر امرا کے انداز سے بدکتی ہے مگر جب یہی مقامی آبادی کسی نورانی بزرگ کو سیدھی سادی اور تقوے کی زندگی بسر کرتے ہوئے دیکھتی ہے، یہ دیکھتی ہے کہ یہ بزرگ امیر امرا کی طرح عوام سے الگ نہیں رہتے

بلکہ ان میں گھل مل جاتے ہیں، انکے دروازے ہر شخص کے لئے کھلے ہوئے ہیں، یہ ہر شخص سے نرمی، ملائمت، ہمدردی، دل سوزی اور محبت سے بات کرتے ہیں، سچائی کا راستہ دکھاتے ہیں تو پھر یہ آبادی ان کا کلمہ پڑھنے لگتی ہے اور ان کی حلقہ بگوش ہو جاتی ہے۔

شیخ نے لاہور میں زندگی خلق خدا کی اصلاح، ہدایت اور راہ نمائی میں گزاری، عوام میں گھل مل گئے۔ انہیں بڑے خلوص سے سیدھے راستے پر لے آئے۔ اس زمانے میں سرحد اور پنجاب میں اسلام کے اثرات برائے نام تھے شیخ کی تبلیغی کوششوں سے ان علاقوں میں اسلام کو بڑی مقبولیت حاصل ہوئی۔ بعد کے زمانے میں مسلمانوں کو ان علاقوں میں جو بھاری اکثریت حاصل ہوئی اس کی ابتداء شیخ ہی کی تبلیغی کوششوں سے ہوئی تھی۔

لاہور میں شیخ کا قیام کتنی مدت رہا اس کے بارے میں معلومات نہیں ملتیں۔ سال وصال بھی قیاسی طور پر 461ھ اور 465ھ کے درمیان متعین کیا گیا ہے۔ تاریخ وصال 20 صفر بیان کی جاتی ہے۔ اسی تاریخ کو آپ کا عرس ہوتا ہے۔ لاہور میں آپ نے جس جگہ قیام فرمایا تھا مزار پر انوار بھی وہیں ہے۔ مزار کاہے کو ہے منارہ نور ہے جہاں مقامی آبادی کے علاوہ دور دراز کے علاقوں کے زائرین بھی کھنچے چلے آتے ہیں۔ ہر وقت میلے کا سا سماں رہتا ہے۔ صبح سے شام اور شام سے رات تک زیارت کرنے والوں کے ٹھٹ لگے رہتے ہیں۔ اسے پاکستان بھر میں برکت وسعادت کا وہ مرکز سمجھا جاتا ہے جہاں بے قراروں کو قرار اور دل فگاروں کو سکون حاصل ہوتا ہے بڑے بڑے بزرگ یہاں تشریف لا چکے ہیں۔ خواجہ خواجگان خواجہ معین الدین چشتیؒ نے یہاں ایک چلّہ کیا تھا اور شیخ کی مدح کا یہ شعر:۔

گنج بخش فیض عالم مظہر نور خدا ناقصاں را پیر کامل کاملاں را رہنما

خواجہ معین الدین چشتی ہی سے منسوب ہے۔

توسیع واشاعت اسلام کے علاوہ شیخ کا دوسرا عہد آفریں کارنامہ وہ شہرہ آفاق کتاب "کشف المحجوب" ہے جسے حضرت محبوب الٰہیؒ نے طریقہ صوفیہ میں پیرو مرشد کا

درجہ عطا فرمایا ہے۔ آپ نے "کشف المحجوب" کے علاوہ بعض اور کتابیں بھی لکھی تھیں لیکن ان کے نام ہی نام رہ گئے اصل کتابیں ناپید ہو گئیں۔ "کشف المحجوب" سے آپ کی نو دوسری کتابوں کے نام معلوم ہوتے ہیں۔

"کشف المحجوب" شیخؒ نے عمر مبارک کے آخری دور میں لکھی تھی۔ اس کا بڑا حصہ لاہور میں لکھا گیا ہے۔ یہ کتاب حضرت ابو سعید ہجویریؒ کی فرمائش پر لکھی گئی تھی اور ان کے بعض سوالات کے جوابوں پر مشتمل ہے۔ بنیاد ان کے سوالات ہیں۔ کتاب مرتب کرنے کا خیال انہیں سوالوں سے پیدا ہوا تھا۔ اس وقت تک تصوف کی کتابیں بالعموم عربی زبان میں مرتب کی جاتی تھیں فارسی میں لکھے جانے کی وجہ سے اس کی افادیت اور مقبولیت عام ہوئی۔ فارسی جاننے والوں کی تعداد بہت زیادہ تھی اس لئے کتاب سے استفادہ کرنے والوں کا حلقہ بھی بہت وسیع تھا۔ شیخؒ نے "کشف المحجوب" کے ذریعے سے شریعت و طریقت کے آہنگ کو نمایاں کیا ہے اور ان تمام غلط فہمیوں کی تردید کی ہے جو اس سلسلے میں عام طور پر رواج تھیں۔ تصوف کی دوسری کتابوں کے برعکس "کشف المحجوب" کا انداز بیان اس زمانے کے اعتبار سے سادہ اور پراثر ہے۔ اس کے انداز میں خیالات کی تشریح اور توضیح کی کیفیت بہت نمایاں ہے۔ "کشف المحجوب" کی وجہ سے تصوف کے رموز و نکات عام قاری تک پہنچے اور ہدایت و رہنمائی کا دائرہ بہت وسیع ہوا۔

"کشف المحجوب" مختلف ابواب اور فصلوں پر مشتمل ہے۔ بعض ابواب طویل ہیں بعض مختصر، طویل اور مختصر ہر باب میں معلومات اور علم کا ایک سمندر موجزن ہے۔ ان میں تصوف کی بنیادی تعلیمات پوری شرح و بسط اور تفصیل کے ساتھ قلم بند کی گئی ہیں۔ کلام ربانی، احادیث مبارکہ اور اولیاء اللہ کی روایتوں، حکایتوں اور اقوال کی روشنی میں ہر بیان کی وضاحت کی گئی ہے۔ لہجے میں صفائی، سادگی، دردمندی اور انکسار ہے۔ جو بات بھی بیان ہوئی ہے اس طرح بیان ہوئی ہے کہ دل میں اترتی جاتی ہے اور ذہن اسے بے چون و چرا قبول کر لیتا ہے۔ تصوف کے حوالے سے لکھی جانے والی

کتابیں عام طور پر بہت مشکل اور پیچیدہ ہوتی ہیں ان کا سمجھنا ہر شخص کے لئے ممکن نہیں ہوتا لیکن ''کشف المحجوب'' میں ایسی صفائی اور سادگی ہے کہ عام پڑھنے والا بھی کوئی دقت محسوس نہیں کرتا۔ یہ حضرت داتا گنج بخشؒ کا فیض جاریہ ہے۔ ان کے قلب باصفا کی پاکیزگی اور روح کا اجالا ''کشف المحجوب'' کے روپ میں آج بھی ہمارے سامنے ہے۔ یہ ہمیشہ برقرار رہنے والا اجالا ہے۔

''کشف المحجوب'' معرفت کا گنجینہ اور حقائق کا خزینہ ہے تاہم شیخؒ نے اس میں ضمنی طور پر کہیں کہیں موضوع کی مناسبت سے اپنا احوال بھی قلم بند کیا ہے۔ اسی احوال سے شیخؒ کی زندگی کے بعض پہلوؤں سے آگاہی حاصل ہوتی ہے۔

''کشف المحجوب'' کو فارسی ادب کی تاریخ میں بڑی اہمیت حاصل ہے۔ یہ منفرد اسلوب اور سلیس انداز کی حامل ہے۔ کشف المحجوب'' کی نثر بڑی صاف، سادہ اور ادبی شان کی حامل ہے۔ یہ فارسی درسیات میں بھی شامل رہی ہے۔ علوم شرقیہ کی اعلیٰ جماعتوں میں داخل نصاب رہی ہے اور اہلِ ادب نے بھی اسے سر آنکھوں پر جگہ دی ہے۔ اس کی حکایتوں کو ادبی علامتوں کے طور پر دیکھا اور سمجھا جائے تو معنویت کا ایک نیا امکان اور جہت سامنے آتی ہے۔

''کشف المحجوب'' کی یہ اہمیت، شہرت اور مقبولیت برصغیر پاک و ہند ہی تک محدود نہیں بلکہ اس کی مقبولیت کا عالم یہ ہے کہ معروف انگریز عالم پروفیسر نکلسن نے اس کا انگریزی میں ترجمہ کیا جو کئی دفعہ شائع ہو چکا ہے۔ روس کے ایک ممتاز عالم زوکوفسکی نے فارسی متن تصحیح کر کے بڑا مستند اور صحیح نسخہ تیار کیا ہے۔ روسی زبان میں بڑا عالمانہ اور محققانہ مقدمہ لکھا جو لینن گراڈ (اب والگا گراڈ) سے شائع ہوا۔ اسی مقدمے کا فارسی میں ترجمہ ہوا اور ان کا تصحیح کردہ متن بعض اضافی مضامین کے ساتھ ایران سے شائع ہوا۔

☆☆☆

سیدِ ہجویر! ہم شرمندہ ہیں

پروفیسر ڈاکٹر ظہور احمد اظہر

حضور داتا پیرؒ! آج ایک بار پھر زبان کی بات نوکِ قلم پر جاری ہونے' آپ کی روح پر فتوح سے مخاطب ہونے اور آپ کے گن گانے کیلئے بے قرار ہے! حسبِ معمول آپ سے راز و نیاز کی باتیں کرنے اور آپ کے ''ہم شہری لاہوریوں'' کے دلوں کی ترجمانی کرتے ہوئے دکھ سکھ بیان کرنے کو جی چاہ رہا ہے مگر کیا کیا جائے! اس مغموم فضا اور شرمندگی کے اس ماحول میں جرأت کرنا مشکل لگ رہا ہے! سیّد ہجویر! آپ پر اللہ تعالیٰ کی لاکھوں اور کروڑوں رحمتیں ہوں! آپؒ کی روح پر فتوح جنۃ الفردوس کی ربانی و روحانی فضاؤں میں شاداں و فرحاں اولیاء اللہ کی ارواحِ طیبہ کے ہمراہ اپنے ربّ کی بے حساب اور بے پایاں نعمتوں سے سدا سرفراز ہوتی رہے! یہاں کی خلق خدا آپ کی موروثی برکات و تعلیمات سے یونہی تا قیامت فیض یاب ہوتی رہے! وہی فیض' فیضِ عالم' جس کے آپ گنج بخش اور خزانے عطا فرمانے والے ہیں۔ وہی جس کا حضرت شاہ اجمیر و پیر سنجر خواجہ چشت نے اپنے شہرۂ آفاق شعر میں ذکر فرمایا ہے یعنی ''فیضِ اسلام'' ''فیضِ دینِ حق شریعت مصطفیٰ! یہی تو وہ فیضِ عالم ہے جس کے خزانے آپ نے خلق خدا کو راہ راست پر لگانے کیلئے صرف فرمائے! کبھی وعظ و تلقین کی شکل میں کبھی محافل ذکر اللہ و درود کی صورت میں اور کبھی اپنی زندۂ جاوید کتاب ِتصوف ''کشف المحجوب الارباب القلوب'' کے رنگ میں۔ یہی تھا آپ کا وہ فیضِ عالم جس کے آپ گنج بخش تھے اور یہی وہ فیض ہے جو آج بھی جاری ہے اور اللہ کے فضل سے قیامت تک جاری رہے گا۔ اسلام کا فیض دائمی' غیر فانی اور زندہ جاوید ہے۔ دبانے والے اسے کتنا بھی دبائیں یہ اتنا ہی

ابھرتا اور فیض یاب کرتا رہے گا۔ دشمنان حق اور پرستاران باطل اسے کسی طرح بھی روکیں یہ رکنے والا نہیں۔ منکرین حق اسے جس قدر بھی ناپسند کریں گے اس سے کہیں زیادہ خلقِ خدا چہار دانگ عالم میں اس دینِ حق کو پسند کرتی جائیگی۔ ربّ سچے کا یہی تو وعدہ اور اعلان ہے۔ ''اللہ ربّ العزت وہ ہستی ہیں جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور حق دے کر مبعوث فرمایا ہے تا کہ اسے غالب و برتر بنا دے۔ خواہ منکرین و مشرکین اس پر کتنے ہی چڑتے' بل کھاتے اور جذبز ہوتے رہیں''۔ یہی وہ قرآنی چیلنج اور ربانی اعلان حق ہے جس کی آپ نے پاسداری و علم برداری فرمائی۔ اسی فیض حق فیضِ عالم کے سر چشمے آپ نے سرزمین لاہور میں جاری فرمائے جو آج بھی جاری ہیں اور تا قیامت جاری و ساری رہیں گے۔ اس دینِ حق کی برکات اپنی پوری گرج چمک کے ساتھ آفاق عالم میں گونجتی سنائی دیتی اور برستی دکھائی دیتی ہیں۔ اسی سے تو دشمنانِ اسلام لرزاں و غلطاں ہیں۔ یہ لوگ آج بھی جو ہتھکنڈے استعمال کر رہے ہیں ان کا کند ہو کر مٹی میں مل جانا مقدر ہو چکا ہے۔ مرشدِ لاہور! آپ نے جس خطہ پاک کو فیضِ عالم یعنی اسلام سے مشرف فرمایا تھا وہ آج بھی اسی اسلام کا داعی و شیدا ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے آپ کی یہ نگری آپ کا یہ لاہور اسلام کا ناقابلِ تسخیر قلعہ اور دولت خداداد پاکستان کا دھڑکتا ہوا دل ہے۔ خدا کرے آپ کی برکات سے یہ اسی طرح ہمیشہ کیلئے ناقابلِ تسخیر اور دھڑکتا رہے۔ آمین ثم آمین! حضور! آپ نے تو لاہور کو لاہور بنا دیا ہے۔ آپ کے عقیدت مند تمام اہلِ پاکستان اور آپ کے ''ہم شہری لاہوریے'' آج بھی آپ کے اس فیضِ عالم اور عظیم الشان خدماتِ اسلام کے قدردان' معترف اور شکر گزار ہیں۔ یہ احسان شناس لاہوریے آپ کی شاندار خدمات کے باعث اپنے اس لاہور کو ''داتا کی نگری'' بھی کہتے ہیں مگر پھر بھی لاہور تو لاہور ہے۔ یہ آپ کی اپنی خدماتِ جلیلہ کا ثمر ہے کہ اہلِ لاہور دینِ حق کے پیر خدمت گزار ہیں۔ وہ اپنے لاہوری ہونے بلکہ آپ کے ''ہم شہر لاہوری'' ہونے پر فخر کرتے ہیں اور اپنے اس مقدر پر نازاں و شاداں ہیں۔

سب کے سب آپ کی خدمات‘ آپ کی عظمات اور آپ کی برکات کے گن گاتے ہیں یہی نہیں بلکہ ان خدمات‘ عظمات اور برکات کو تو ملتِ اسلامیہ کے بزرگوں نے بھی خراج عقیدت پیش کیا ہے۔ یہ ہیں خواجہ اجمیر و پیر سنجر معین الدین چشتی جو آپ کی ان خدمات‘ عظمات اور برکات کا عملی مشاہدہ کرنے کے بعد بول اٹھتے ہیں اور ان کے یہ بول خلقِ خدا کی زبان پر رواں دواں ہو جاتے ہیں۔

گنج بخش فیضِ عالم مظہرِ نورِ خدا

ناقصاں را پیرِ کامل کاملاں را رہنما!!

حضرت خواجہ نے تو آپ کو ناقصوں کا پیرِ کامل اور کاملوں کا رہنما کہا بلکہ انہوں نے تو آپ کو ”مظہرِ نورِ خدا“ قرار دیا ہے۔ دین اسلام کو آپ کے طفیل غلبہ حاصل ہوا مگر خواجہ اجمیر کے بعد شیخ سرہند حضرت مجدد الف ثانی آتے ہیں جنہوں نے اسلام اور اہلِ اسلام کو شیطانی اکبری پنجہ ارتداد سے نجات دلائی اور ”مسلمان مغلیہ سلطنت“ کو ہندو مغلیہ سلطنت میں ڈھالنے والے ہندوانہ راجپوتی کھیل کو نامراد و ناکام بنا دیا تھا۔ شیخ سرہند جب لاہور تشریف لاتے ہیں تو اہلِ لاہور کی مخلصانہ مہمان نوازی‘ حق پرستی اور اسلام دوستی سے متاثر ہو کر آپ کی اس نگری‘ شہر لاہور کو ”قطب الارشاد“ کے لقب سے نوازتے ہیں یعنی آپ کے وجود کی برکت سے یہ لاہور ہدایت و رہنمائی کا اسلامی مرکز بن گیا اور اسے وہی مرکزیت حاصل ہوگئی۔ جو قطبین‘ قطب جنوبی اور قطب شمالی کو زمین کی محوری گردش میں حاصل ہے۔ زمین قطب کے سہارے گھومتی ہے اور برصغیر پاک و ہند میں اسلام کی اشاعت اور مسلمانوں کی سرگرمیاں لاہور کے گرد گھومتی ہیں۔ اب یہ ہے کہ آپ کا ”اقبال“ جو اپنے شعری کلام میں‘ شاعرانہ فکر اور محرمانہ انداز میں آپ کو شاندار خراج تحسین پیش کرتا ہے۔ حضرت علامہ نے ہی تو آپ کو کفرستان ہند میں شجرۂ اسلام کا بیج بونے والا‘ سید ہجویرؒ ملتِ اسلامیہ کا مخدوم‘ سرزمین پنجاب کو زندگی بخشنے والا اور دینِ حق کی آواز بلند سے بلند کرنے والا جیسے القاب و خطابات سے نوازا ہے لیکن ان بزرگان اسلام کی یہ تمام باتیں

زندہ حقائق کی ترجمانی کرتی ہیں۔ یہ انہی بزرگانِ سلف کی برکت اور ان کی مخلصانہ آوازوں کا نتیجہ تھا کہ برعظیم کی ملتِ اسلامیہ آپ کی اسی نگری شہر لاہور کی طرف کھنچی چلی آئی اور آپ کے مزار کے قرب و جوار میں قیام پاکستان کی قرارداد منظور کی تھی۔ آپ نے اس بتکدۂ ہند میں جس شجرِ اسلام کا بیج بویا تھا وہ اب ایک تناور' سایہ دار' فیض رسان اور پھل دار درخت بن چکا ہے مگر دشمنان اسلام اور دولت خداداد سے جلتے ہیں جو اسی اسلام کا پھل ہے وہ اس چراغ کو گل کرنے کی ناپاک جسارتیں کرتے رہتے ہیں لیکن:

نورِ خدا ہے کفر کی حرکت پہ خندہ زن
پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائیگا

مرشدِ لاہور! یہ روحانی برکات اور تاریخی حقائق ہیں جن سے آپ کی عظمت کا بھی اندازہ ہوتا ہے جو قابلِ فخر بھی ہیں اور نا قابلِ فراموش بھی۔ آپ کی یہ نگری شہر لاہور اور آپ کے ہم وطن و ہم شہری اہلِ لاہور ان برکات و خدمات کے امین اور محافظ ہیں۔ ہمارے لئے تو یہ بات بھی قابلِ فخر اور شکریہ کی مستحق ہے کہ آپ نے اپنی عظیم القدر اور شہرہ آفاق کتاب کشف المحجوب کی تالیف و ترتیب کیلئے شہر لاہور کو چنا حالانکہ آپ سلطان محمود غزنوی کے پایہ تخت غزنی میں تھے اور عرب و عجم کے بڑے بڑے شہروں کی علمی درسگاہوں میں بھی گئے' کشف المحجوب ان اسلامی شہروں یا غزنی میں بھی لکھی جا سکتی تھی' جہاں آپ نے کئی ایک چھوٹی بڑی کتابیں تصنیف فرمائی بھی تھیں مگر یہ شرف و اعزاز لاہور کیلئے مقدر ہو چکا تھا۔ اس کتاب نے واقعی اہلِ قلب و نظر کیلئے اسلامی تصوف کے حقائق اور اسرار و رموز کھول کر رکھ دیئے ہیں۔ کشف المحجوب جہاں آپ کی نمائندہ یادگار ہے۔ اسی طرح یہ اسلامی تصوف کی بھی ایک نمائندہ کتاب ہے۔ یہ کتاب کیا ہے' ایک زندہ و پائندہ جیتا جاگتا پیر و مرشد ہے۔ اسی لئے تو حضرت نظام الدین اولیاء دہلوی جیسے عظیم و جلیل صوفی نے فرمایا ہے کہ جسے مرشد کامل میسر نہ ہو تو اس کیلئے یہ کتاب شیخ و مرشد کا کام دے گی۔ کشف المحجوب بلاشبہ فارسی میں اسلامی تصوف پر لکھی جانے والی اولین کتاب ہے۔ یہ کتابِ عظیم جہاں حضور! آپ کی علمی

خدمات و برکات کا ایک زندہ جاوید نمونہ اور اہلیت کا روشن مینار ہے وہاں آپ کی یہ علمی کاوش لاہور اور اہلِ لاہور کیلئے قابلِ فخر سرمایہ رہنمائی بھی ہے مگر اے سیّد ہجویر! اب کے جس فضا اور جس ماحول میں آپ کا یومِ وصال منایا جا رہا ہے اور لوگ آپ کے عرسِ مبارک میں حسبِ معمول شریک ہونے کیلئے نکلے ہیں۔ وہ حزن و ملال کی ایک فضا اور رنج و غم کا ایک اداس سا ماحول ہے! یہ ایک ایسی فضا اور ایک ایسا ماحول ہے جسے افسوس اور شرمندگی کی فضا اور پر خطر ماحول کے سوا اور کوئی نام یا عنوان نہیں دیا جا سکتا۔

ہم لاہوریے آپ کے ''ہم شہری'' آپ سے سخت شرمندہ ہیں! حضور! جس طرح آپ کا جسدِ خاکی لاہور کی خاک میں آسودہ اور محوِ استراحت ہے۔ اسی طرح آپ کی پاک اور انمٹ یادیں اور روحانی کارنامے بھی ہمارے دلوں میں آباد ہیں اس لئے لاہور کا ہر مسلمان اس شرمندگی اور افسوس کی فضا اور حزن و ملال کے اس بوجھل سے ماحول میں بھی اپنے دلوں کے راز و نیاز اور دکھ و سکھ آپ تک پہنچانا چاہتا ہے! آپ کی تبلیغی سرگرمیاں اور تعلیمی خدمات اہلِ لاہور کیلئے بہت بڑا سرمایہ اور ان پر احسانِ عظیم ہے! احسان مندی کا تقاضا ہے کہ ہر محبِّ صادق اور مخلص عقیدت مند اپنے دلی جذبات زبان پر لانے اور نوکِ قلم سے کاغذی صفحات میں ریکارڈ کرنے کا آرزومند ہے اور چاہتا ہے کہ یہ سب کچھ قلم کی زبان سے کاغذ پر سجایا جائے مگر اس آرزو کے ساتھ کہ اسے آنیوالی نسلیں بھی پڑھ کر اپنے دل و جگر کی تسکین و اطمینان کا سامان کر سکیں اور اسے فراموش کر کے خوابِ غفلت میں نہ پڑیں! سیّد ہجویر! یقین کیجئے کہ آپ سے ہم واقعی بہت غمگین اور بے حد شرمندہ ہیں کیونکہ ہم اہلِ لاہور کو' آپ کے ہم شہریوں یا ہم وطنوں کو آپ کے مریدوں اور عقیدتمندوں کو وہ پہاڑ جیسا غم سہنا پڑا اور دکھ درد کا وہ ہولناک و غم ناک منظر دیکھنا پڑا جو اس خوبصورت و پر امن شہر کے باسیوں نے کبھی دیکھا ہی نہ تھا۔ مردوں اور قبرستانوں کو بارود کے ڈھیروں میں بدلنا' اولیاء اللہ کے مقدس مزارات کی توہین جیسے گرے ہوئے ذلیل گناہوں کا ارتکاب کرنا! یہ کونسا ''جہاد'' ہے!

اے انسانیت کو کفر کے اندھیروں سے نکالنے والے مرد حق! یہ کتنا بڑا جرم ہے۔ یہ کتنا ہولناک اور شرمناک کھیل ہے جو یہ اجرتی قاتل کھیل رہے ہیں۔ لیکن یہ ایسے اندھے کھلاڑی ہیں جو اس کھیل میں دھوکے سے دھکے دے کر جھونک دیئے جاتے ہیں۔ یہ اپنے لئے دوگنا عذاب کماتے ہیں۔ ایک خودکشی کا جو اسلام میں حرام ہے۔ دوسرا بیسیوں بلکہ سینکڑوں بے گناہوں کو موت کے گھاٹ اتارنے کا جرم۔

اے زہدو تقویٰ کے حامل پیر طریقت! اس کھیل کی حقیقت دنیا پر اور ہم سب پر واضح ہے کہ یہ گھناؤنا کھیل درحقیقت حرام مال کا کھیل ہے۔ یہ گمراہ مگر ناکام اور نام نہاد خودکش بمبار چند ٹکوں کی خاطر اور سبز باغ دکھا کر اکسائے جاتے ہیں اور اس آگ میں جھونکے جاتے ہیں۔ ان کو ماں باپ سے چند ٹکوں کے عوض خریدا جاتا ہے اور پھر سبز باغ دکھا کر ان کی برین واشنگ کی جاتی ہے تب جا کر یہ گمراہ اور بدنصیب اپنی دنیا و آخرت برباد کرنے کیلئے خودکش بمباری کی آگ میں کودنے کیلئے آمادہ ہوتے ہیں۔ گویا اس گھناؤنے جرم اور انتہائی شرمناک کھیل کے اصل کردار تو وہ شیطانی معلم ہیں جو دین اور جنت کے نام سے ان خودکش بمباروں کی برین واشنگ کرتے ہیں۔

مگر اے مرشدِ لاہور! ہم پھر بھی شرمندہ اور غم زدہ ہیں کیونکہ ہمیں غم کا وہ پہاڑ سہنا پڑا جو ہم پر ٹوٹ پڑا' ہمیں دکھ درد کا وہ ہولناک منظر بھی دیکھنا پڑا جس سے خلق خدا کی آنکھیں پتھرا گئیں۔ حضور! یہ غم واندوہ کا پہاڑ اور یہ ہولناک منظر آپ کے ہم شہری لاہوریوں نے پہلے نہ کبھی سنا تھا اور نہ کبھی دیکھا تھا۔ کیا اسلام کے علمبردار اور جنت کے دعوے دار ایسا شرمناک اور اتنا ہولناک کھیل کھیل سکتے ہیں؟

اسی لاہور میں سکھ' عیسائی رہ رہے ہیں بلکہ ہندو بھی رہتے ہیں مگر ہمارے ان غیر مسلموں نے آج تک کبھی اس ناپاک جسارت کا خیال تک بھی نہیں کیا تھا۔ یہ گھناؤنا جرم اسلام کو بدنام کرنے کیلئے اسلام کے نام پر کیا جا رہا ہے۔ ہمارے ازلی دشمن ان شیطانی معلمین کے اس گروہ کے ذریعہ اسلام کو دہشتگردی کا دین اور پاکستان کو ایک

دہشتگرد ملک ہونے کا دھبا لگا کر بدنام کرنے پر تلے ہوئے ہیں۔ حضور! آپ کے ہم شہری یہ لاہوریے غمگین ہونے کے ساتھ ساتھ شرمندہ اس لئے ہیں کہ ان پست نسل کے گمراہ کیڑوں کو آپ کے دربار میں ناپاک قدم رکھنے سے پہلے ہی ہم مسل کیوں نہ سکے۔ یہ چل کر دربار شریف کے دروازوں تک کیوں کر پہنچ گئے ہمیں اس بات کا افسوس ہے اور اپنی اس غفلت پر شرمندگی ہے اہلِ لاہور کے داتا پیر! اب کے آپ کے عرسِ مبارک اور یومِ وصال پر آپ کی اس نگری شہر لاہور کا رنگ بھی کچھ عجب سا ہے۔ مگر یہ ایک ایسا رنگ ہے جس کو کچھ نام نہیں دیا جا سکتا مگر اس رنگ کو ہر نام سے پکارا بھی جا سکتا ہے۔ یہ رنگ وخشیت، بربریت اور درندگی کی پیداوار ہے! اس رنگ کو اگر کوئی بہتر نام دیا جا سکتا ہے تو وہ سرخ رنگ بلکہ سرخ خونی رنگ ہے جو خوف اور دہشت بھرا رنگ ہے۔ حضرت داتا صاحب! آپ کی نگری کا یہ رنگِ خوف زدہ کرنے والا اور دہشت میں مبتلا کرنے والا رنگ تو ہے! مگر آپ کی اس نگری میں آپ کے جو ارادت منداور جو جاں نثار بستے ہیں وہ نہ تو اس سے خوف زدہ ہیں نہ دہشت میں مبتلا ہونیوالے ہیں لیکن آپ کے یہ مخلص ارادت مند غمگین ضرور ہیں اور بلاوجہ نہیں۔ ان کے سر آج شرم سے جھکے ہوئے اور آنکھیں پرنم ہیں۔ یہ غمگین ہیں کہ ایسا تو کبھی نہیں ہوتا تھا اور شرمندہ بھی ہیں کہ ہو کیوں گیا؟ حضور پیر و مرشد! آپ کی روح پرفتوح کو جنت الفردوس میں اللہ جل شانہ کی رضا و خوشنودی اور قرب و جوار مبارک ہو۔ ہمیں بھی یہ توفیق نصیب ہو کہ آپ ہی کی طرح دینِ حق کے اصولوں پر عمل کرتے ہوئے ربّ کریم کی مغفرت وعنایت سے سرفراز کئے جائیں۔ آپ کے مزار مبارک پر انوار الٰہی کی یہ بارش اسی طرح تا قیامت برستی رہے اور آپ کے مریدین اور عقیدت منداس نورانی بارش سے اسی طرح ہمیشہ فیض یاب ہوتے رہیں۔ یہ ہماری آرزو بھی ہے دعا بھی!! لیکن حضرت داتا صاحب! اب کے آپ کے یومِ وصال اور آپ کے عرسِ مبارک کا سورج طلوع ہو چکا ہے اور ہم اہلِ لاہور آپ کے ہم وطن اور ہم شہری حسبِ معمول اس موقع کی مناسبت سے ذکر اللہ اور تلاوت قرآن

کریم کرتے ہوئے نکل پڑے ہیں اور اس گہما گہمی میں شرکت کیلئے رواں دواں ہیں۔ ہم میں سے تمام نیک دل، سخی خیرات وصدقات کے انبار لگانے کیلئے آپ کے مزار اور آپ کی مسجد کی طرف رواں دواں ہیں۔ دل آرزوؤں سے بھرے ہیں اور زبانوں پر دعائیں بجی ہیں! مگر اس کے ساتھ ہی فکر مند اور پریشان بھی ہیں کہ کہیں کوئی اور شر پسند درندہ اجرتی قاتل اپنے گندے اور گھناؤنے دھندے کیلئے آپ کے مزار مبارک کی طرف بڑھنے کی ناپاک جسارت نہ کرے۔ اللہ تعالیٰ ان کے شر سے سب کو محفوظ رکھے آمین ثم آمین! جناب داتا صاحب! ہم سب نہیں تو ہم میں سے اکثر دردمند اور آپ کے مریدین ایک جھجک سی، ایک شرمندگی سی اور ایک ندامت سی اپنے اپنے دل کی گہرائی میں محسوس کر رہے ہیں اور سوچ رہے ہیں کہ آپ تو اپنے مرشد کے حکم سے غزنی میں اپنے والدین کریمین کے مزارات اور اپنے عزیز واقارب کو الوداع کہہ کر اور اپنا سرمایہ کتب غزنی میں چھوڑ کر لاہور تشریف لائے تھے تاکہ یہاں سے کفر اور گمراہی کو مٹا کر حق اور ہدایت کے چراغ روشن کر دیں۔ کفر و بت پرستی میں الجھے ہوئے اور گناہوں میں ملوث انسانوں کو اسلام کے رستہ پر ڈال دیں! اس وقت کے کفر و شرک میں بھٹکنے والے لاہور کی اکثریت نے آپ کی راہ میں روڑے اٹکائے بلکہ کانٹے بچھائے مگر مکہ مکرمہ کی گلیوں میں کفار مکہ کے اس سلوک کو سامنے رکھتے ہوئے جو ہمارے آقا و مولیٰ حضرت محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے روا رکھا گیا۔ آپ نے اپنے اس وقت کے منکرینِ حق لاہوریوں کی بدسلوکیاں بھی خندہ پیشانی سے برداشت کیں حالانکہ آپ تو ان کے مہمان تھے بھلا دور سے آنیوالے مہمان کے ساتھ کوئی ایسا سلوک کرتا ہے؟ خصوصاً ایسے مہمان کو تو احسان مندی اور شکر گزاری کے ساتھ سر آنکھوں پر بٹھایا جاتا ہے تاہم اس وقت کے لاہوریوں نے بالآخر آپ کی دعوت حق کو قبول کر لیا اور یوں لاہور اسلام کا اور اسلام لاہور کا بن گیا اور آج بھی ہے اور اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے کل بھی رہے گا۔

(روزنامہ نوائے وقت 25 جنوری 2011ء)

ہند میں سرمایۂ ملت کا نگہبان

پیرزادہ علامہ اقبال احمد فاروقی

لاہور میں حضرت داتا گنج بخش سیّد ابوالحسن علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کا مزار صدیوں سے مرجع خلائق رہا ہے۔ یہ "ہند میں سرمایۂ ملت کا نگہبان" ہے۔ یہ مزار "گنج بخش فیضِ عالم" بھی ہے۔ یہ مزار گہربار بھی ہے اور "مظہرِ نورِ خدا" بھی ہے۔ صاحبِ مزار ناقص الایمان لوگوں کیلئے پیر کامل ہیں اور کامل الایمان اہلِ دل کے رہنما ہیں۔ یہاں سے شاہ و گدا اور علماء و صوفیا یکساں اپنا اپنا نصیب لے کر جاتے ہیں۔ انقلاباتِ زمانہ اور حالات کی شکست و ریخت کے دوران بھی یہ دربار انوارِ الٰہیہ بکھیرتا رہا ہے اولیاء و صوفیہ حتیٰ کہ شہنشاہ اور فرمانروا اسی دربار سے فیض پا کر برصغیر پاک و ہند میں اپنا اپنا مقام حاصل کرتے رہتے ہیں۔ آپ کے وجودِ مسعود نے لاہور کی سرزمین کو باوقار بنا دیا۔

ہزاروں بار گزرے ہیں اٹالے بارگاہوں کے
قدم چومے ہیں اس مٹی نے اکثر بادشاہوں کے
کبھی تیمور نے روندا کبھی بابر نے ٹھکرایا
مگر اس خاک کی عالی و قاری میں نہ فرق آیا
کبھی سکھوں کے لشکر خاک و خوں سے کھیلتے آئے
کبھی پیل دماں آئے کبھی شیر ژیاں آئے

یہ ساری بلائیں بھی حضرت داتا گنج بخش کے مزار پر سرِ نیاز خم کرتی رہیں اور صدیاں گزر جانے کے باوجود یہ دربار مخلوقِ خدا کی عقیدت کا مرکز بنا رہا۔

رجب المرجب کی ایک نورانی جمعرات جب زائرین کا بے پناہ ہجوم محوِ عبادت تھا۔ شر پسندوں کے لشکر کے چند خودکش بمباروں نے سینکڑوں مسلمانوں کو خودکش دھماکے سے اڑا دیا اور لاشوں کے ڈھیر لگ گئے۔ انسانی اعضاء ریزہ ریزہ ہو کر حضرت داتا کے مزار کے فرش پر بکھر گئے۔

ظلم و بربریت کا یہ منظر ایک ہزار سال سے کسی نے کبھی نہ دیکھا تھا۔ سارا پاکستان لرز اٹھا۔ پاکستان کا بچہ بچہ اس خونیں سانحہ پر بلبلا اٹھا۔ ہر شہر ہر قصبہ ہر قبیلہ صدائے احتجاج بن گیا اور بربریت کی اس داستان کو سن کر غم کے آنسو رویا۔ اگرچہ حضرت داتا گنج بخش کا یہ آستانہ تمام مسلمانانِ عالم کی عقیدت و محبت کا مرکز ہے۔ اہلسنّت و جماعت کیلئے قبلہ حاجات ہے مگر ہمارے ملک میں شرک و بدعت کے سوداگروں نے جو پود تیار کی ہے اس کے یہ برگ و بار سامنے آنے لگے ہیں۔ حکومت کے حفاظتی دستے اپنی ناکامی پر رو رہے ہیں۔ امن وامان کے دعویٰ دار منہ چھپاتے پھر رہے ہیں۔ اہلِ سیاست کی بے اعتدالیاں اپنے گریبانوں میں منہ چھپالیں مگر اہلسنّت والجماعت کی کثیر تعداد اس سانحۂ فاجعہ پرخون کے آنسو رو رہی ہے۔ لاہور کے علاوہ پاکستان کے ہر قصبہ ہر بستی میں غم و غصہ کا اظہار کیا گیا ہے اور ہر جگہ احتجاج جلسے جلوس اور ریلیاں نکالی گئی ہیں۔ موجودہ دور میں اظہارِ غم کا یہی دستور ہے۔ دوسری طرف علمائے اہلسنّت سراپا احتجاج بن کر حکومت وقت سے مطالبہ کر رہے ہیں کہ تباہی کے ذمہ داروں کو سزا دی جائے۔ اہلسنّت کا ہر طبقہ ہر جماعت ہر ایک شخص سراپا احتجاج بن کر حکومت وقت سے مطالبہ کر رہا ہے کہ ایسے واقعات کا سدِّ باب کیا جائے اور ایسے عناصر کو کیفرِ کردار تک پہنچایا جائے۔

حکومتِ وقت اپنی بے بسی کا اظہار کرتے ہوئے ان علمائے کرام کو تسلیاں دے رہی ہے بلکہ ''طفل تسلیاں'' دے کر بہلا رہی ہے۔ علمائے اہلسنّت کیلئے ایک ہی راستہ رہ گیا ہے کہ وہ حکومت کی طفل تسلیوں پر سہارا کر کے گوشہ نشین ہو جائیں یا ساری بکھری ہوئی جماعتیں یک جان ہو کر آئندہ کیلئے لائحہ عمل تیار کریں اور اپنی مساجد و مدارس اور

خانقاہوں کی حفاظت کیلئے متحد ہو جائیں۔ آج جن سیاسی اور مذہبی قوتوں کی شہ پر یہ دہشتگرد ہمارے مزاروں پر چڑھ دوڑے ہیں آؤ ان پر ثابت کر دیں کہ ہم ان ہاتھوں کو توڑنا بھی جانتے ہیں جو بم باندھ کر دھماکے کرتے ہیں اور ان مولویوں کو بھی جو ان دہشتگردوں کی سرپرستی کرنے والوں کو جانتے ہیں ابھی ملتِ اسلامیہ حرمت رسول کے تحفظ کی باتیں کر رہی تھیں کہ ملک کے اندر ان شرپسندوں نے دہشت ناک کھیل کھیلا ہے آج ہماری حکومت ہمارے سیاستدانوں اور پھر ہماری مذہبی تنظیموں کو اتنی جرأت نہیں رہی کہ ان دہشتگردوں کا نام لیں جنہوں نے حضرت داتا گنج بخش کے مزار اقدس کو خاک وخوں میں نہلا دیا ہے۔ آج حکمران سہمے ہوئے ہیں۔ آج لیڈرانِ قوم سب کچھ جانتے ہوئے بھی خاموش ہیں آج علمائے کرام دہشتگردوں کے بیوپاروں کا نام لینے سے گھبراتے ہیں جنہوں نے سینکڑوں زائرین کو خون میں نہلا دیا ہے ہم بکھرے ہوئے لوگ' انتشار زدہ رہنما' افتراق کی جن وادیوں میں رواں دواں ہیں۔ وہاں ایسے حملے ہوتے رہیں گے کمزور قومیں شرپسند ٹولوں کے سامنے مرگِ مفادات بن جاتی ہیں۔ بکھرے ہوئے لشکر کبھی اپنے ملک کی حفاظت بھی نہیں کر سکتے۔ غافل افراد اپنے آباؤ اجداد کے مزارات کو بھی محفوظ نہیں رکھ سکتے تاریخ میں ایسے وقت آئے ہیں جب ہم یکجان تھے۔ مضبوط تھے۔ کوئی باطل قوت جرأت نہیں کرتی تھی کہ اسلام پر حملہ کرے۔ راجہ داہر کو محمد بن قاسم کے لشکروں نے سندھ میں پہنچ کر آ لیا تھا۔ سومنات کے راکھشوں کو غزنی سے اٹھ کر محمود غزنوی نے کھدیڑ دیا تھا۔ سکھوں کی چیرہ دستیوں کو احمد شاہ ابدالی نے نیست و نابود کر دیا تھا۔ ہماری کمزوریوں کو دیکھ کر انگریز ہمارے ملک پر چڑھ دوڑے۔ امریکہ' عراق اور افغانستان کو کمزور جان کر روندتا رہا۔ یہودی بیت المقدس پر قابض ہو گئے ہیں۔ نجدی حرمین الشریفین پر چھائے ہوئے ہیں۔ اب نجدیوں کے یہ دہشتگرد ہمارے ملکِ عزیز پاکستان پر ہماری کمزوریاں جان کر وہی کھیل کھیلنا چاہتے ہیں جو یہود و نصاریٰ فلسطین اور نجدی عرب ممالک اور امریکہ افغانستان اور عراق میں کھیل رہے ہیں۔ اسے اپنی

شر پسندی سے مٹانا چاہتے ہیں لیکن یہاں کے مسلمان یکجان ہو کر ان کا مقابلہ کریں گے اور اسے نجدیت کا گہوارہ نہیں بننے دیں گے۔

ہمارے علماء کرام آگے بڑھیں قوم کی رہنمائی کریں۔ خود یکجان ہو کر عوام کو ایک پلیٹ فارم پر لائیں اور دہشتگردوں کے ٹولے کے عزائم خاک میں ملا دیں ساری قوم ان کے ساتھ ہے۔

(ماہنامہ جہانِ رضا' اگست 2010ء)

☆☆☆

لہورنگ داتا دربار' پاک ضمیر پہ دستک

علامہ ڈاکٹر محمد اشرف آصف جلالی
(بانی ادارہ صراطِ مستقیم' پاکستان)

یکم جولائی 2010ء لاہور میں جمعرات کے تجلی افروز لمحات میں سید ہجویر حضرت داتا گنج بخشؒ کے دربار پرانوار پر عبادت کی بزم سجی تھی' ذکر وفکر کے حلقے منعقد تھے۔ عبادت گزار ربّ ذوالجلال کے حضور رکوع و سجود کی لذتوں میں مسرور تھے۔ بندگان خدا تسبیح و تہلیل کی چاشنی میں مصروف تھے۔ رہروان شوق ہر خوف وخطر سے بے نیاز اپنے ربّ کے حضور راز و نیاز میں محو تھے۔ اتنے میں شیطانی سوچ اپنے دماغ سے آتش فشاں کی طرح باہر نکلی اور پل دو پل میں ہر طرف ہلچل مچ گئی۔ تلاوت کی جگہ تڑتڑاہٹ سنائی دی۔ سجدۂ سپاس کی جگہ خوف و ہراس پھیل گیا۔ پرنور فضا میں سیاہ نظریات کے دھوئیں نے افراتفری پھیلا دی۔ ہر طرف انسانی اعضاء بکھرے پڑے تھے۔ لاشے تڑپ رہے تھے۔ کھوپڑیوں سے دماغ اور ہڈیوں سے گوشت اڑ چکا تھا۔ یوں لگتا تھا یہ داتا دربار نہیں بلکہ مذبح ہے یا قصاب کی دکان ہے۔ کس قیامت کے یہ دھماکے تھے۔ داتا دربار اور مسجد کا صحن مشہد بن چکا تھا۔ شہداء تو فردوس کے بالا خانوں کی طرف جا چکے ہیں مگر ان کا خون کئی برساتوں سے بھی دھل نہیں پائے گا' وہ آج بھی اپنا حق مانگ رہا ہے۔

اس سانحے نے شرق وغرب کے مسلمانوں کو جھنجھوڑ کے رکھ دیا ہے۔ اگر ٹس سے مس نہیں ہوئے تو حکمران نہیں ہوئے۔ میں سمجھتا ہوں کسی کا اس سانحہ کے درد کو محسوس نہ کرنا بذات خود ایک سانحہ ہے۔ لہورنگ داتا دربار ضمیر پر دستک دے کر پوچھ رہا ہے۔ ان

بدن جلے اور سر کٹے افراد کا قصور کیا تھا؟ کیا یہ وہ لوگ نہیں تھے جن کا خون کعبۃ اللہ سے زیادہ تقدس رکھتا ہے؟ اگر یہ ایسے تقدیس والے لوگ تھے تو کیا دارالحرب میں تھے کہ یوں بے دریغ ان کا خون بہا دیا گیا؟ اگر دارالحرب میں نہیں دارالسلام میں تھے تو کس جرم میں ان کو اتنی شدید سزا دی گئی ہے۔ کیا یہ کسی کے قاتل تھے؟ کیا یہ ڈرون حملوں والے امریکی تھے؟ جب یہ امریکی نہیں تھے۔ واشنگٹن کے پروردہ نہیں تھے بلکہ نور حرم اور گنبد خضریٰ کی ہریالی سے بہار آشنا تھے۔ تو پھر ان کے قاتل مجرم نہیں ہیں؟ تو پھر اس مقدس لہو کے بہہ جانے پر حکومت خاموش کیوں ہے؟ کیا مجرموں کو پکڑنا حکومت کی ذمہ داری نہیں ہے؟ کیا حکمرانوں کے سینوں میں پتھر ہیں؟ اگر نہیں تو میں نہیں مانتا کیونکہ سینے میں دل تو سنتے ہیں سمجھتے ہیں پھر یہ حکمراں بہرے گونگے کیوں ہیں؟

یہ دہشتگردی اچانک نہیں ہوئی اس سے پہلے اس کا لاوا پکتا رہا ہے۔ جسے حکمران اچھی طرح جانتے ہیں۔ اگر پہلے ہی آہنی شکنجے میں اس کو جکڑا ہوتا تو یہ نوبت نہ آتی۔ اس بڑے سانحہ کے بعد اتنے دن گزر جانے کے باوجود بھی حکمرانوں کی خواب غفلت کسی اور سانحے کیلئے گرین سگنل ہے۔ جس سے ملکی سالمیت داؤ پہ لگتی نظر آ رہی ہے۔

آج جب دہشتگردی اس حد تک منظم ہو چکی ہے تو ہر آنکھ کو اس کا تعاقب کرنا ہوگا اور ہر ہاتھ کو اس سے نبرد آزما ہونا پڑے گا۔ تقریباً ایک صدی پہلے بغداد شریف میں حضرت غوث اعظم شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کے دربار پر کچھ دہشتگرد حملہ کرنے کیلئے پہنچے تو بغداد شریف کے دکانداروں ہی نے انہیں سبق سکھا دیا اور انہیں وہاں سے بھاگنے پر مجبور کر دیا۔

اس سانحہ پر داتاؒ کے دیوانے تڑپ رہے ہیں کہیں جلسے ہیں کہیں ریلیاں ہیں کہیں سیمینار ہیں اور کہیں کانفرنسیں ہیں۔ لیکن!

میرے صحرا میں کئی آہو ابھی پوشیدہ ہیں
بجلیاں برستی ہوئی بارش میں بھی خوابیدہ ہیں

کتنے سجادہ نشین ہیں؟ جواب تک گوشہ نشین ہیں۔ کتنے وارثانِ منبر و محراب ہیں؟ جو ابھی تک محوِ خواب ہیں۔ کتنے رہبر ہیں؟ جو چپ ہیں۔ کتنے قوال ہیں جو غیر فعال ہیں؟ حالانکہ داتاؒ دربار ہمارا وہ روحانی مرکز ہے۔ جس کے ساتھ ہمارا ایسا تعلق ہے جو اعضاء کا دل کے ساتھ ہوتا ہے۔ دل پر آفت گزر جائے اور اعضاء میں بے چینی نہ ہو یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ چھت پر دھماکے ہو رہے ہوں تو نیچے کسی کا بے خبر پڑے رہنا یہ نیند کی کیفیت نہیں بلکہ مرگِ احساس ہے۔

صاحبزادہ محمد رضائے مصطفیٰ نقشبندی کو اللہ جزائے خیر دے' جو تحفظ ناموس رسالت محاذ کے ہمراہ روزانہ اس سانحہ پر احتجاج کر رہے ہیں۔ غنیمت ہے وجود صاحبزادہ حاجی محمد فضلِ کریم کا جو جگر گوشہ محدث اعظم بھی ہیں اور اس وقت فکر گوشہ سوادِ اعظم بھی ہیں۔ وہ ملکی سطح پر سینہ تان کر میدان میں ہیں۔ چوراہا ہو یا چار دیواری ہو دہشتگردوں کو للکارتے نظر آ رہے ہیں۔

صاحبزادہ حاجی محمد فضل کریم سنّی اتحاد کونسل کے پلیٹ فارم سے ناموسِ گنج بخش کے تحفظ کیلئے مصروفِ عمل ہیں۔ سنّی اتحاد کونسل کے معنوی وجود اور اچھے ثمرات کے حصول کی خاطر اس کی جڑوں کو گہرا کرنا ازحد لازم ہے۔ چنانچہ اس اہم مقصد کی خاطر کچھ غیر متحرک طبقات کو متحرک کرنا اور کچھ شخصیات جو ابتداء میں اس کارواں میں شمولیت کے بعد سائیڈ پہ ہیں' انہیں بیچ میں لانا ازحد لازم ہے۔ گہرے صدمات کے وقت گہری دشمنیوں والے اپنی دشمنی بھول جاتے ہیں۔ ہمیں اس مسلکی اور ملی صدمے سے مسلکی اتحاد اور بیداری کی منزل تو حاصل کر لینی چاہئے۔

اہلسنّت کے مسلکی فروغ اور غلبہ اسلام کی منزل سیاسی غلبہ کے بغیر مشکل ہے۔ چنانچہ اس سانحہ کی صدا پر اہلسنّت کو اپنی سیاسی پاور کیلئے حق شناسی کی ضرورت ہے۔ جس ''نون'' میں مذہبی جنون نہ ہو۔ ''قاف'' میں انصاف نہ ہو۔ ''پی پی'' میں جی اسلام نہ ہو اور عمل میں اہل نہ ہو' تو اپنی سواریوں کو اس گاڑی میں بٹھانا کیسے روا ہے جس کا ڈرائیور ہی بے

وفا ہو۔

لہورنگ داتا دربار کو دیکھ کر آج عوام یہ جاننا چاہتے ہیں جس ڈکشنری میں فساد کو جہاد، شرارت کو شریعت، بربریت کو عسکریت، تخریب کو تبلیغ کہا گیا۔اس کے مصنف کا نام کیا ہے۔لوگ ہم سے فتنہ خوارج کا فتویٰ نہیں پوچھتے ہیں بلکہ عصر حاضر کے خوارج کا علاقائی نام جاننا چاہتے ہیں اور ملک اور دین کے دفاع کی خاطر انہیں ننگا کرنا چاہتے ہیں۔آج پاکستان کے باشندگان کشت وخون سے تنگ آ کر اس کے سد باب کیلئے کچھ کر گزرنا چاہتے ہیں۔لہٰذا عوام دہشتگردی کے مبداء تک پہنچنا چاہتے ہیں اور اس کو بند کرنے کیلئے کردار ادا کرنا چاہتے ہیں۔پاکستان کا ہر باسی بارود کی بو سے تنگ آ چکا ہے۔ لفظ دھماکہ سن سن کے کان بیزار ہو چکے ہیں۔عوام دہشتگردی سے نجات کیلئے سہارا ڈھونڈ رہے ہیں۔ظاہر ہے یہ سہارا دہشتگردی کرنے والے نہیں دے سکتے۔

نفرتوں کی کتاب پڑھ کے محبتوں کا نصاب لکھنا
بڑا کٹھن ہے خزاں کے ماتھے پہ داستانِ گلاب لکھنا

یہ واضح ہے کہ موت کے سوداگروں سے آبِ حیات کی توقع نہیں کی جا سکتی۔ آگ لگانے والوں سے آگ بجھانے کی امید نہیں رکھی جا سکتی ہے۔ڈسنے والوں سے تریاق کا تقاضا نہیں کیا جا سکتا۔

کشتیِ حق کا زمانے میں سہارا تو ہے
عصر نو رات ہے دھندلا سا ستارہ تو ہے

چنانچہ ملک کے سوادِ اعظم اور پُر امن آبادی کو اب کردار ادا کرنیکی شدید ضرورت ہے۔وہ تب ہی ہو سکتا ہے جب ہم بیدار ہوں۔اپنے کل کے ماضی کو ملاحظہ کرو تو پتہ چلے گا کہ ہمیں آج کیا کرنا ہے۔

کس نے کفر کے تالے توڑے کس نے دل چمکائے تھے؟
کس نے گھر میں سورج پالے کس نے چاند اگائے تھے؟

کس نے رات کو تارے بانٹے کس نے گل برسائے تھے؟
تخم مدینہ بو کے کس نے ہند کے قحط مٹائے تھے؟
جس نے ہند کے بھاگ جگائے یاد رہے وہ سنّی تھا
جس نے غاصب مار بھگائے یاد رہے وہ سنّی تھا
جس نے علم کے دیپ جلائے یاد رہے وہ سنّی تھا
جس نے عشق کے جام پلائے یاد رہے وہ سنّی تھا
جس نے کفر کے تالے توڑے یاد رہے وہ سنّی تھا
جس نے ربّ سے رشتے جوڑے یاد رہے وہ سنّی تھا

آج بھی بیداری رنگ لا سکتی ہے۔

جس چیز کی آج ضرورت ہے وہ سنّی کی بیداری ہے
گر جاگ گیا یہ سنّی تو پھر ہر طاقت پر بھاری ہے
ناکام ہیں گہرے صدمے بھی تیری گہری نیند اڑانے میں
اب باندھ کمر کیوں سستی سے تیری آج تلک مت ماری ہے
ہر کوئی اپنے مسلک سے وابستہ رہ کے جیتا ہے
کیوں سنّی اپنے مسلک کے اظہار سے اب تک عاری ہے
اب جاگ اٹھو تجھے داتا کے دربار کا خون بلاتا ہے
تو بول پڑے تو نگر نگر پھر تیری ہی سرداری ہے
یہ آج جو گرج تمہاری ہے بیداری ہی بیداری ہے
مجھے شکوہ ہے ان لاکھوں سے جنہیں اب بھی نیند پیاری ہے
تو دیکھ لے اپنے ماضی کو اس ملت کے ہر غازی کو
ہر ظالم غاصب لرزاں ہے شیطان پہ ہیبت طاری ہے

مت ڈرنا ان تنگ راہوں سے مت ڈرنا ان بدخواہوں سے
جب ساتھ ہوں طیبہ کے والی ﷺ پھر آ گے کیا دشواری ہے

میرے ملک کی جو بنیادیں ہیں وہ سب کلمے کی یادیں ہیں
اس ملک کو آگ لگا دینا غداری ہی غداری ہے

کرو فکرِ رضا کو تم لازم اور تھام لو داتا کا پرچم
پھر دیکھنا ہر سو باطل کو جو ضرب لگی وہ کاری ہے

وہ فکر نہیں رسوائی ہے جو داتا سے ٹکرائی ہے
وہ دور ہے ربّ کی جنت سے وہ ناری ہے وہ ناری ہے

کیوں پہنے مرکز صوبے نے یوں بے خبری کے دستانے
یاں سب کا جرم برابر ہے کوئی لیگی یا زرداری ہے

ہے کرنی بات حلیمی سے اس خلد آباد نعیمی سے
نہ ہم نے رستہ بدلا ہے نہ ہم نے ہمت ہاری ہے

اب سنّی نے للکارا ہے ہر سنّی کا یہ نعرہ ہے
جو بھسم کرے گی باطل کو وہ اپنی ہی چنگاری ہے

جب تک بھی زندہ رہنا ہے حق قول زباں سے کہنا ہے
کیا ڈر ہے موت کا اے آصف جب جانا اپنی باری ہے

☆☆☆☆

غریبوں کی پناہ گاہ......قتل گاہ میں تبدیل

روح زخمی، دل چھلنی اور دماغ شل کر دینے والا واقعہ

سیّد ارشاد احمد عارف

داتا کی نگری ایک عرصے سے لہولہان تھی۔ اب حضرت معین الدین اجمیری رحمۃ اللہ علیہ کے ''ناقصاں را پیرِ کامل، کاملان را راہنما'' اور قلندر اقبال رحمۃ اللہ علیہ کے ''سیّد ہجویر مخدومِ اُمم'' کے مزار کا احاطہ خون سے لت پت ہے۔ کاروباری مراکز، مسلموں اور غیر مسلموں کی عبادت گاہیں اور سرکاری عمارتیں پہلے ہی غیر محفوظ تھیں اب مادی وسماجی مسائل سے گھبرا کر روحانی سکون کی تلاش میں سرگرداں عامۃ المسلمین کی اس پناہ گاہ کو جہاں انہیں دل اور شکم دونوں کی غذا با آسانی و بافراط ملتی ہے قتل گاہ میں تبدیل کر دیا گیا ہے۔ بت کدہ ہند میں شرک و بدعات کی تاریکی کو اسلام کی روشنی سے مٹانے والے حضرت معین الدین چشتیؒ کے روحانی مرشد حضرت سیّد علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر حملہ روح زخمی، دل چھلنی اور دماغ شل کر دینے والا واقعہ ہے۔

ایک ڈیڑھ عشرے سے دانشور، کالم نگار، دفاعی ماہرین اور عالمی امور پر دسترس رکھنے والے راست فکر تجزیہ نگار تسلسل و تواتر سے شور مچا رہے ہیں کہ قائداعظم رحمۃ اللہ علیہ و اقبال رحمۃ اللہ علیہ کے قائم کردہ اس رواداد، پرعزم اور عشقِ مصطفیٰ سے سرشار معاشرے کو نسلی، لسانی، علاقائی تعصّبات اور فرقہ وارانہ فسادات کے ذریعے عدم استحکام سے دوچار کرنے کی سازش تیار ہو چکی ہے، پاکستان کا سٹریٹیجک جغرافیہ، ایٹمی پروگرام

اور اسلامی تشخص بھارت و اسرائیل ہی نہیں امریکہ اور اس کے اتحادی کی آنکھ کا کانٹا اور دل ودماغ کا ناسور ہے۔ نیو ورلڈ آرڈر میں کسی مضبوط، مستحکم اور ایٹمی مسلم ریاست کی کوئی گنجائش نہیں، جس کے عوام دینی جذبے اور عشق رسولؐ سے سرشار ہوں۔ مگر کون سنتا ہے فغاں درویش۔ بیس سال گزر گئے سب صدا صحرا ثابت ہوا۔ اب ہماری اور ہمارے حکمرانوں، فیصلہ سازوں، اشرافیہ کی نااہلی، نالائقی، غفلت، سہل پسندی اور عاقبت نااندیشی کا پھل پک گیا ہے تم ہم ہاتھ پاؤں مار رہے ہیں مگر کچھ سمجھ میں نہیں آرہا۔

پولیس خواہ پنجاب کی ہو یا سرحد و سندھ کی اس کی تربیت کسی دہشت گردی سے نمٹنے کے لئے ہوئی نہیں، دہشت گردی کیا چھوٹے موٹے جرائم سے نمٹنا بھی اس کے بس کی بات نہیں۔ یہ بھرتی ہی رشوت اور سفارش کے بل بوتے پر محض مال بنانے اور گلی محلے میں اپنا اور اپنے خاندان کا رعب داب قائم رکھنے کے لئے ہوئے۔ 1985ء سے یہ تماشہ جاری ہے ورنہ ہر گلی اور محلے میں لوگ سرِ شام قیمتی اشیاء سے محروم ہونے کا دکھ نہ سہہ رہے ہوتے۔ ان کی ڈیوٹی کسی مسجد و مزار پر ہو یا مصروف چوک میں راہ چلتے شرفاء کو ڈرا دھمکا کر پیسے بٹورنا اور دہشت گردی کے کسی مکروہ واقعہ کے بعد بے گناہوں کو پکڑ کر مال کھرا کرنا یا جعلی مقدمہ بنا کر حکمرانوں سے داد وصول کرنا ان کا شیوہ ہے۔ تبھی اکثر ''دہشت گرد'' عدالتوں سے بری ہو جاتے ہیں۔

رہے حکمران تو وہ ابھی تک یہ فیصلہ نہیں کر پائے کہ عوام کو معاشی آسودگی عطا کرنا، جان و مال، عزت و آبرو کا تحفظ دینا اور معاشرے کو ہر طرح کے جرائم پیشہ افراد اور گروہوں سے پاک کرنا ان کے فرائض میں شامل ہے امریکہ دباؤ ڈالتا ہے تو یہ بھاگ دوڑ شروع کر دیتے ہیں، دہشت گردی کا کوئی سنگین واقعہ ہو جائے تو یہ ٹسوے بہاتے ہیں، بھارت دھمکی دے تو یہ الرٹ ہو جاتے ہیں مگر جلد ہی شانت ہو کر اپنے کام میں لگ جاتے ہیں۔ ہر قانون کی مٹی پلید کرنے اور جرائم پیشہ افراد کی سرپرستی کرنے والوں سے کوئی مجرم اور دہشت آخر کیوں خوف کھائے؟ ریاستی ادارے اور عہدیدار کوئی اس سے

مستثنیٰ نہیں۔

پاکستان کے دشمن خواہ را، موساد، خاد کے فرستادہ ہیں یا بلیک واٹر سے ڈالر وصول کرنے والے مقامی تحریکِ طالبان کے تربیت یافتہ ہیں یا پھر دیگر نسلی، لسانی اور مذہبی دہشت گرد تنظیموں کے تربیت یافتہ، وہ یکسو ہیں، ہوشیار، بیدار اور اپنے کام میں ماہر۔ وہ ایک واردات کے بعد دوسری واردات کی تیاری شروع کر دیتے ہیں۔ ہر کارروائی سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان کا نہ تو نیٹ ورک ٹوٹا ہے اور نہ حوصلہ۔ ان کی منصوبہ بندی کی اہلیت میں بھی کوئی خاص کمی واقع نہیں ہوئی وہ چومکھی لڑنے کے اہل اور عادی ہیں۔ ریاستی اداروں کی کمزوری اور حکمرانوں کی نفسیات سے بخوبی واقف ہیں۔ وہ معاشرے کو خوفزدہ کرنے کے ساتھ ملک میں لسانی یا نسلی تعصبات کی آگ بھڑکانے اور فرقہ وارانہ فسادات کی راہ ہموار کرنے کے نصب العین پر عمل پیرا ہیں۔

خدا کا شکر ہے کہ پاکستان اب تک فرقہ وارانہ فسادات کی آگ سے محفوظ ہے لیکن یہ ہمارے حکمرانوں، ریاستی اداروں اور سیاسی قیادت کا کارنامہ نہیں جس نے سوات آپریشن کے موقع پر دیوبندی اور بریلوی مکتبِ فکر کو ایک دوسرے کے مدمقابل لانے کی احمقانہ تدبیر کی مگر صوفیا کی عقیدت، عوام اور مختلف دینی جماعتوں کے ہوشمند قائدین نے ناکام بنا دی۔ ''گنج بخش فیضِ عالم مظہرِ نورِ خدا'' کے مزار پر حملہ دہشت گردی کے واقعہ سے زیادہ اولیاء و اصفیاء کے عقیدمندوں کو مشتعل کر کے سڑکوں پر لانے، اتحاد و یگانگت کی رہی سہی فضا کو تباہ کرنے اور ملک میں انارکی پیدا کرنے کی ہمہ گیر سازش ہے جسے پولیس وانتظامیہ ناکام بنانے کی اہل نہیں۔ سیاسی قیادت اور مذہبی سیادت کے علمبرداروں کو میدانِ عمل میں نکل کر اپنا کردار ادا کرنا ہوگا۔

امریکی جنگ میں شمولیت سے جنم لینے والے تضادات، قبائلی علاقوں اور لال مسجد میں فوجی آپریشن کے مضمرات اور دشمن جو کوئی بھی ہے کے مقاصد کی درست تفہیم کے بغیر کوئی کارآمد، موثر اور پائیدار جوابی حکمتِ عملی نہ تو بن سکتی ہے نہ کامیاب ہوسکتی ہے جس

جنگ سے امریکہ اور برطانیہ آرمی چیف کے بیانات اس کا ثبوت ہیں اس کے جیتنے کے لئے رحمٰن ملک کی بڑھکوں، جنوبی پنجاب میں آپریشن اور جہادی تنظیموں پر پابندی کی نہیں اخلاقی برتری کے ساتھ حکمت وفراست اور بیرونی دباؤ سے آزاد حکمتِ عملی کی ضرورت ہے لیکن اس سرمائے سے تہی دست اقتدار، اختیار اور مفادات کے لئے باہم دست و گریباں لوگ ہمارا کل اثاثہ ہیں۔ انتخابی سیاسی ضرورت ہو تو حب الوطنی کا اعتراف اور مطلب نکل جائے تو دہشت گردی کا الزام اور اس حمام میں الا ماشاء اللہ سب ننگے ہیں مقابلہ کیا خاک ہوگا۔



مزارِ گنج بخش کو خون کا غسل

تنویر قیصر شاہد

خطہ پنجاب کے مکینوں میں ایمان اور امن کی دولت بانٹنے والے عالمی شہرت یافتہ صوفی اور برگزیدہ ہستی خواجہ ہجویری، جن کے نام سے لاہور کی شان و شوکت آباد ہے، جو گزشتہ روز بارود، آگ اور خون کا غسل دیا گیا۔ اجمیر کے ایک مردِ قلندر حضرت خواجہ معین الدین چشتی اُن کے مزارِ شریف پر حاضر ہوئے اور روحانی فیض یابی کے بعد اُنہوں نے اپنے شیخ کے بارے میں شعر کی زبان میں جو خراجِ عقیدت پیش کیا، اُس کی بازگشت گزشتہ کئی صدیوں سے چہار دانگِ عالم میں سنائی دے رہی ہے اور آئندہ بھی سنائی دیتی رہے گی:

گنج بخشِ فیضِ عالم مظہرِ نورِ خدا
ناقصاں را پیرِ کامل کاملاں را رہنما

لیکن دہشت گردوں اور مغربی سرحدوں سے آنے والی خونیں ہواؤں نے حضرت داتا گنج بخشؒ کے مزار شریف کو اپنی نفرت کا نشانہ بنا کر اُس تقسیم کو مزید واضح اور گہرا کر دیا ہے جو وطن عزیز میں مسلک اور فرقے کی بنیاد پر اپنی دُکان چلانے اور سجانے والوں نے پہلے سے قائم کر رکھی ہے۔ ظالمان نے یہ ظالمانہ اور فاسقانہ فعل اُس وقت انجام دیا جب سینکڑوں لوگ مزار شریف کے اِرد گرد موجود تھے۔ دن بھی جمعرات کا چُنا جب عقیدت مندوں کی ایک کثیر تعداد یہاں روحانی فیض حاصل کرنے آتی ہے۔ ظالمان، جو مزاروں

کو بموں سے اُڑانے کی خاص شہرت رکھتے ہیں، نے جمعرات کا دن اِس لئے بھی منتخب کیا تاکہ اگلے روز (جمعہ) داتا صاحب کے عقیدت مندوں اور عشاق کو مسجد کے محراب و منبر میں سینہ کوبی کا خوب موقع مل سکے۔

حضور داتا گنج بخش علیہ رحمہ کے مزار شریف کو گزشتہ دس صدیوں سے ہمیشہ گلاب کے عطر سے غسل دیا جاتا رہا ہے لیکن پہلی مرتبہ امن و اسلام کے دشمنوں، اولیائے کرام سے عداوت اور اُن کے مزاروں سے بُغض رکھنے والوں نے اِسے خون کا غسل دیا ہے۔ لاہور پر تقریباً ایک ہزار سال کے دوران ہندو بھی حکمران رہے، سکھوں کا پرچم بھی یہاں لہراتا رہا اور انگریز بھی اِس شہر بے مثال پر تقریباً ایک صدی سے زائد عرصے تک حکمرانی کرتے رہے لیکن کسی کو یہ جرأت نہیں ہوسکی کہ وہ داتا گنج بخش کی نیند میں مخل ہوتے اور اُن کے مرقد شریف کی طرف بدنیتی سے انگلی بھی اٹھاتے۔ یہ بدبختی اب ہماری مغربی سرحدوں سے آنے والے مجاہدین، جنہیں عرفِ عام میں افغانی طالبان یا تحریکِ طالبان پاکستان کے وابستگان کہا جاتا ہے، کے حصے میں آئی ہے۔ یہ دراصل اُن لوگوں کا قابلِ مذمت اقدام ہے جو سیّد علی ہجویری صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی پُرامن تعلیمات سے حسد بھی کرتے ہیں اور اُن کی زندہ رہ جانے والی لاثانی تصنیف ''کشف المحجوب'' کے خلاف دلوں میں کینہ بھی رکھتے ہیں۔ سرزمینِ لاہور کی سب سے بڑی فیض رساں ہستی، جو صدیوں سے مسلمانوں اور غیر مسلموں کی عقیدتوں اور محبتوں کا مرکز و محور رہی ہے، کو آتش و آہن سے ہدف بنانے والے وہ لوگ ہیں جنہوں نے افغانستان کے قدیم ثقافتی ورثے (بامیان کے بدھ مجسموں) کو بموں سے اُڑا کر خود کو مزید تہی دست اور علم دشمن ثابت کیا حالانکہ یہ وہ مجسمے تھے جنہیں خود کو بت شکن کہلانے والے محمود غزنوی نے بھی گزند پہنچانے سے گریز کیا تھا۔

داتاؒ دربار کو اپنی نفرت کے بھینٹ چڑھانے والے دراصل اُس مسلک کے حامل ہیں جنہوں نے سوات اور اس کے مضافات میں واقع مزاروں کو آگ لگائی، اُنہیں بموں

سے اُڑایا اور اُن مقابر میں آرام کرنے والے بزرگانِ دین کی میتوں کو قبروں سے نکال کر درختوں سے پھانسیاں دیں۔ پھانسی دینے والے یہ گروہ اور گماشتے دراصل وہ لوگ تھے جو دشمنانِ دین وملت بھی ہیں اور جو امن کی فاختہ کو اپنی بندوق کی سنگین میں پرو کر قلبی راحت محسوس کرتے ہیں۔ جنابِ صدرِ مملکت آصف علی زرداری، جنابِ وزیرِ اعظم سیّد یوسف رضا گیلانی اور سپہ سالارِ پاکستان جنرل پرویز کیانی صاحب کی مشترکہ ومتفقہ سٹریٹیجی اور حکمتِ عملی نے اگرچہ سوات اور جنوبی وزیرستان کے اسلام وامن دشمنوں کا ٹینٹوا دبا دیا ہے اور کئی اہم مجرم پسِ دیوارِ زنداں دھکیل دیئے گئے ہیں لیکن اُن کا مکمل قلع قمع اور صفایا نہیں کیا جاسکا ہے۔ غالباً اِسی پس منظر میں وزیرِ داخلہ جناب رحمان ملک بار بار کہتے اور قوم کو بیدار رہنے کا پیغام دے رہے ہیں کہ یہ شکست خوردہ اور اسلام دشمن گروہ اب جنگلوں اور پہاڑوں میں بنی اپنی کمین گاہوں سے نکل کر شہروں میں آچکے ہیں۔ داتا دربار پر سنگ دلوں اور امن کے دشمنوں نے حملہ کیا تو مجھے اوّلین یہ خیال آیا کہ ہمارے صدر صاحب اور وزیرِ اعظم صاحب دونوں ہی اولیائے کرام کے مقدس آستانوں پر احترام میں جبیں جھکانے والوں میں سے ہیں، اب وہ ان قاتل گروہوں اور اُن کی سرپرست تنظیموں کا مزید عزمِ صمیم سے کھرا ناپنے کا اعلان کریں گے۔ کیا وزیرِ اعلیٰ پنجاب جناب شہباز شریف اب بھی اِس بات پر مُصر رہیں گے کہ جنوبی پنجاب طالبان کا گڑھ نہیں بن چکا؟ کیا پنجاب کے حکمران مجرموں کے خلاف آہنی ہاتھ اٹھانے سے قبل اب اُسے وقت کا انتظار کریں گے جب لاہور میں حضرت میاں میر رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مادھولال حسین رحمۃ اللہ علیہ، قصور میں حضرت بابا بلھے شاہ رحمۃ اللہ علیہ، جھنگ میں حضرت سلطان باہو رحمۃ اللہ علیہ، ملتان میں حضرات خواجہ بہاءالدین زکریا رحمۃ اللہ علیہ، اور پاکپتن میں حضرت بابا فرید گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ کے مزاروں کو بھی دہشت گرد خون کا غسل دے دیں گے؟ اور وہاں آنے والے سینکڑوں ہزاروں زائرین کو خاک و خون میں لٹا دیا جائے گا؟

اب بھی کہا جائے گا کہ بیرونی ہاتھ نے خون کی یہ ندی بہائی ہے اور خونخواروں کا تعلق اسلام سے نہیں ہے۔ جنابِ والا، یہ گھسا پٹا بیان قابلِ قبول ہے نہ حقیقت پر مبنی۔ جو گروہ یا جہادی تنظیمیں ملک کے اندر آگ وخون کا یہ بہیمانہ کھیل کھیل رہی ہیں، وہ ہمارے مدارس میں پلے بڑھے ہیں اور وہ خود کو مسلمان اور اپنے مخالف مسلک کو مشرک اور غیر مسلم قرار دیتے اور انہیں گردن زدنی کہتے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے لاہور کی عدالت عالیہ میں اپنے ایک ساتھی کے رہا ہونے پر طالبان زندہ باد، جج صاحب زندہ باد اور شہباز شریف زندہ باد کے نعرے لگائے لیکن کسی نے اُن کی زبان روکی نہ اُن پر توہین عدالت کا مقدمہ چلایا۔ گڑھے مردے اکھاڑنے کی ضرورت تو نہیں ہے لیکن یاد دہانی اور آئینہ دکھانے کے لئے یہ ضروری بھی ہے: جب لاہور کے مضافات میں واقع مناواں پولیس اکیڈمی پر جبکہ پنجاب پر گورنر راج نافذ تھا) طالبان نے خونخوار حملہ کیا تو میاں شہباز شریف نے کہا تھا: ''اگر میں پنجاب کا حکمران ہوتا تو میں دیکھتا ایسے حملے کیونکر ہو سکتے ہیں؟'' آج میاں صاحب پنجاب کے حکمران ہیں اور اُن کے صوبے کے دل پر حملہ ہوا ہے اور مسجد ومزار کی بے حرمتی کر کے اِسے خون کے دریا میں ڈبو دیا گیا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ اب انہیں اس حقیقت کا ادراک ہو گیا ہوگا کہ آہنی ہاتھ استعمال کیے بغیر دہشت گردوں کو قتل وغارت گری سے نہیں روکا جا سکتا۔

جب سواتی طالبان بزرگانِ دین کی میتیں قبروں سے نکال کر درختوں سے پھانسی دے رہے تھے تو ہم نے پاکستان بھر کے علمائے کرام، خصوصاً وہ علمائے کرام اور مدارس جو طالبان کے ہم مسلک ہیں، سے گزارش کی تھی کہ جب تک آپ ایک پلیٹ فارم پر اکٹھے ہو کر ان خونخواروں کا نام لے لے کر ان کی مذمت نہیں کرتے، اپنے دلوں کو اُن کی محبت سے خالی نہیں کرتے اور اُنہیں اپنے ہاں پناہ دینے سے مکمل گریز نہیں کرتے، قائد اعظم محمد علی جناح رحمۃ اللہ علیہ کا بنایا گیا پاکستان بدستور بے گناہوں کے خون سے سُرخ ہوتا رہے گا۔ صد افسوس کہ اِس مشورے پر عمل کرنے کی بجائے اِسے فرقہ واریت کو ہوا

دینے سے موسوم کیا گیا۔ ہاں، اِس خونی آندھی کے دوران لاہور سے ایک شیر دل اور درویش منش عالمِ دین اُٹھے اور اُنہوں نے مقتل میں کھڑے ہو کر خونخواروں اور خون بہانے والوں کا نام لے لے کر، اُن کے مسلک کو بے نقاب کرتے ہوئے مذمت کی اور اُن کے خلاف بند باندھنے کے لئے میدان کارزار میں نکلے۔ ان کا نام علامہ ڈاکٹر سرفراز نعیمی تھا جو لاہور کی مشہور دینی درسگاہ جامع نعیمیہ کے منتظم اعلیٰ تھے۔ چند دنوں کے اندر اندر طالبان نے اُنہیں بھی خودکش حملے میں مار ڈالا۔ یوں سرفراز نعیمی صاحب بھی شہادت کے تاج سے سرفراز ہوئے۔ (اِس شہید کی درسگاہ میں کھڑے ہو کر خادم اعلیٰ پنجاب جناب شہباز شریف نے طالبان سے مبینہ طور پر درخواست کی تھی کہ پنجاب کو چھوڑ دیا جائے۔ بعد میں اُن کی طرف سے تردید بھی آئی) جناب سرفراز نعیمیؒ رحمۃ اللہ علیہ کی قربانی کے بعد توقع تھی کہ اِس بامقصد جدوجہد کی شمع جے یو پی والے اُٹھا کر آگے بڑھیں گے، خود کو ''سوادِ اعظم'' کہلوانے والے اِس شمع کو گل نہیں ہونے دیں گے اور سنّی تحریک (جس نے تین روزہ سوگ منانے کا بے روح اعلان کیا ہے اور اُن کے وابستگان قدم آگے بڑھائیں گے لیکن یہ سب توقعات خاک ہو گئیں۔ اِن تنظیموں کے قائدین جناب نعیمی رحمۃ اللہ علیہ کے قاتلوں سے ڈر کر اپنی اپنی پناہ گاہوں میں جا چھپے، جمعراتوں کو نذر و نیاز وصول کرنے، مریدین سے ہاتھ چموانے اور پاؤں دبوانے والے ''مشائخِ عظام'' اپنے بھاری بھرکم جیبوں کے ساتھ اپنی اپنی خانقاہوں میں جا گھسے، وہ خانقاہیں جہاں اب اندھیروں، بے عملی اور جہالت کے سوا کچھ بھی نہیں رکھا۔

رمز و ایما اس زمانے کے لئے موزوں نہیں
اور آتا بھی نہیں مجھ کو سخن سازی کا فن
''قم باذن اللہ'' کہہ سکتے تھے جو رخصت ہوئے
خانقاہوں میں مجاور رہ گئے یا گور کن!

✿......✿......✿

جولوگ شریکِ سازش ہیں، ہم نام بھی ان کا کیسے لیں

نذیر احمد غازی (سابق جج ہائی کورٹ)

ایک قومی مذہبی، معاشرتی اور تاریخی سانحہ بیت گیا، برصغیر نہیں ایشیا بلکہ عالم اسلام میں مذہبی رواداری اور تحمل و برداشت کے ایک خاموش تربیتی ادارے کے تقدس کو جس وحشت ناکی سے پامال کیا گیا ہے وہ ملی شرمندگی کا ایک سیاہ باب ہے اور اب قوم ہے کہ اس ظالمانہ اور قاہرانہ واردات کے بعد ایک نئے ذہنی خلجان کا شکار ہے۔

حضرت مخدومِ اُمم داتا گنج بخشؒ کا آستانہ قریباً ایک ہزار سال سے انسانیت سازی اور غریب نوازی کا ایک عظیم ترین مرکز ہے یہاں مفلوک الحال بھوکوں کی بھوک مٹتی ہے اور روحانیت کے پیاسوں کی روحیں شاداب ہوتی ہیں۔ اس آستانہ برکت نشاں کا فیضان پورے عالم اسلام میں جاری وساری ہے۔

عالم اسلام کی غالب اکثریت صبر وتحمل اور امن وسلامتی کے نقیب صوفیائے کرام سے گہری عقیدت رکھتی ہے اور خاک مدینہ ونجف کو اپنی ایمانی بصارت وبصیرت کے لئے سرمۂ شفا سمجھتی ہے۔قلوب کا تزکیہ اور روح کا تصفیہ انہی پاکانِ اُمت کی تربیت وبرکت سے حاصل ہوتا ہے۔ دل کی دنیا مادی دنیا سے ایک علیحدہ دستور رکھتی ہے۔ مادہ پرست اپنے ظاہری حالات اور اپنے دھڑے کو وسیع کرنے کے لئے کوشاں رہتے ہیں ان کی بصیرت پر ابلیسی غلاف اتنے گہرے ہوتے ہیں کہ ان کو اپنے جیسے انسان بھی انسان نظر نہیں آتے اور جب انہیں بیدار کرنے کی کوشش کی جاتی ہے تو پھر ان کا خفیہ

مرشد انہیں سبق پڑھاتا ہے کہ تم یہی کہو" قلوبنا غلف"

کہ ہمارے دلوں پر پردے چڑھے ہوئے ہیں۔

یہودیوں کی روز اول ہی کی سازش کس قدر گہری ہے کہ عام سادہ مسلمان ہر دور میں آسانی سے اس کا شکار ہو جاتا ہے عالم عیسائیت نے بار ہا اس کے فکر کا عذاب بھگتا ہے۔ اسلامی ممالک میں عدم استحکام کے لئے یہودیوں کی مستحکم منصوبہ بندی میں ہر طرز کی خرابی کو جنم دیکر اس کو نچلی سطح تک پھیلانا شامل ہے وہ ایک علیحدہ انداز سے حکومت کرتے ہیں اور حکمرانوں کو دلفریب چال سے مات کرتے ہیں۔ عوام میں انجانے ہاتھوں کے ذریعے سے خوف و ہراس اور بے چینی پیدا کرتے ہیں۔ مذہبی قوتوں کو افتراق اور انتشار کے ہتھیار سے شکار کرتے ہیں علمی حلقوں پر بے یقینی اور طمعٔ زر کے ذریعے سے شب خون مارتے ہیں۔

آج کے تازہ بین الاقوامی ماحول میں یہودی دہشت گردی نے پورے پورے عالم انسانیت کو بہت سلیقے اور قرینے سے جکڑ لیا ہے اس شطرنج کے بالغ النظر بدنیت کھلاڑی معصوم انسانوں کو مہرے بنا کر ایسی خفیہ چال چلتے ہیں کہ سادہ لوح اسے آسمانی برکت سمجھ کر قبول کرتے ہیں اور اسی چال کو اپنے حال پر نافذ کر لیتے ہیں امریکہ اور روس کی لڑائی میں اس خوبصورتی سے میدان سجا کر سادہ لوح مسلمان قربان ہوئے جاتے تھے' میدان بھی مسلمان کا' گھر اور خون بھی مسلمان کا۔ پھر روس نے تھوڑی دیر کا وقفہ دیکر کشتی رکوادی اور ضمنی دنگل کا اعلان کر دیا اور سبق دیا کہ اب تم لڑائی کے ماہر ہو چکے ہو اب اپنے گھر میں چھوٹے چھوٹے اکھاڑے بنا لو اور باہم زور آزمائی کرو۔ اتنی زیادہ کرو کہ دنیا تمہارے جنون پر ہنسے اور تمہیں فاتر العقل قرار دے پھر تمہارے مذہب کو بدنام کرنے کا آسان راستہ تلاش کرلے اور اب دھڑا دھڑ قیمتی کرنسی تقسیم ہو رہی ہے۔ ذہن بدلنے کے لئے' حالات بدلنے کے لئے اور غربت مٹانے کے لئے نہیں اسلام کے مراکز مٹانے کے لئے کبھی مدرسے پر حملہ کروایا جاتا ہے اور کبھی مزارات کو پامال کروانے کے لئے دہشت گردی کروائی جاتی ہے پھر خبر گم کر دی جاتی ہے۔ خیالات اور آراء کا رخ

موڑنے کے لئے قوم فروش بر سر منظر آجاتے ہیں اور یہ روز مرہ کا معمول بن چکا ہے۔ لاشوں کی تعداد چھپائی جاتی ہے پھر صاحبِ اقتدار اور طالبِ اقتدار مذمت کا بیان داغتے ہیں' نئے دن کا آغاز اور اندوہناک شبِ رنگین کا اختتام ہوتا ہے۔

اے اہلِ وطن!

ذرا ٹھہرو' صاحبانِ جبہ و دستار ذرا توقف کرو۔ مسند نشینانِ علم گریبان کھول کے جھانکو۔ واعظانِ خوش گلو خاموش ہوجاؤ' اہلِ دانش ورطۂ حیرت میں کیوں ہو؟

اس مرتبہ کھلاڑیوں نے عجب انداز سے بساط الٹ دی ہے۔ ایک نئی کربلا برپا ہوئی ہے۔ یہ مخدومِ اُمم کی ابدی آرامگاہ حرم ابن رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہے یہاں کفر و طاغوت نے منافقانہ چال سے بازی کھیلی ہے۔ اب پناہ غریباں بھی چھین لی گئی ہے مادہ پرستوں نے ڈالر کی پوجا میں اس بھیانک ٹک کا حصہ بننا قبول کرلیا اور یہ نہ دیکھا کہ کھیلنے والے کھلاڑیوں کو بھی گیند بنا کر کھیلتے ہیں اور گماشتوں کو بھی ناشتہ بناتے ہیں اب تمہیں کھلاتے ہیں کل تم سے کھیلیں گے۔

بلیک واٹر کا حوالہ دینے والو' ان کے ہاتھ کا کھلونا کون بن رہا ہے پھر یہ تمہیں بھی کھیل کر پھینک دینگے۔ بڑی تاریخی حقیقت ہے قیام پاکستان کے وقت ہندو بنیے نے مسلمانوں کے خون سے ہولی کھیلی' لدھیانے میں ایک کانگریسی مسلمان ذمہ دار کے گھر آگ لگائی گئی تو وہ مسلمان بولا: ارے لالہ جی ہم تو تمہارے ساتھ ہیں ہم تو کانگریس اور گاندھی کے جے پکارتے تھے ہم پر تو ہاتھ نہ اٹھاؤ جواب میں ہندو بولے ہم کچھ نہیں جانتے تم کس کے ساتھ تھے ہم تو بس یہ جانتے ہیں کہ ہو تو مسلمان۔ ان کے نزدیک شیعہ' سنّی' دیوبندی' وہابی سب مسلمان ہیں۔ مناسب وقت پر وہ سب کو توپ کے دہانے پر رکھیں گے اور انجامِ آخر تک پہنچا کر سانس لیں گے۔

اے مشائخ! اے علماء! تم سیاسی مسخروں کو پناہ امن کیوں سمجھتے ہو؟ تم انہیں اپنا عقیدت مند سمجھتے ہو' نہیں ایسا نہیں ہے سیاسی مسخرے تمہیں آپس میں لڑوا کر نظام مصطفیٰ

صلی اللہ علیہ وسلم کے عملی نفاذ کا دروازہ بند کر رہے ہیں اور اپنے آقایان نعمت یہودیوں کو بصد ادب یہ عرض کرتے ہیں کہ دیکھو ہم نے مذہبی طبقے کو باہم الجھا کر ٹھنڈا کر دیا ہے اور ایسا الجھایا ہے کہ سلجھانا ناممکن ہے۔

اے مذہبی رہنماؤ!

ذرا دیر کے لئے غصے اور جنون سے باہر نکلو اور ہوش کے ناخن لو کہ اُمت محمد یہ کو کاٹ کاٹ کر مارا جا رہا ہے اور تم مسلک پرستی کے خول سے باہر آنے کو تیار نہیں ہو۔ وقت گزر رہا ہے وقت گزر جائے گا اور پھر وقت آجائے گا۔ خدائی فیصلے نافذ ہونگے۔ تمہیں مرکزِ امن میسر نہ آئے گا۔ تمہیں جاتے جاتے سلامتی نصیب نہ ہوگی کیونکہ تم مراکز امن وآشتی کی بربادی پر بے حس ہوئے بیٹھے ہو۔

یہ برصغیر کی خاک صوفیاء کی محبت میں گندھی ہے تب ہی تو اسلام کی برکتیں نصیب ہوتی ہیں۔ اس خاک محبت کو پیار کی روشنی سے آشنا کرنے والا اللہ کا بندۂ محبوب اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وارثِ دین داتا علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ تھا جس کی رگوں میں خون رسول صلی اللہ علیہ وسلم گردش کرتا ہے۔ اس کے قدموں میں بیٹھ کر ایک اور وارث دین خواجہ معین الدین چشتی تیار ہوا تھا، جس نے کفر و شرک کی کائنات کو محبت کے نور میں بدل دیا تھا اس کی تربت کدۂ ہند میں توحید کے پرچم کی حفاظت کر رہی ہے......

اگر گیتی سرار باد گیرد
چراغ مقبلاں ہرگز نمیرد

اے علماء! اے مفسرین! اے محدثین! تمہیں تمہاری علمی مسندیں مبارک ہوں۔ اللہ تعالیٰ تمہاری مسجدیں، تمہارے مدرسے، تمہاری خانقاہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نورِ محبت سے معمور رکھے کیونکہ

خاشا مسجد و مدرسہ خانقا ہے
کہ در وے بود قیل و قال محمدؐ

لیکن ذرا غور کرو کہ اگر داتا ہجوری ترک وطن کر کے اس بت کدہ ہند کو آباد نہ کرتے اور خواجہ غریب نواز مشرکین کی نا قابلِ تسخیر قوت سے نہ ٹکراتے تو کیا اسلام کو رونق عام نصیب ہوتی؟ کیا خانقاہ آباد ہوتی؟ تمہاری مسجدوں میں روشنی کرنے والے یہی محسن تھے۔ تمہارے مدرسے کی علمی مسندوں کو رونق انہی پاکانِ خدا نے بخشی ہے۔

محسنوں کی قبریں قابلِ احترام ہوتی ہیں۔ محسنوں کے نام لیوا لائق محبت ہوتے ہیں۔ یہ داتا' یہ غریب نواز' یہ بابا فرید' یہ زکریا ملتانی' یہ شہباز قلندر' یہ نوشہ گنج بخش تمہارے آباؤ اجداد کے محسن ہیں کہ انہوں نے تمہارے بزرگوں کو کلمہ طیبہ کی شرینی عطا کر کے قابلِ احترام انسان اور مسلمان بنایا تھا۔ شعور کی آنکھیں کھولو اور غور کرو کہ دل پھٹا ہے اور عقل صدمۂ جارحیت پر ماتم کناں ہے۔ بے کسی میں جو زبان پر بے اختیار آتا ہے وہ ہے......

جو لوگ شریکِ سازش ہیں ہم نام بھی ان کا کیسے لیں
کچھ ان میں دوست پرانے ہیں' کچھ باعزت ہمسائے ہیں

(روزنامہ نوائے وقت' ۸ جولائی ۲۰۱۰ء)

✪......✪......✪

داتا دربار سے میو ہسپتال تک!

ڈاکٹر محمد اجمل نیازی

دہشت گردوں اور ان کے سازشی سرپرستوں کو کیا ملا۔ داتا صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے لوگوں کی عقیدت، محبت اور نسبت میں اور اضافہ ہوا۔ اب تو یہ ثابت ہو گیا ہے کہ دنیا میں اور عالم اسلام میں دہشت گردی امریکہ خود پھیلا رہا ہے۔ عراق میں مسجدوں، امام بارگاہوں، کربلائے حسینؓ، حضرت مولا علیؓ، اور حضرت عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر دہشت گردی امریکہ نے کروائی ہے پہلے پہل تو شیعہ سنّی اور فرقہ واریت کو تھوڑی سی ہوا ملی۔ پھر یہ آندھی خود امریکہ کے خلاف جذبات کی یلغار بن گئی، اس طرح امریکہ اپنی جنگ بری طرح اور بار بار ہار چکا ہے۔ داتا دربار کے احاطے میں دہشت گردی کے بعد پورے ملک میں مظاہرے اور ہڑتالیں امریکہ، بھارت اور اسرائیل کی آنکھیں کھول دینے کے لئے کافی ہیں۔ تمام سیاسی جماعتوں کی قیادت اور حکومتوں کے لوگ مذمت کر رہے ہیں۔ صرف پیپلز پارٹی اور مسلم لیگ (ن) کے سیاستدان اس موقعہ پر بھی ایک دوسرے کے خلاف بیانات دے رہے ہیں اور یہ بات بہت مایوس کن ہے۔ وزیراعظم اور وزیراعلیٰ پنجاب کے علاوہ چودھری پرویز الٰہی، عمران خان، ڈاکٹر بابر اعوان، رحمان ملک، فوزیہ وہاب، فائزہ ملک، ڈاکٹر فخر اورنگزیب برکی، خورشید محمود قصوری، فلمی شخصیات، علمی لوگ نجانے کون کون داتا دربار پہنچے، انہیں یہ یاد آیا کہ یہ حاضری ضروری ہے۔ دہشت گردوں نے لوگوں کو اندر سے جگا دیا ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ پاکستان کے دشمن ناکام ہوئے ہیں۔ واقعے کے چند گھنٹوں کے بعد لوگ دربار پر

حاضری کے لئے بے تاب تھے، صبح کی نماز میں زیادہ حاضری تھی جو حضوری بن گئی تھی۔ نوجوانوں کی اکثریت تھی۔ انہوں نے عشق رسول کے لئے انٹرنیٹ پر فیس بک وغیرہ کا استعمال چھوڑ دیا ہے۔ ہمارے بعض لوگوں کو جوانوں سے شکایت ہے کہ وہ اپنی ثقافت، دینی اور پاکستانی روایتوں سے دور جا رہے ہیں، وہ تو ہم سے بھی زیادہ پاکستانی ہیں اور عشق رسول کی کیفیتوں میں سرشار اور بے قرار ہیں۔ آنے والے زمانے میں سرفرازیاں ہمارے بچوں کی منتظر ہیں:

ہمیں خبر ہے کہ ہم ہیں چراغِ آخرِ شب
ہمارے بعد اندھیرا نہیں اُجالا ہے

جنہیں داتا دربار میں حاضری کا راستہ بھولا ہوا تھا جبکہ لاہور میں رہنے والا کوئی آدمی ایسا نہیں ہوگا جس نے داتا صاحب کے ہاں حاضری نہ دی ہو، جنہیں کسی مظاہرے میں کبھی نہ دیکھا تھا وہ نعرے لگا رہے تھے اور رو رہے تھے۔ جس فرش پر پھول بکھرے رہتے ہیں وہاں زخموں کی دھول اُڑ رہی تھی، جہاں عقیدت مند شہیدوں کا خون گرا لوگ اس جگہ کو چومتے تھے اور روتے تھے۔ داتا دربار میں مسافروں، بے آسرا لوگوں کے لئے قیام وطعام کا ہر وقت اہتمام رہتا ہے، پاکستان کی کوئی این جی او ایسی مثال بھی نہیں لاسکتی کہ سوا لاکھ لوگوں کو کھانا فراہم کرے۔ داتا دربار کی شکل میں ایک بیش بہا فلاحی ٹھکانہ لوگوں کو میسر ہے۔ جمعرات ہمیشہ سے خاص دن صوفیوں کے مزاروں کے لئے ہے۔ شاید یہ پہلی جمعرات تھی لوگوں کو داتا دربار سے نکال دیا گیا۔ ایک بڑے صوفی دانشور بابا محمد یحییٰ خان، جمعرات کو یہاں لنگر خود پکا کر اپنے ہاتھوں سے تقسیم کرتے تھے۔ دھماکے کے فوراً بعد سب سے پہلے وہاں پہنچنے والے ایم این اے صاحبزادہ فضل کریم تھے۔

داتا صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے کشف المحجوب میں لکھا ہے کہ ''لاہور شہروں کا سردار ہے جو بات یہاں ہوگی وہ ساری دنیا میں مشہور ہوگی۔'' داتا کی نگری کے نام سے مشہور

اس بستی سے اب دھماکوں کی دھمک ساری دنیا میں سنی جارہی ہے۔ یہ ہمارے حکام کے لئے عبرتناک ہے اور ہمارے لئے شرمناک ہے۔ یہ دھماکہ ہمارے لئے دھمکی ہے، ہمیں سنبھل جانا چاہئے۔ اس کے ساتھ یہ ایک بات بھولی بسری امید اور نوید کی طرح میرے دل میں تڑپتی ہے کہ اب اخیر ہوگئی ہے۔ اس کے بعد ان دہشت گردوں اور ان کے سرپرستوں کو شرم سے منہ چھپا لینا چاہئے۔ وہ ناکام ہو گئے ہیں اور بدنام ہو گئے۔ بھارت ہمارا دشمن ہے اور امریکہ ہمارا دوست نہیں ہے۔ کہتے ہیں کہ بے خبر اور بے قصور لوگوں کو مارنے والے مسلمان نہیں تو پھر وہ کون ہیں؟ بھارتی، امریکی، اسرائیلی ہیں تو ان کے سامنے ڈٹ جایئے۔

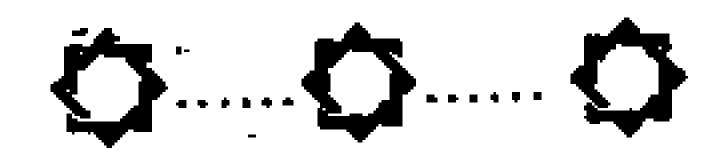
میں نے ایک بار کہا تھا کہ لاہور مجھے پسند ہے۔ یہاں داتا دربار ہے اور میو ہسپتال ہے۔ یہ دونوں فلاحی مرکز ہیں۔ داتا دربار سے زخمیوں کو میو ہسپتال پہنچایا گیا۔ دل والے دردمند ایم ایس ڈاکٹر زاہد پرویز زخمیوں سے پہلے میو ہسپتال پہنچے۔ جو زخمی نہ تھے ان کی روح زخموں سے چُور چُور تھی۔ ہسپتال کے سب ڈاکٹر، نرسیں اور دوسرے اہلکار موجود تھے۔ سفید کوٹوں کا میلہ لگا ہوا تھا، کالے کوٹوں کا زمانہ ختم ہوا ہے سفید کوٹوں کا زمانہ کبھی ختم نہیں ہوسکتا۔ سفید کوٹ ڈاکٹروں کی وردی ہے، نرسوں کا پہلا لباس سفید تھا۔ سفید لباس اجالے کی طرح اُجلا...... بالعموم ان خواتین و حضرات کا دل بھی درد و گداز اور غمگساریوں سے بھرا ہوا ہوتا ہے۔ بہت کم ان کے لباس پر کوئی داغ ہوتا ہے۔ آج تو یہ لباس لہولہان لوگوں کے خون سے لتھڑا تھا۔ لگتا تھا کہ یہ لوگ بھی زخمی ہیں۔ اتنی محبت اور خدمت، اتنی دردمندی اور ہنرمندی زخمیوں کے لئے نچھاور کر دی گئی کہ ان کے لواحقین بھی حیران رہ گئے۔ میں دوسرے روز میو ہسپتال گیا ہوں، وہاں میرا پہلا پڑاؤ ڈاکٹر طیبہ اعجاز کے پاس کلینکل لیبارٹری میں ہوتا ہے۔ ڈاکٹر زاہد پرویز اپنے کمرے میں نہ تھے۔ ڈاکٹر طیبہ نے کہا کہ وہ ایمرجنسی میں ہوں گے ان سے ضرور ملیں۔ میں نے کہا کہ میں انہی کو ملنے آیا تاکہ داتا دربار کے عقیدت مندوں کے پاس زخموں کی خوشبو کو دیکھ سکوں۔ ایمرجنسی میں

لوگوں کا ہجوم تھا مگر کوئی افراتفری نہ تھی۔ سب کچھ سلیقے سے ہو رہا تھا۔ سماجی کارکن امان اللہ بٹ نے مجھے اپنے پاس روک لیا کہ ڈاکٹر زاہد پرویز ابھی آنے والے ہیں۔ سیکرٹری ہیلتھ فواد حسن صاحب، کمشنر لاہور خسرو پرویز، ایم این اے میاں مرغوب اور ڈاکٹر زاہد پرویز کو دیکھ کر اطمینان ہوا۔ فواد حسن صاحب رات کو بھی یہاں تھے۔ انہوں نے میرے ساتھ اپنائیت کا اظہار کیا جیسے میں بھی زخمیوں میں ایک ہوں۔ زخمی تو میں ہوں، زخم اس کے علاوہ بھی ہوتے ہیں جو نظر نہیں آتے۔ کسی پرانی یاد کو تازہ کرنے والے افسر سے مل کر خوشی ہوئی کہ وہ ان لوگوں کے درمیان تھا جو عقیدت کے سفر میں خون کا دریا عبور کر کے آئے تھے۔ میں داتا صاحبؒ کے شہیدوں اور زخمیوں کو سلام کرتا ہوں۔ میو ہسپتال کے ڈاکٹروں، نرسوں اور سارے خدمت گزاروں، اہلکاروں کو سلام کرتا ہوں۔

وہاں سے نکل کے میں خواب اور انقلاب کی سرحد پہ بیٹھے انوکھے پیس ایکٹوسٹ فرخ سہیل گوئندی کے پاس پہنچا، وہاں سلمان عابد اور تنویر ظہور بھی تھے۔ ایک لوک گیت کی سرمستی غم زدہ ماحول میں سرخوشی بن کر بکھرتی جا رہی تھی......:

ونگاں چڑھا لو کڑیو میرے داتا دے دربار دیاں

(روزنامہ نوائے وقت ۵/جولائی ۲۰۱۰ء)



یہ بیج کیسی زمینوں میں اُگتا ہے

عرفان صدیقی

لغت عاری ہے اور بیان عجز کہ اس خونخواری کو کیا نام دیا جائے؟ اللہ کے گھر کا احاطہ مظہرِ نورِ خدا سیّد علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کی بارگاہ فقر کا دالان، دور ونزدیک سے آئے زائرین، غم ہائے روزگار کے ستائے ہوئے لوگ، دکھوں کا مداوا تلاش کرتے مرد و زن اور آسودگی کی تلاش میں ایک شجر سایہ دار کی چھاؤں میں بیٹھے مسافران خستہ حال، تو پھر وہ کون تھے جو اپنی پوٹلیوں میں یا اپنے پیٹوں سے بارود باندھ کر یہاں آئے۔ جنہوں نے پھولوں سے بھرے دالان اور خوشبوؤں سے مہکتی فضاؤں کو چشم زدن میں آگ، بارود اور لہو کی نذر کر دیا؟ ایسے فعل کے ارتکاب کا بیج کیسی زمینوں میں اُگتا اور کس طرح پروان چڑھتا ہوگا؟

سیّدنا امام حسینؓ کے شجرہ نسب سے تعلق رکھنے والے سیّد علی محمود کے ہاں 34 ہجری میں ایک بچے کی ولادت ہوئی۔ ایران کے شہر زنجان سے تعلق رکھنے والا یہ بچہ تاریخ میں شیخ حسین زنجانی کے نام سے معروف ہوا دل میں روحانیت کی جوت جاگی تو والد انگلی پکڑ کر اپنے عہد کے جید شیخ، حضرت ابوالفضل رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں لے گئے۔ نوعمر حسین زنجانی نے شیخ کی صحبت میں کئی سال گزارے اور روحانی تربیت کے درجہ کمال تک پہنچے۔ شیخ ابوالفضل نے جب دیکھا کہ حسین زنجانی نے مقامِ مطلوب پا لیا ہے تو ایک دن اپنے ہونہار شاگرد کو بلایا۔ خرقہ خلافت عطا کیا اور گویا ہوئے۔

''حسین! جاؤ! میں تمہیں خدائے بزرگ و برتر کے حوالے کر رہا ہوں۔ یہاں سے دیار ہند چلے جاؤ جو شرک و بت پرستی کا گڑھ بنا ہوا ہے۔ وہاں توحید الٰہی کا چراغ روشن کرو۔ اس راہ میں تمہیں شدید مشکلات اور کڑے مصائب کا سامنا کرنا پڑے گا۔ ایسی ہر آزمائش میں صرف اپنے اللہ کو یاد کرنا، صرف اسی سے مدد مانگنا۔ وہ یقیناً تمہاری مشکل کشائی کرے گا کہ صرف وہی مشکل کشا بھی ہے اور دستگیر بھی۔''

مرشد کا حکم پا کر سیّد حسین زنجانی اپنے گھر پہنچے۔ دو بھائیوں سیّد یعقوب زنجانی رحمۃ اللہ علیہ اور سیّد موسیٰ زنجانی رحمۃ اللہ علیہ کو ہمراہ لیا۔ اڑتیس سالہ سیّد شیخ حسین زنجانی رحمۃ اللہ علیہ سبزوار، نیشاپور، ہرات، غزنی، جلال آباد اور پشاور سے ہوتے ہوئے لاہور پہنچے اور دیار ہند کو مسکن بنالیا۔ لاہور کا جنوبی علاقہ اس چراغ کا پہلا طاق بنا جو آج ''شاہ عالمی'' کے نام سے معروف ہے۔ شرک و بت پرستی کے اندھیروں میں نور پاشی کا عمل شروع ہو گیا۔

اور کئی برس بعد ہجویر کے سیّد عثمان رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں پیدا ہونے والا بیٹا بھی علم و حکمت کی ابتدائی منازل طے کرنے کے بعد انہی شیخ ابوالفضل رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کے سلسلہ روحانیت سے تعلق رکھنے والے شیخ ابوالفضل رحمۃ اللہ علیہ کی باطن بیں نگاہوں نے جانچ لیا کہ ہجویر سے آنے والے سیّد علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کی پیشانی پہ کیا رقم ہے۔ کیا کمال کے بزرگ تھے۔ ممکن ہے اس میں مبالغہ ہو لیکن تاریخ کی کتابوں میں آیا ہے کہ سیّد شیخ ابوالفضل نے چھپن برس تک فقط ایک ہی لباس زیب تن کیا جس میں جابجا پیوند لگتے رہتے۔ پیوندکاری کا کام خود اپنے ہاتھ سے کرتے۔ سیّد علی ہجویری کو اس مرد کامل سے ایسی محبت ہو گئی کہ لمحہ بھر کی دوری بھی گوارا نہ ہوتی۔

وہ بھی کیا شام تھی جب شیخ ابوالفضل نے شیخ حسین زنجانی رحمۃ اللہ علیہ ہی کی طرح اپنے اس ہونہار اور باکمال شاگرد کو بلایا اور شفیق لہجے میں کہا...... ''علی! میں دیکھتا ہوں کہ

تمہارے قلب میں اب ایسی مضبوطی اور استقامت آ گئی ہے کہ تم کامیابی کے ساتھ اس خارزارِ ہستی کا سفر کر سکتے ہو۔" سیّد علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے سر جھکائے ہوئے مؤدب لہجے میں جواب دیا۔ "شیخ! یہ سب اللہ کا کرم ہے اور آپ کی دعاؤں کا فیضان" شیخ نے کہا۔ "یقیناً اللہ نے تمہیں ثمر بار کر دیا ہے۔ اب اس ثمر کی شیرینیاں دوسروں میں بانٹنے کا وقت آ گیا ہے۔ تم رختِ سفر باندھو اور لاہور چلے جاؤ۔ وہاں پیاس کی شدت سے بھٹکتی خلق خدا تمہاری راہ دیکھ رہی ہے۔" فرقت کے تصور سے علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کی آنکھیں بھر آئیں۔ ادب سے عرض گزاری، شیخ! وہاں تو آپ کے مریدِ کامل، قطب الاقطاب سیّد شیخ حسین زنجانی رحمۃ اللہ علیہ پہلے سے موجود ہیں۔ ان کی موجودگی میں میری ذات سے لوگوں کو کیا فیض حاصل ہوگا؟"

شیخ کے لہجے میں جلال نے انگڑائی لی۔ "علی! میں اسے حجت سمجھوں یا انکار؟"

علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ شیخ کے لہجے کی تلخی جان گئے۔ بولے۔ "نہیں شیخ! مجالِ انکار کہاں۔ فقط فرقت کے احساس سے آزردہ ہوں۔"

شیخ نے حتمی طور پر کہا۔ "میری خدمت چاہتے ہو تو بلا تاخیر لاہور پہنچو۔"

مرشد کے حکم پر سیّد علی ہجویری نے رختِ سفر باندھا۔ نہ سواری، نہ رختِ سفر، پا پیادہ نکل کھڑے ہوئے۔ غزنی سے لاہور پہنچتے انہیں دو ماہ لگ گئے۔ یہ صعوبتوں سے پُر ایک کٹھن سفر تھا۔ ایک سوال سارے سفر کے دوران چبھن سی پیدا کرتا رہا۔ "قطب الاقطاب سیّد شیخ حسین زنجانی رحمۃ اللہ علیہ کی موجودگی میں میرا چراغ کہاں جلے گا۔" نواحِ لاہور میں پہنچے تو شام گہری ہو رہی تھی۔ شہر کے باہر ہی شب بسر کی۔ صبح، سورج ذرا اوپر اٹھا تو شہر میں داخل ہوئے۔ دیکھا کہ ایک بہت بڑا جنازہ آ رہا ہے اور لوگ زاری کر رہے ہیں۔ آپ ہجوم سے جا ملے اور زار و قطار روتے ایک شخص سے پوچھا۔ "یہ کس کی میت ہے۔"

وہ بولا...... "حضرت شیخ حسین زنجانی رحمۃ اللہ علیہ انتقال فرما گئے ہیں۔"

سید علی کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ اس احساس نے درد کی شدت کو کئی گنا

بڑھا دیا کہ میں نے اپنے مرشد کامل شیخ ابوالفضل رحمۃ اللہ علیہ کی مصلحت کو نہیں سمجھا اور لاہور آنے میں عذر تراشتا رہا۔ لاہور کے لوگ حیران تھے یہ اجنبی نوجوان کون ہے جو اس قدر گریہ کر رہا ہے اور جو قبر سے جدا ہونے کا نام نہیں لے رہا۔

حضرت شیخ حسین زنجانی جو اکیس سال تک شرک و بت پرستی کی تاریکیوں میں توحید حق کا نور بوتے رہے۔ اسے اللہ کی حکمت ہی کہا جاتا ہے کہ جس دن ایک چراغ گل ہوا، اسی دن لاہور کے طاق میں ایک نیا چراغ روشن ہو گیا۔ غزنی کے جواں سال درویش نے سب سے پہلے ایک مسجد کا سنگ بنیاد رکھا اور اس کی تعمیر میں جت گیا۔ مغل شہزادہ داراشکوہ اپنی مشہور کتاب "سفینۃ اولیاء" میں بتاتا ہے کہ لاہور کے علماء کو سخت اعتراض ہوا کہ قبلہ کی سمت درست نہیں۔ علی ہجویری نے سنی ان سنی کر دی۔ مسجد تیار ہو گئی تو نوجوان درویش نے علماء کو دعوت دی۔ نماز پڑھائی۔ علماء نے کہا۔ "ہمیں اب بھی شک ہے کہ سمت قبلہ درست نہیں۔" حضرت علی ہجویری نے مسجد کے میناروں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا...... "آپ حضرات ملاحظہ تو فرمائیں۔" علماء نے آنکھیں اٹھائیں تو دیکھا کہ عین سامنے خانۂ خدا نور پاشی کر رہا ہے۔

تین عشروں سے زائد عرصے تک یہ چراغِ ضیا پاش لاہور کی فضاؤں میں جگمگاتا رہا۔ شرک و بت پرستی کی تاریکیاں سکڑتی رہیں۔ توحید کے اُجالے پھیلتے رہے۔ لاکھوں انسان سیّد علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کے فیضان سے مشرف بہ اسلام ہوئے۔ کتنے ہی افتادگان خاک نے آسودگی پائی۔ کتنے ہی دلوں کی دنیا میں انقلاب بپا ہوا۔ غزنی کا درویش، داتا گنج بخش کے نام سے معروف ہوا۔ 1072ء میں رخصت ہو گئے لیکن "کشف المحجوب" باکمال صوفی کے فیضانِ نظر کا دائمی سرچشمہ بن گئی اور اس کی بارگاہ پیہم خزانے بانٹتی رہی۔

لغت عاری ہے اور بیان عاجز کہ وہ کون تھے جو اپنی پوٹلیوں میں اور اپنے پیٹوں سے بارود باندھ کر آئے اور خوشبوؤں سے بھرے دلان کو لہولہان کر دیا؟ وہ جو غزنی،

شام، عراق، بغداد، فارس، قہستان، آذر بائیجان، خوزستان، کرمان، خراسان، ماورٰی النہر، ترکستان اور جانے کس کس نگر کی خاک چھانتا ہوا لاہور پہنچا۔ جس نے لاہور کو ایک نئی آن اور پہچان دی۔ وہ کون کم نصیب ہیں جنہوں نے اللہ کے گھر کے احاطے اور مظہرِ نورِ خدا سیّد علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کی یادگار فقر کے دالان کو قتل گاہ بنا دیا۔

ایسے فعل کے ارتکاب کا بیج کیسی زمینوں میں اُگتا ہے اور کس طرح پروان چڑھتا ہے؟

(روزنامہ جنگ ۴ر جولائی ۲۰۱۰ء)

نئے دور کے خارجی!

عطاء الحق قاسمی

حضرت داتا گنج بخش کے مزارِ پُر انوار پر حملے کو کئی دن گزر چکے ہیں مگر اس کا زخم دنوں میں مندمل ہونے والا نہیں اور یہ وہ صدمہ نہیں جو آسانی سے بھلایا جا سکے بلکہ اس کی کسک برسوں محسوس کی جائے گی۔ یہاں برطانیہ میں مقیم مسلمانوں کے دل بھی اس سانحہ سے زخمی ہیں اور کوئی محفل ایسی نہیں جہاں اس کی بازگشت نہ سنائی دیتی ہو، لوٹن میں راجہ نثار، ڈڈلی میں منصور آفاق اور برمنگھم ساؤتھ کالج میں عنصر کی طرف سے منعقدہ محفلوں کے اختتام پر بھی یہ دہشت گردی موضوع گفتگو بنی، میں نے اس خیال کا اظہار کیا کہ پاکستان میں دہشت گردی کی جتنی وارداتیں ہوئی ہیں اگرچہ ان میں اس سے کہیں زیادہ خونریزی ہوئی لیکن داتا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے مزار میں ہونے والی دہشت گردی اپنے نتائج کے لحاظ سے سب سے خطرناک تھی چنانچہ ضرورت اس امر کی ہے کہ مسلمانوں کے تمام مکاتب فکر سر جوڑ کر بیٹھیں اور کوئی ایسا لائحہ عمل مرتب کریں جس سے دشمن وہ نتائج حاصل نہ کر سکے جن نتائج کے حصول کے لئے اس نے یہ اسلام دشمن اور پاکستان دشمن کارروائی کی تھی۔ (میرے ذہن میں جو لائحہ عمل ہے وہ میں کالم کے آخر میں بیان کروں گا)

پاکستان میں کچھ حلقے دہشت گردی کی ان کارروائیوں کا خاتمہ بے گناہ پاکستانی شہریوں کی شہادت سے جوڑتے ہیں جو امریکی ڈرون حملوں میں آئے دن شہید ہوتے

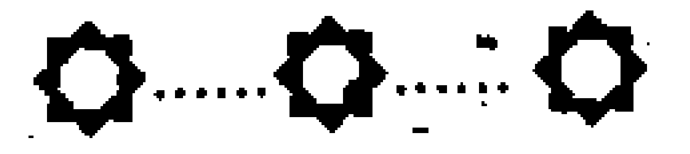
رہتے ہیں یا وہ اس حوالے سے لال مسجد کا سانحہ درمیان میں لاتے ہیں مگر وہ پاکستانی عوام کو قائل نہیں کر سکے کہ پاکستان کی شہری آبادیوں پر جو حملے یہ دہشت گرد کرتے ہیں اور اس میں جو لوگ شہید ہوتے ہیں ان کا ڈرون حملوں یا لال مسجد کے سانحہ سے کیا تعلق ہے؟ اس حوالے سے تو ان کے اپنے جذبات بہت شدید ہیں اور روہ امریکہ اور اس کے ایجنٹ پرویز مشرف کو کبھی معاف نہیں کر سکے لیکن دہشت گرد انہیں بھی بے دردی سے شہید کر دیتے ہیں کیا اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ یہ اسلام دشمن اور پاکستان دشمن لوگ خود امریکہ کے ہاتھوں میں کھلونا بنے ہوئے ہیں؟ داتا صاحب کے مزارِ پرانوار پر حملہ کے بعد یہ سوال زیادہ شدت کے ساتھ سامنے آیا ہے۔ دہشت گردوں کی صفائیاں پیش کرنے والے یہ طبقے بتائیں کہ داتا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا ڈرون حملوں یا لال مسجد کے سانحہ سے کیا تعلق ہے؟ عبادت گزاروں پر حملوں کا یہ سلسلہ اگرچہ تازہ نہیں لیکن حالیہ سانحہ نے تو پچھلے سارے زخم بھی نئے سرے سے ہرے کر دیئے ہیں! میں گزشتہ دو ہفتوں سے یورپ میں ہوں چنانچہ اخبارات کا مطالعہ نہیں کر سکا تاہم ایک دوست نے بتایا کہ جماعت اسلامی نے ایک طرف تو داتا صاحب رحمۃ اللہ علیہ پر حملے کی مذمت میں احتجاجی ریلی نکالی اور دوسری طرف امیر جماعت سیّد منور حسن سے خودکش حملوں کے بارے میں سوال کیا گیا تو انہوں نے جواب دیا ”یہ ڈرون حملوں سے کم تر برائی ہے۔“ میں نہیں جانتا یہ بیان مجھ تک صحیح شکل میں پہنچا ہے یا نہیں لیکن اگر یہ روایت صحیح ہے تو اس میں بھی خودکش حملوں کو کھینچ تان کر ڈرون حملوں سے جوڑنے کی کوشش بہرحال کی گئی ہے۔ مجھے سمجھ نہیں آتا کہ سیّد منور حسن اور ان کے ہمراز عمران خان دونوں زیرک سیاستدان ہیں مجھے ان کی اسلام اور پاکستان دوستی پر بھی کوئی شبہ نہیں لیکن سمجھ نہیں آتا یہ کس راہ پر چل پڑے ہیں اور کیوں چل پڑے ہیں؟ یہ ڈرون حملوں کی الگ سے اور دہشت گردی کی کارروائیوں کی الگ سے غیر مشروط مذمت کیوں نہیں کرتے، یہ کیوں ثابت کرنے میں لگے رہتے ہیں کہ دہشت گرد دراصل مجاہد ہیں جو امریکہ کے خلاف

جنگ میں مشغول ہیں اور ان کی کارروائیوں کو ناپسندیدہ قرار دیتے ہوئے بھی وہ انہیں ''ردعمل'' کا نتیجہ بتاتے ہیں اور یوں بالواسطہ ان کے لئے دلوں میں نرم گوشہ پیدا کرنے کی کوشش کرتے ہیں! میرے نزدیک پاکستان کو درپیش آنے والے سانحوں کی طرح یہ طرز فکر بھی ایک سانحہ ہی ہے!

مجھے لگتا ہے کہ جو دہشت گرد عام مسلمانوں کو بے دردی سے شہید کر رہے ہیں اور اس پر نادم ہونے کی بجائے وہ خود کو جنت کا حقدار سمجھتے ہیں وہ دراصل آج کے دور کے خارجی ہیں جو اپنے علاوہ باقی سب مسلمانوں کو کافر قرار دیتے ہیں۔ ان کی اس سوچ کو ہمارا دشمن ایکسپلائٹ کر رہا ہے چنانچہ انہیں مالی امداد اور اسلحہ انہی کی طرف سے فراہم کیا جاتا ہے۔ کچھ عرصے سے انہوں نے بزرگانِ دین کے مزاروں پر بھی حملوں کا سلسلہ شروع کر رکھا ہے۔ جس کا کلائمکس حضرت داتا گنج بخشؒ کے مزار پر حملے کی صورت میں سامنے آیا ہے حالانکہ یہ اچھی طرح جانتے ہیں کہ کسی بھی فرقے سے وابستہ کوئی بھی مسلمان مزاروں پر سجدہ نہیں کرتا اور نہ بزرگانِ دین سے براہِ راست مدد مانگتا ہے، یہ سب ایک خدا کو ماننے والے ہیں اور اسی سے مدد کے طالب ہوتے ہیں لیکن ان کے نزدیک مزاروں سے ملحقہ مساجد میں نمازیں اور تہجد ادا کرنے والے بھی مشرک ہیں چنانچہ وہ ''جنت کمانے کے لئے'' اِن مقدس مقامات پر حملہ آور ہوتے ہیں، اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ ان کے دلوں میں نفرت کے یہ بیج بونے والے کون ہیں؟ کہا جاتا ہے کہ کسی بھی دینی مدرسے میں دہشت گردی کی تربیت نہیں دی جاتی نیز یہ کہ ان مدرسوں کا کوئی طالب علم دہشت گردی کی کارروائیوں میں ملوث نہیں۔ میں نہیں جانتا اس دعوے میں کتنی حقیقت ہے لیکن اس حقیقت سے بھی بہر حال انکار نہیں کیا جا سکتا کہ ذہنوں میں یہ نفرت انگیز سوچ بہر حال مذہبی پیشواؤں ہی کی بوئی ہوئی ہے جس کی فصل آج پوری قوم کو کاٹنا پڑی ہے چنانچہ اس سوچ کا قلع قمع کرنے کے لئے ضروری ہے کہ مسجدوں اور امام بارگاہوں میں متنازع مسائل پر تقریروں پر پابندی عائد کی جائے، دنیا کے 95 فیصد

اسلامی ممالک میں جمعہ کے خطبے کے موضوعات دیئے جاتے ہیں چنانچہ علمائے کرام ان اجتماعات میں جھوٹ، غیبت، رشوت، ملاوٹ اور دوسری معاشرتی برائیوں کے خلاف اظہار خیال کرتے ہیں یا اسلام کے بنیادی احکام کو موضوع گفتگو بناتے ہیں۔ مجھے لگتا ہے جو فرقہ پرستی کا کینسر ہمارے معاشرے کے رگ و پے میں سرایت کر چکا اسے کاٹ پھینکنے کے لئے یہ ''سرجری'' وقت کی اہم ضرورت ہے۔ مجھے علم ہے کہ اس رستے میں شدید رکاوٹیں آئیں گی لیکن اب ہم نے طے کرنا ہے کہ ہم نے پاکستان کو بچانا ہے یا اسے 2010ء کے ان خارجیوں کے ہاتھوں میں یرغمال بنائے رکھنا ہے جو اپنے علاوہ سب کو کافر سمجھتے ہیں۔

(روزنامہ جنگ ۸ر جولائی ۲۰۱۰ء)



سیدِ ہجویر مخدومِ امم

ہارون الرشید

ان قاتلوں نے اگر شیخ ہجویر کے مرقد کو ہدف بنانے کا فیصلہ کیا جو مذہب کے نام پر انسانوں کے ریوڑ بنانے کے آرزومند ہیں تو تعجب کیا۔ مذہبی نہیں، ان کا ایجنڈہ سیاسی ہے۔ اسی لئے برہمن اور ملحد تو انہیں گوارا ہیں لیکن قائداعظم کے پاکستان سے وہ نفرت کرتے ہیں۔

دہشت گردوں کا پیغام واضح ہے: اگر پاکستانی ریاست نے ان کی فکر کے مطابق اپنی ترجیحات تبدیل نہ کیں تو وہ اسے تباہ کر دیں گے۔ فرض کیجئے کہ نام نہاد طالبان کی ترجیحات درست ہیں، فرض کیجئے پاک فوج پر اس کے حملے بھی لیکن داتاؒ دربار پہ خوب سوچ سمجھ کر کی جانے والی خودکش مہم کا جواز کیا ہے؟ سالِ گزشتہ بھی انہوں نے خیبر پختون خواہ کے بعض مزاروں کو ہدف کیا تھا۔ ان مزاروں سے انہیں خطرہ کیا ہے؟

1009 برس ہوتے ہیں، شیخِ ہجویر علی بن عثمان ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کو ان کے استاد نے غزنی سے لاہور روانہ ہونے کا حکم دیا۔ حیرت سے انہوں نے کہا کہ آپ کے ایک شاگردِ رشید اس قریہ میں قیام فرما ہیں۔ استاد نے اپنا حکم دُہرایا تو سالک کے لئے سفر کے سوا کوئی چارہ نہ رہا۔ مسافت کے جھٹ پٹ میں تقویٰ اس کا زادِ راہ اور علم جس کی قندیل تھا۔ جب وہ لاہور کی شہر پناہ کے قریب پہنچے تو ان کے پیش رو کا جنازہ قبرستان کو روانہ تھا۔ شہر کے باہر فقیرانہ اب وہ شخص اس مسند پر جلوہ افروز ہوا اور عشروں تک علم اور یقین کی

دولتِ بانٹتا رہا۔ ''کشف المحجوب'' کا وہ مصنف جسے اس کی زندگی میں اپنے زمانے کا امام تسلیم کر لیا گیا۔ خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ سے لے کر علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ اور سیّد ابوالاعلیٰ مودودی تک، کوئی سکالر نہیں گزرا، جس نے فقیر سے فیض نہ پایا ہو۔ کہر اور دھوپ کے کتنے موسم بیت چکے لیکن درویش کے دسترخوان اور مکتب کا در کھلا ہے۔ بھوکوں کے لئے کھانا اور پناہ ہے اور آرزو مندانِ علم کے لئے شیخ ہجویر کی کتاب کے اوراق۔ اہلِ علم کہتے ہیں کہ ایک ہزار برس میں اپنے موضوع پر...... اور یہ ایک عظیم موضوع ہے، اس سے بہتر کتاب کبھی لکھی نہ گئی۔ متن مستند ہے، قلمی نسخے محفوظ ہیں اور سینکڑوں ترجمے ہو چکے۔ اس کے باوجود ابتلا کے سنگین اور مصروفیت کے مشکل ترین دور میں سیّد ابوالاعلیٰ مودودی نے اپنے چہیتے شاگرد میاں طفیل محمد کو ایک جدید تر ترجمے پر آمادہ کیا۔ اقبال اپنے عہد کے سب سے بڑے معلّم تھے۔ انقلابِ ایران کے ہنگام وہ ان کے رہنما تھے۔ وسطی ایشیاء، کشمیر اور افغانستان کے انقلابیوں نے اس کے گیت گائے۔ ترکی میں کلامِ اقبال کی اساس پر فکر کی نئی تحریک اٹھ رہی ہے۔ ایرانی انقلاب کے مفکر علی شریعتی نے اس موضوع پر پوری ایک کتاب لکھی کہ اقبال کی فکر نے کیسے اور کیونکر اس کی ذہنی تربیت کی۔ اسی حریت کیش کی ایک دوسری کتاب ''فاطمہ''، ''فاطمہ'' ہیں کا مرکزی خیال اقبال کی ایک رباعی سے مستعار لیا گیا۔

اپنے عصر کے اہلِ علم کا سردار اقبال، داتا گنج بخش علی بن عثمان ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کا اسیر ہے اور اس نے یہ کہا:

سیّد ہجویر مخدوم اُمم
مرقد او پیر سنجر را حرم
خاک پنجاب از دمِ او زندہ گشت
صبح ما از مہر او تابندہ گشت

(ہجویر کا سیّد اقوام عالم کا سردار ہے۔ عظیم صوفی پیر سنجر کے لئے اس کا مزار

حرم مبارک کی مانند ہے۔ پنجاب کی خاک کو اس نے زندہ کر دیا۔ میری سحر اسی سورج سے تابندہ ہوئی)۔

''انگریز اور ہندو مؤرخوں اور ان کے زیر اثر لادین اکبر کو ہیرو قرار دینے والے محمد حسین آزاد نے محمود غزنوی کو لٹیرا کہا۔ کمزور پہلو بھی ہوں گے لیکن تاریخ کا سرسری سا مطالعہ بھی دو نکات واضح کر دیتا ہے۔ اوّل یہ کہ اپنے باپ سبکتگین کے زمانے میں محمود کاروبارِ سلطنت سے زیادہ ذکر و فکر کا آدمی تھا۔ ثانیاً یہ کہ لاہور کے آنند پاک کی قیادت میں بھارت کے ہندو راجے غزنی کو تباہ کرنے کے درپے تھے۔ بار بار وہ پشاور سے کابل تک کی سرزمینوں کو پامال کرتے۔ وہ محمد بن قاسم رحمۃ اللہ علیہ کے عہد سے شروع ہونے والے عربوں کے عشروں بلکہ صدیوں تک پھیلے اقتدار کا تجربہ کر چکے تھے اور اب وسطی ایشیا کی نئی اسلامی قوت سے خوف زدہ تھے۔ اس تہذیب سے جس میں شودر اور برہمن کا تصور نہ تھا۔ ایک دور اندیش حکمران کی طرح محمود کو درپیش چیلنج کا ادراک تھا۔ کمتر وسائل کے ملک کو ایک عظیم عسکری قوت کا سامنا تھا۔ غزنی کو کیا حکمت عملی اختیار کرنی چاہیے۔ محمود مدّتوں اس ادھیڑ بن میں رہا۔ آخر کار وہ علی بن عثمان رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوا، جن کا چھوٹا سا گھر اس کے محل سے زیادہ دور نہ تھا۔ گزرے زمانوں کے سلاطین اور اہلِ علم میں فاصلہ زیادہ نہ ہوتا تھا کہ اہلِ فقر کی سلطنتیں زیادہ محکم اور پائیدار تھیں۔ بلبن فریدالدین شکر گنج کی خدمت میں حاضر ہوا اور شہاب الدین غوری نے معین الدین چشتی کی بارگاہ میں اپنا پیغام رساں بھیجا تھا۔ محمود غزنوی اگر شش و پنج سے نکلا تو شیخ ہجویر رحمۃ اللہ علیہ کے طفیل۔ یہ مگر درست نہیں کہ وہ اس کے اقتدار میں لاہور آئے بلکہ اس کے بھائی اور جانشین مسعود کے دور میں۔ عصری اکابر سے متعلق اخبارات میں اظہار خیال گاہے مناسب نہیں ہوتا۔ اگر کتاب لکھ سکا تو واقعات سے واضح ہو گا کہ ہمارے عہد کی کتنی ہی اہم علمی اور انتظامی شخصیات نے نازک مواقع پر پروفیسر احمد رفیق اختر سے فیض پایا ہے۔ میں نے ان سے پوچھا ''کشف المحجوب آپ نے کتنی بار پڑھی ہے''

جواب یہ تھا "پڑھی نہیں، مجھ پر بیت گئی ہے" شیخ ہجویر رحمۃ اللہ علیہ کا جو موضوع ہے اس پر ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ اور امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا، مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ اور اقبال رحمۃ اللہ علیہ کی شاعری بھی اسی سے بحث کرتی ہے۔ خواجہ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ اور جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ سے لے کر پیر مہر علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ کی زندگیاں اسی فکر کے لئے وقف رہیں کہ:

کچھ بھی حاصل نہ ہوا زہد سے نخوت کے سوا
شغل بیکار ہیں، سب تیری محبت کے سوا

قرآن، حدیث، سیرت اور تاریخ میں انہماک۔ انسانی جبلتوں کا گہرا مطالعہ۔ یہ ریاضت کہ کائنات کیا ہے۔ زندگی نے کس طرح جنم لیا اور کن ادوار سے گزری۔ کونسی چیز ہے جو انسانی ذہانت کو اعلیٰ ترین سچائیوں کے ادراک سے روکتی ہے۔ انسانی اندازِ فکر کے کون سے مغالطے ہیں جو اسے ضدی و متعصب، خود پسند، جاہ پرست اور گاہے دین کا علمبردار ہونے کے باوجود ظالم اور سفاک ہوتے ہیں۔ صرف صوفیوں نے سمجھا، بہت سوں نے لکھا لیکن اوّلین عہد کے بعد شیخ ہجویر جیسا کم ہی کوئی بیان کر سکا۔

سیاستدانوں سے خدا سمجھے۔ سلمان تاثیر شاید اب یہ کہیں کہ وزیراعلیٰ پنجاب ذمہ دار ہیں گویا اسلام آباد میں جو حملے ہوئے، ان کی ذمہ داری آصف علی زرداری پر عائد ہونی چاہئے۔ ادھر اخبار نویس سلمان غنی کے مطابق جمعرات کی شب ساڑھے دس بجے وزیراعلیٰ شہباز شریف نے ان سے یہ کہا: وزیر داخلہ رحمٰن ملک نے وفاقی اداروں کو دہشت گردی سے متعلق معلومات پنجاب حکومت کو پہنچانے سے روک دیا ہے۔ لیاقت بلوچ بولے: جہاں سے رواداری اور محبت بٹتی تھی، اسی کو قتل گاہ بنا دیا۔ سچ کہا، انہوں نے سچ کہا لیکن پھر وہ ان لوگوں سے سیاسی اتحاد کیسے کر سکتے ہیں، تین ماہ پہلے جن کے نمائندہ اجتماع نے بے گناہوں کی قتل گاہیں سجانے والوں کی مذمت سے انکار کر دیا تھا۔ خواجہ مودود چشت رحمۃ اللہ علیہ کے فرزند سیّد ابوالاعلیٰ مودودی اگر زندہ ہوتے تو کیا یہی

کرتے؟80 برس پہلے کیوں انہوں نے اپنا راستہ الگ کرنے کا فیصلہ کیا تھا؟ کانگریس کی ہم نوائی سے انہیں انکار تھا۔ محمد علی جناح رحمۃ اللہ علیہ نہیں مگر اقبال کی جانب تو بہر حال وہ مائل تھے۔ ان قاتلوں نے اگر شیخ ہجویر کے مرقد کو ہدف بنانے کا فیصلہ کیا جو مذہب کے نام پر انسانوں کے ریوڑ بنانے کے آرزومند ہیں تو اس میں تعجب کیا۔ مذہبی نہیں، ان کا ایجنڈہ سیاسی ہے۔ اسی لئے برہمن اور ملحد تو انہیں گوارا ہیں لیکن قائداعظم رحمۃ اللہ علیہ کے پاکستان سے وہ نفرت کرتے ہیں۔

(روزنامہ جنگ ۳/ جولائی ۲۰۱۰ء)



جہاں لنگر تقسیم ہوتا ہے، وہاں موت بٹنے کا ناقابلِ بیان منظر

کرامت علی بھٹی

ہائے میرا شہباز! باؤ جی آپ نے کہیں اسے دیکھا...... پتر تم اس کے بارے میں کچھ جانتے ہو۔ لمبا سا، جوان، چھوٹی چھوٹی داڑھی، سفید کپڑے۔ میرے بچے کے پاس دربار شریف کا کارڈ تھا۔ ہر جمعرات کو یہاں سلام کرنے آتا، مشین کندھے پر رکھتا اور ساری رات زائرین پر خوشبو چھڑکتا۔ میلے کچیلے کپڑوں میں ملبوس بابا جی اِدھر اُدھر سے پوچھ ہارے تو میرا دامن پکڑلیا۔

"آپ نے میو ہسپتال چیک کیا بابا جی؟"

"وہ کدھر ہے بیٹا! میں بڑی دور سے یہاں آیا ہوں، اس لئے یہاں کچھ پتہ نہیں۔"

"ٹھیک ہے، آپ تھوڑی دیر انتظار کریں۔ میں آپ کو وہاں لے جاؤں گا۔"

80 سالہ بابا جی مزار شریف کے ستون سے لگ کر سسکاریاں بھرنے لگے۔

سید علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کے دربار پر شرمناک حملے کا یہ دوسرا روز تھا۔ میرا گھر سے دفتر آنے اور واپس جانے کا راستہ چونکہ یہی ہے اس لئے یہاں کی ٹریفک، عقیدت مندوں کا ہجوم، درود و سلام کی صدائیں اور دربار شریف کا دل کش منظر میرے لئے نیا نہیں۔ رات ساڑھے بارہ بجے دوست نے فون پر اس المناک واقعہ کی اطلاع دی تو ساری رات کروٹیں بدلتے گزری۔ صبح ہوتے ہی یہاں پہنچ گیا تو ٹریفک معمول سے قدرے کم، پولیس اہلکار زیادہ اور سوگوار چہرے زیادہ نظر آئے، جو باہر سڑک پر نعروں کی

شکل میں شدت جذبات کا اظہار کر رہے تھے۔ کلف لگی کاٹن میں ملبوس مقامی سیاستدان بھی ان کے قریب ہی کھڑے تھے۔

سپاٹ چہروں اور تیکھے لہجوں والے محافظ جامہ تلاشی سے چھوٹے تو اندر جانے کا اذن بھی مل گیا۔ داخلی راستے کے دونوں اطراف سینکڑوں پولیس اہلکار رات بھر کی ڈیوٹی کے سبب تھک کر بیٹھے ہوئے تھے یا آڑے ترچھے لیٹے تھے۔ ان کے درمیان سے گزرتے ہوئے دربار شریف کے نزدیک پہنچا تو پہلا بورڈ جس پر نظر پڑی، اس پر درج تھا خبردار! کیمرے کی آنکھ آپ کو دیکھ رہی ہے۔'' گو صبح کا وقت تھا پھر بھی درجنوں لوگ دربار شریف کے احاطے میں اُمڈتی آنکھوں کے ساتھ دُعا اور تلاوت میں مصروف تھے یا چپ چاپ ہاتھ باندھے کھڑے تھے۔ فاتحہ سے فارغ ہو کر ہم آگے بڑھے تو دو بڑے بڑے دائرے دیکھے۔ ایک دائرہ نجی ٹی وی کے رپورٹر کے گرد تھا، جو براہِ راست اپنے چینل کے ذریعے وہاں کے حالات سامعین کو بتا رہا تھا جبکہ اس کے پیچھے مغرب کی جانب دوسرا نسبتاً بڑا دائرہ وہاں بنا تھا جہاں رات خودکش حملہ آور نے خود کو اڑایا۔ بارود کے ٹکڑوں نے سنگ مرمر کے فرش پر سینکڑوں چھوٹے بڑے سوراخ کر دیئے تھے۔ دل نے سوچا یہ سوراخ تو بھر ہی جائیں گے مگر عقیدت مندوں کے دلوں میں ہونے والے ان لاکھوں ہزاروں سوراخوں کو کون بھرے گا جو عاقبت نااندیش لوگوں کی ہٹ دھرمی سے بنے۔ دھماکے کی جگہ سے مشرق کی طرف دربار کی جانب نگاہ کی تو عین سامنے شعر درج تھا۔

سید ہجویر و رشید یقیں
ذاتِ او حسنِ حصین شرح و دیں

خودکش حملے کا دوسرا منظر جو دراصل پہلا منظر تھا، دیکھنے کے لئے مسجد کی سیڑھیوں سے نیچے اترے تو عجیب قیامت کا منظر تھا، رمضان المبارک میں اعتکاف میں بیٹھنے اور عام دنوں میں لنگر کی تقسیم کے لئے خاص اس گوشے میں ٹوٹے ہوئے شیشوں، پلاسٹک

بورڈوں، کھانے کے برتنوں، جوس، مٹھائی کے خالی ڈبوں، جابجا خون کے دھبوں اور درو دیوار سے چپکے انسانی چیتھڑوں کو دیکھ کر دل گہری سوگواری میں ڈوب گیا۔ جس جگہ لنگر تقسیم کرنے کی روایت ہے، وہاں موت تقسیم ہوئی تو منظر ہی کچھ اور تھا۔ دربار کے رضا کار پائپ لگا کر خون کے دھبے دھو رہے تھے۔ جہاں یہ جم گیا تھا، وہاں دھماکے میں ٹوٹے آہنی گیٹ کی سلاخیں اسے کھرچنے کے کام آ رہی تھیں، گویا

نہ مدعی نہ شہادت حساب پاک ہوا
یہ خونِ خاک نشیناں تھا، رزق خاک ہوا

اس اداس ماحول میں بعض پولیس والوں کا طنطنہ وہی تھا جس کے وہ لئے وہ مشہور ہیں۔ مسجد کے احاطے میں ایک نوجوان کی تھپڑوں اور گندی گالیوں سے سرعام تواضع جاری تھی۔ ہر آن ہجوم کیے لوگوں کو بھی سخت برا بھلا کہا جا رہا تھا۔ لنگر خانے کے قریب صفائی کے دوران جب ملبہ باہر لایا جا رہا تھا تو اس میں سے ایک جھلسا ہوا لوتھڑا برآمد ہوا۔ صرف انگوٹھے سے سراغ ملا کہ یہ انسانی ہاتھ ہے۔ اس انگوٹھے کے ناخن پر سفید سا دھبہ بنا تھا۔ وہی دھبہ جسے کسی ڈاکٹر کو دکھایا جائے تو غذائیت کی کمی سے موسوم کرے۔ نجانے کون بدقسمت تھا کہ لنگر خانے کی دال روٹی جس کی غذائی ضرورت پوری کرنے سے قاصر تھی پھر بھی وہاں رہنے اور کھانے پر خود کو مجبور پاتا رہا۔ ملبے سے دس روپے کا مڑا تڑا نوٹ بھی برآمد ہوا جسے وہاں موجود بچے نے مٹھی میں دبایا اور چپکے سے کھسک گیا۔

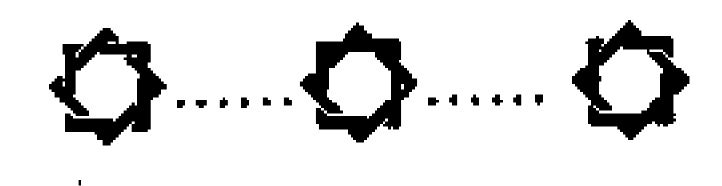
جب داتاؒ دربار مسجد کا مینار خون کے دھبے صاف کرنے کے لئے دھویا جا رہا تھا تو ایک جگہ جو پانی کی دھار سے ذرا دور تھی، وہاں ایک لوتھڑا چپکا ہوا تھا، غور سے دیکھنے پر معلوم ہوا، یہ کسی کے جگر کا ٹکڑا ہے۔ معلوم نہیں یہ کس بدقسمت کے جگر کا ٹکڑا تھا۔ کس باپ، کس بیٹے، کس بھائی، کس ماں کے جگر کا ٹکڑا۔

جب جسم میں مزید ایسا کوئی منظر دیکھنے کی تاب نہ رہی تو تھکے قدموں سے مسجد کی سیڑھیاں چڑھ کر اوپر آ گیا۔ بورڈ پھر سامنے تھا خبردار! کیمرے کی آنکھ آپ کو دیکھ رہی

ہے۔ مسجد کے صحن اور دربار کے آس پاس بڑے بڑے ڈبے دھرے تھے جن پر درج تھا:
اپنے ہاتھوں سے نذرانہ ان میں ڈالیں۔ دل میں آیا کہ یکم جولائی کی رات بھی گویا ایسی تھی جن میں درجنوں عبادت گزاروں نے سیّد علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ سے محبت اور عقیدت کے کسی نہ کسی ڈبے میں اپنی نقد جان کا نذرانہ پیش کیا۔ کاش ہمارے من میں کوئی ایسی آنکھ بھی ہو، جو کیمرے کی طرح ہمیشہ ہمیشہ کے لئے اس پُر ایثار منظر کو محفوظ کر لے۔

دل پاش مناظر اور دل دوز خیالات نے ہجوم کیا تو سامنے ستون کے ساتھ بیٹھے بابا جی کو آواز دی۔ انہیں لے کر دربار سے باہر آیا اور موٹر سائیکل پر انہیں بٹھا کر میو ہسپتال کے گیٹ پر اتار دیا۔ خود اس لئے ساتھ نہ گیا کہ اب مجھ میں مزید کسی اور دل پاش منظر کو دیکھنے کی تاب باقی نہیں تھی۔

(روزنامہ ایکسپریس ۳؍جولائی ۲۰۱۰ء)



مشیتِ ایزدی کیخلاف سرگرم عمل فکر

ڈاکٹر علی اکبر قادری الازہری

وطن عزیز ان دنوں جس دہشت گردی کا شکار ہے اس کی بدترین شکل گزشتہ دنوں سیّد ہجویر مخدوم اُمم حضرت سیّد ابوالحسن علی بن عثمان الہجویری رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر انوار پر خودکش دھماکوں کی صورت میں سامنے آئی۔ اس حساس اور مقدس جگہ پر دو خودکش حملوں کی جسارت ایسا عمل ہے جس کی مثال گزشتہ ایک ہزار سال میں نہیں ملتی۔ حتیٰ کہ سکھوں اور انگریزوں کے دورِ حکومت میں بھی کسی نے مزار مبارک کی بے حرمتی کا تصور نہیں کیا۔

سید علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ سلطان محمود غزنوی کے بیٹے سلطان مسعود غزنوی کے عہد 421ھ میں اپنے مرشد کے حکم پر غزنی سے تبلیغ دین کے لئے دو دوستوں کے ہمراہ لاہور تشریف لائے۔ لاہور کی مرکزی حیثیت کے پیش نظر یہاں سکونت اختیار کی اور اسوۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع میں اپنے کردار و عمل کو اس قدر خوبصورتی کے ساتھ پیش فرمایا کہ صدیوں سے قائم ہندو معاشرے میں اسلامی تعلیمات کے چراغ روشن کر دیئے۔ شاعرِ مشرق نے بجا طور پر آپ کی شان میں 31 اشعار پر مشتمل ایک طویل فارسی نظم لکھی اور آپ کی ان خدمات کو خراج تحسین پیش کیا جو دعوتِ دین کے لئے آپ نے اس بت کدہ ہند میں سرانجام دیں۔

اقبال نے اولاً پنجاب اور بعدازاں خواجہ معین الدین اجمیری رحمۃ اللہ علیہ جیسے بزرگانِ دین کے ذریعے پورے ہندوستان میں اسلام کی مشعلیں روشن کرنے کا سہرا

آپ کے سر باندھا ہے۔ آپ کا شمار ان آئمہ تصوف وطریقت میں ہوتا ہے جنہوں نے نہ صرف اپنی عملی زندگیوں کو اسوۂ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم میں ڈھال کر دکھایا بلکہ قیامت تک اپنے علم وعرفان کو متلاشیان ہدایت کے لئے منظم اور مرتب بھی کر دیا۔ چنانچہ آپ رحمۃ اللہ علیہ کی مایہ ناز تصنیف ''کشف المحجوب'' آج بھی اسلامی تصوف کی امہات الکتب (Mother Books) میں شمار ہوتی ہے۔ اس کتاب لاجواب کے متعلق مصنف سمیت اکابر صوفیا کا اس قدر اعتقاد ہے کہ یہ سالک کی تربیت کے لئے شیخِ کامل کی حیثیت رکھتی ہے۔

حضرت داتا گنج بخشؒ کا مزار صدیوں سے انوار و تجلیات کا ایسا مرکز ہے جہاں رات دن عقیدت مندوں کا ہجوم رہتا ہے۔ بلا مبالغہ ہزاروں لوگ قرآن خوانی، نوافل اور عبادت واذکار میں ہمہ وقت مصروف رہتے ہیں۔ اسی طرح ہزاروں نادار، مستحقین اور مسافر بلا امتیاز کھانا کھاتے ہیں اور احاطۂ مزار میں آرام کرتے ہیں۔ دیکھا جائے تو ان ہزار سالوں میں یہاں ہزاروں شاہانِ وقت آئے، حکومت کی اور ختم ہو گئے۔ آج انہیں کوئی جانتا ہی نہیں۔ بعضوں نے تو قبروں پر بڑے عظیم الشان مقبرے بھی تعمیر کروائے مگر وہ ''مزار'' نہ بن سکے بلکہ عبرت کدے بن گئے۔ لوگ بھولے بسرے وہاں چلے بھی جائیں تو درودیوار کا تعمیری حسن دیکھ کر پلٹ آتے ہیں۔

اس کے برعکس اولیاء اللہ کے مزارات ایسے زندہ مقامات ہیں جہاں لوگ کشاں کشاں چلے آتے ہیں۔ یہاں ذکر واذکار، اوراد و وظائف، نوافل اور قرآن خوانی کا شبانہ روز سلسلہ ان اولیاء کرام کی اپنی عبادت وریاضت کا تسلسل محسوس ہوتا ہے۔ جسمانی اور روحانی بھوک پیاس مٹانے والوں کی یہاں قطاریں دکھائی دیتی ہیں۔ کونسی اشتہاری مہم ہے جو دور دراز سے زائرین کو ان مراکز کی طرف متوجہ کرتی ہے؟ ان کی اولادیں نہیں، ان سے کسی کا مالی مفاد وابستہ نہیں اور نہ حکومت وریاست کے وسائل اس ضمن میں میسر ہوتے ہیں۔ پھر اس مصروف مادی دور میں ان مزارات پر ہزارہا لوگوں کو دور و

نزدیک سے کون کھینچ لاتا ہے؟ وہ کونسی قوت اور رغبت ہے جو سردیوں گرمیوں میں مخلوقِ خدا کو یہاں اٹھا لاتی ہے؟

حقیقت یہ ہے کہ جس طرح روضۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی حاضری اور خانہ کعبہ کے طواف کے لئے سال کے بارہ مہینے اور دن رات کے چوبیس گھنٹے ان گنت مخلوق دنیا کے کونے کونے سے اُمڈتی چلی آتی ہے اور ہر آنے والا حرمین شریفین کے نورانی ماحول میں ایک باطنی مسرت اور اطمینان محسوس کرتا ہے، اسی طرح ان مزارات مقدسہ میں بھی قدرتی طور پر روحانی کشش اور جاذبیت ہے۔ یہ کششِ ان اہلِ اللہ کی اس محبت کے طفیل ہے جو زندگی بھر انہیں اللہ تعالیٰ سے قائم رہی۔ یہ اللہ تعالیٰ کے اِس فرمانِ ذیشان "فاذکرونی اذکرکم" کی عملی تفسیر ہے۔ اللہ ربّ العزت کے ہاں ان کے اس ذکر ومحبت کی قدر دانی ہے جو انہوں نے نہاں خانہ دِل میں بسائے رکھی۔ اخلاص ومحبت سے سینچا ہوا عبادتوں کا یہ شجر رحمتِ الٰہی کے ایسے ہی ثمرات دیتا ہے جس کے مظاہر ان اولیائے کرام کے مراکز پر دیکھے جا سکتے ہیں۔ بخاری شریف، کتاب التوحید کی ایک طویل حدیث مبارکہ کا مضمون بھی اسی روحانی مقناطیسیت کو واضح کر رہا ہے کہ "جب اللہ تعالیٰ کو اپنے کسی بندے سے محبت ہو جاتی ہے تو وہ چاہتا ہے کہ اس سے زمین وآسمان کی ساری مخلوق محبت کرے، چنانچہ جبرائیلؑ کے ذریعے اعلان کروایا جاتا ہے جس کے نتیجے میں ملائیکہ بھی ان سے محبت کرتے ہیں اور اہلِ زمین کے دلوں میں بھی ان کی محبت و عظمت الہام کر دی جاتی ہے۔"

چنانچہ اس حدیث کے مطابق اولیاء اللہ سے محبت کرنے والے اللہ تعالیٰ کی اس منشا اور رضا پر عمل پیرا ہوتے ہیں۔ اس حدیث صحیح سے یہ حقیقت بھی باآسانی سمجھ آجاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے انعام یافتہ بندوں سے محبت، ان کا ادب اور ان سے ملنے کی تڑپ اللہ تعالیٰ کی عطا اور خصوصی رحمت کا تحفہ ہے۔ جن لوگوں کے دلوں میں ان مقربین الوہیت کا ادب واحترام نہیں وہ اس رحمت ولطفِ ایزدی سے یقیناً محروم ہیں۔ اس محرومی پر اظہار

ندامت کی بجائے جولوگ اسے اپنا طرۂ امتیاز خیال کرتے ہیں وہ بخاری شریف، کتاب الرقاق کی ہی دوسری طویل حدیث قدسی کے مطابق اللہ تعالیٰ سے جنگ مول لے رہے ہوتے ہیں۔

حدیث مبارکہ کے چند الفاظ ہیں: ''جس نے میرے کسی بندہ خاص سے عداوت کی اس سے میں نے جنگ کا اعلان کر دیا۔''

آپ خود سوچ سکتے ہیں جن لوگوں سے اللہ تعالیٰ اعلانِ جنگ فرماتا ہے ان کا انجام دنیا و آخرت میں کیا ہوگا؟

حالیہ دہشت گردی کا اصل محرک تو بلاشبہ دشمنانِ دین اور مخالفین پاکستان ہیں لیکن جیسا کہ اب تک شواہد بتا رہے ہیں اس دین و وطن دشمنی کا آلہ کار بننے والے لوگ وہی ہیں جو عام حالات میں اولیاء اللہ سے عداوت رکھتے ہیں۔ مزارات پر حاضری کے عمل کو قبر پرستی اور زائرین کو مشرک و بدعتی بلکہ کافر و مرتد خیال کرتے ہیں۔

یاد رہے کہ حضرت علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کے مرقدِ منور کو قبل ازیں 1961ء میں بھی ایک بد بخت آگ لگا کر خاکستر کرنے کی کوشش کر چکا ہے۔ اس وقت کے روزنامہ پاکستان نے 26 دسمبر کی اشاعت میں ایک تفصیلی رپورٹ شائع کی۔ عینی شاہدین کے مطابق عبدالقادر نامی بد بخت شخص نے پہلے قلمی اشتہارات احاطہ دربار میں لگائے۔ بعدازاں اسی روز رات تین بجے جب زائرین محوِ استراحت تھے، اس نے قالینوں پر مٹی کا تیل چھڑک کر اور تیل میں چادریں بھگو کر قبرِ انور اور مزار کو آگ لگانے کی کوشش کی مگر آگ لگانے کی کوشش کے دوران ہی پکڑا گیا۔

مروّت اور امن بقائے باہمی کی کاوشیں اپنی جگہ اہم ہیں اور انہیں جاری رہنا چاہئے لیکن دہشت گردی کی فیکٹریاں جب تک خام مال پیدا کرنا بند نہیں کریں گی، یہاں امن قائم کرنے کا خواب حقیقی تعبیر سے محروم رہے گا۔ حضور داتا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے احاطۂ مزار میں خودکش حملوں کی پوری دنیا میں مذمت کی گئی اور آج بھی یہ سلسلہ

جاری ہے۔ اپنے پرائے سب تسلیم کررہے ہیں کہ یہ کارروائی کوئی مسلمان نہیں کرسکتا۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ دو سال قبل سوات میں جن لوگوں نے پیر سمیع اللہ قادری رحمۃ اللہ علیہ سمیت مخالفین کی قبروں سے لاشے نکال کر درختوں سے لٹکائے، پشاور کے قریب رحمان بابا کا معروف مزار، بارود سے اڑایا اور اسی طرح کے واقعات کا سلسلہ آج بھی خیبر پختونخواہ میں جاری ہے اس کے پیچھے کونسی غیر ملکی طاقت کارفرما ہے؟

کیا ہمارے دینی مدارس میں اور جامعات میں وہ اساتذہ بھی ان غیر ملکی قوتوں کے آلہ کار ہیں جو صبح و شام لاکھوں طلباء کو مسلمانوں پر شرک و بدعت اور کفر کے فتوے چسپاں کرنے کا درس دے رہے ہیں؟ اس لئے حکومت اور تحقیقاتی ایجنسیوں سمیت مقتدر علماء و مشائخ کی خدمت میں گزارش ہے کہ دہشت گردی کو فکری اور اعتقادی غذا فراہم کرنے والی زبانوں اور ہاتھوں کو روکنے کی سبیل پیدا کریں۔ دین کے مراکز ہی اگر دین کے مفاہیم کو بگاڑ کر پیش کریں گے تو دین میں سلامتی اور امن کہاں سے آئے گا؟ قرآن و حدیث پڑھانے والے اگر کلمہ گو لوگوں کو کافر قرار دیں گے تو غیر مسلم اسلام کے دامن میں کیسے عافیت محسوس کریں گے؟



سانحۂ داتاؒ دربار کے خلاف سنّی اتحاد کونسل اور دوسری سنّی تنظیموں کی احتجاجی تحریک

(ایک مختصر جائزہ)

مرتبین: مفتی ظفر جبار چشتی۔محمد نواز کھرل

☆ سانحۂ داتاؒ دربار کے تین روز بعد 4 جولائی 2010ء کو وزیرِاعلیٰ پنجاب میاں شہباز شریف نے سنّی اتحاد کونسل کے قائدین کو وزیرِاعلیٰ ہاؤس میں ملاقات اور مذاکرات کی دعوت دی۔ لیکن اہلسنّت قائدین نے وزیرِاعلیٰ ہاؤس جانے سے انکار کر دیا۔ جس پر وزیرِاعلیٰ پنجاب نے داتاؒ دربار آ کر سنّی اتحاد کونسل کے پچاس رکنی نمائندہ وفد سے تفصیلی مذاکرات کیے۔ سماع ہال میں ہونے والی اس ملاقات کے دوران صاحبزادہ حاجی محمد فضل کریم نے سنّی اتحاد کونسل کی طرف سے 23 نکاتی چارٹر آف ڈیمانڈ وزیرِاعلیٰ کو پیش کیا اور اعلان کیا کہ داتاؒ دربار پر دہشت گردی کرنے والے ملزمان کی گرفتاری اور مطالبات کی منظوری تک تحریک جاری رہے گی۔ مذاکرات میں شرکت کرنے والی نمایاں شخصیات صاحبزادہ حاجی فضل کریم کے علاوہ حاجی حنیف طیب، علامہ سیّد حسین الدین شاہ، پیر محمد افضل قادری، پیر سیّد محمد حبیب عرفانی، پیر سیّد محمد اقبال شاہ، پیر سیّد محمد صفدر شاہ گیلانی، خواجہ غلام قطب الدین فریدی، علامہ احمد علی قصوری، پیر سیّد محفوظ مشہدی، صاحبزادہ محب اللہ نوری، ڈاکٹر کرنل محمد سرفراز سیفی، شاداب رضا نقشبندی، ڈاکٹر راغب حسین نعیمی، مفتی محمد اقبال چشتی، میاں خالد حبیب الٰہی ایڈووکیٹ، محمد نواز کھرل، مفتی فضل الرحمٰن اوکاڑوی، صاحبزادہ حافظ حامد رضا، پیر میاں محمد حنفی سیفی، پیر طارق ولی، علامہ

عبدالتواب صدیقی' ڈاکٹر نجیب اللہ' مولانا نواز بشیر جلالی' معین الحق علوی' صاحبزادہ سیّد شاہد گردیزی' مولانا مجاہد عبدالرسول' پیر مفتی عابد حسین سیفی' مفتی محمد عمران' زاہد حبیب قادری' صاحبزادہ سیّد مختار اشرف رضوی' مولانا غلام محمد سیالوی، مفتی محمد خان قادری، صاحبزادہ رضائے مصطفیٰ نقشبندی، پیر محمد اطہر القادری، مولانا محمد علی نقشبندی، صاجبزداہ غلام مرتضیٰ شاذی، پیر سیّد محمد اجمل شاہ گیلانی' مفتی ظفر جبار چشتی اور محمد ضیاء الحق نقشبندی شامل تھے۔ مذاکرات مسلسل کئی گھنٹے جاری رہنے کے بعد رات ایک بجے ختم ہوئے۔

☆شہداء داتا دربار کے ختم قل کے موقع پر 8 جولائی 2010ء کو داتا دربار کے سماع ہال میں ''علماء و مشائخ کنونشن'' منعقد کیا گیا جس میں ملک بھر سے ہزاروں علماء اور سجادہ نشین حضرات نے شرکت کی۔ کنونشن کی صدارت سنّی اتحاد کونسل کے چیئرمین صاحبزادہ حاجی محمد فضل کریم کی۔ کنونشن کے مقررین میں حاجی حنیف طیب، صاحبزادہ ارشد سعید کاظمی، پیر محمد افضل قادری، ثروت اعجاز قادری، علامہ ڈاکٹر محمد اشرف آصف جلالی، ڈاکٹر راغب حسین نعیمی، صاحبزادہ حافظ حامد رضا، پیر سیّد محمد حبیب عرفانی، پیر میاں محمد حنفی سیفی، خواجہ غلام قطب الدین فریدی مفتی محمد اقبال چشتی، پیر سیّد محفوظ مشہدی، مفتی فضل الرحمٰن اوکاڑوی، پیر سیّد محمد اقبال شاہ، پیر خالد سلطان قادری، صاحبزادہ سیّد شاہد گردیزی' صاحبزادہ نعیم عارف نوری' مفتی ظفر جبار چشتی اور دیگر شامل تھے۔ سٹیج سکرٹری کے فرائض پیر سیّد محمد صفدر شاہ گیلانی، مولانا نواز بشیر جلالی اور محمد نواز کھرل نے سرانجام دیئے۔

☆سانحۂ داتا دربار کے خلاف 12۔ جولائی 2010ء کو جامعہ فاطمیہ تعلیم القرآن کیرج شاپ مغل پورہ لاہور میں پیر سیّد عابد حسین گردیزی کی زیر صدارت احتجاجی جلسہ منعقد کیا گیا۔

☆سنی اتحاد کونسل کے زیر اہتمام 13۔ جولائی کو جامعہ رضویہ فیصل آباد میں صاحبزادہ حاجی محمد فضل کریم کی زیر صدارت ''علماء و مشائخ کنونشن'' ہوا جبکہ اسی روز لاہور پریس کلب میں تحفظِ ناموسِ رسالت محاذ کا احتجاجی کنونشن ہوا۔

☆عالمی تنظیم اہلسنّت کے زیر اہتمام سانحۂ داتاؒ دربار کے خلاف 14 جولائی کو اسلام آباد میں سپر مارکیٹ سے پارلیمنٹ ہاؤس تک ریلی نکالی گئی جس کی قیادت صاحبزادہ حاجی محمد فضل کریم، پیر محمد افضل قادری، حاجی حنیف طیب، پیر سیّد صفدر شاہ گیلانی، صاحبزادہ سیّد مختار رضوی، زاہد حبیب قادری، محمد نواز کھرل، علامہ ضیاء اللہ رضوی، صاحبزادہ سیّد شاہد حسین گردیزی نے کی۔

☆سانحۂ داتاؒ دربار پر صدائے احتجاج بلند کرنے کے لئے 18 جولائی 2010ء کو عظیم روحانی خانقاہ سندر شریف (لاہور) میں مشائخ کنونشن منعقد ہوا۔ اس کنونشن میں پیر سیّد محمد حبیب عرفانی کی دعوت پر ملک بھر سے معروف گدی نشینوں نے بھرپور شرکت کی جبکہ سنّی اتحاد کونسل کے چیئرمین صاحبزادہ حاجی محمد فضل کریم نے خصوصی خطاب کیا۔

☆22 جولائی 2010ء کو لاہور میں سنّی اتحاد کونسل کا سربراہی اجلاس منعقد ہوا جبکہ اگلے روز 23 جولائی کو لاہور پریس کلب میں صاحبزادہ حاجی محمد فضل کریم اور دوسرے راہنماؤں نے پریس کانفرنس سے خطاب کیا۔

☆ 25 جولائی 2010ء کو جامعہ شیخ الاسلام سبزہ زار میں احتجاجی جلسہ منعقد ہوا۔ جس سے علامہ خادم حسین رضوی، صاحبزادہ رضائے مصطفیٰ، پروفیسر محمد احمد اعوان، مفتی محمد اقبال چشتی، محمد نواز کھرل، مولانا محمد علی نقشبندی، پیر محمد اطہر القادری، صاحبزادہ

نعیم عارف نوری، علامہ ضیاء اللہ رضوی، صاحبزادہ وسیم الحسن نقوی نے خطاب کیا۔

☆26 جولائی 2010ء کو سنّی اتحاد کونسل شمالی لاہور کے زیر اہتمام جامعہ محمدیہ راوی روڈ لاہور میں احتجاجی کنونشن منعقد ہوا۔ جس سے پیر سیّد محمد محفوظ مشہدی، سردار محمد خان لغاری، پیر سیّد محمد صفدر شاہ گیلانی، پیر سیّد محمد اجمل شاہ گیلانی، پیر خادم حسین شرقپوری، مولانا منیر احمد نعمانی، محمد نواز کھرل، مفتی محمد اقبال چشتی، قاری نصیر احمد اور دوسرے راہنماؤں نے خطاب کیا۔ کنونشن سے سنّی اتحاد کونسل کے چیئرمین صاحبزادہ حاجی محمد فضل کریم نے ٹیلیفونک خطاب کیا۔

☆سنی اتحاد کونسل کے چیئرمین صاحبزادہ حاجی محمد فضل کریم نے 27 جولائی 2010ء کو علی پور شریف میں حضرت پیر سیّد علی حسین شاہ نقشِ لاثانیؒ کے سالانہ عرس کے ہزاروں شرکاء کے بڑے اجتماع میں سانحہ داتا دربار کے موضوع پر تقریر کی جبکہ علی پور شریف جاتے ہوئے نارنگ منڈی اور دوسرے درجنوں مقامات پر بھی احتجاجی اجتماعات سے خطاب کیا۔ اس دورہ کے دوران پیر سیّد محمد اجمل شاہ گیلانی اور محمد نواز کھرل بھی صاحبزادہ فضل کریم کے ہمراہ تھے۔

☆سنی اتحاد کونسل کے چیئرمین صاحبزادہ حاجی محمد فضل کریم نے 28 جولائی کو نارووال میں سانحہ داتا دربار کے خلاف ہونے والے بڑے احتجاجی کنونشن سے خطاب کیا۔ کنونشن سے پیر سیّد کرامت علی حسین شاہ، پیر سیّد منظر حسین شاہ جماعتی، پیر سیّد اظہر الحسن شاہ، پیر سیّد محمد محفوظ مشہدی، مفتی محمد اقبال چشتی، علامہ قاضی محمد یعقوب رضوی، محمد نواز کھرل، پیر سیّد محمد اجمل شاہ گیلانی نے بھی خطاب کیا۔

☆28 جولائی 2010ء کو سنی اتحاد کونسل کے چیئرمین صاحبزادہ حاجی محمد فضل کریم نے ڈسکہ اور پسرور میں احتجاجی اجتماعات سے خطاب کیا۔ اور اسی روز بعد نماز

عشاء جامعہ زینۃ المساجد گوجرانوالہ میں احتجاجی اجتماع سے خطاب کیا۔ اجتماع کی صدارت حضرت ابو داؤد حاجی محمد صادق نے کی۔ ڈسکہ، پسرور اور گوجرانوالہ کے ان اجتماعات سے پیر سیّد محمد محفوظ مشہدی، مفتی محمد اقبال چشتی، محمد نواز کھرل اور پیر سیّد محمد اجمل شاہ گیلانی نے بھی خطاب کیا۔

☆ جماعت اہلسنّت کے زیر اہتمام سانحۂ داتاؒ دربار کے خلاف 30 جولائی 2010ء کو ناصر باغ لاہور سے داتا دربار تک مرکزی ناظم اعلیٰ علامہ سیّد ریاض حسین شاہ کی زیر قیادت عظمت داتا گنج بخش ریلی منعقد کی گئی۔ ریلی میں ہزاروں افراد نے شرکت کی۔ ریلی سے خطاب کرنے والوں میں مفتی محمد اقبال چشتی، پیر سیّد شمس الدین بخاری، پیروفیسر عبدالعزیز نیازی، محمد نواز کھرل، مولانا محمد علی نقشبندی شامل تھے۔

☆ جماعت اہلسنّت کے زیر اہتمام سانحۂ داتاؒ دربار پر احتجاج کے لئے جولائی 2010ء کے دوران لاہور میں 20، عظمت داتا گنج بخش کانفرنسیں منعقد ہوئیں۔ یہ کانفرنسیں جامع مسجد جمعیت القریش لٹن روڈ جامع مسجد سوڈیوال، گوالمنڈی، شاہدرہ اور دوسرے مقامات پر منعقد کی گئیں۔

☆ سنی اتحاد کونسل کے چیئرمین صاحبزادہ حاجی محمد فضل کریم نے 3 اگست 2010ء کو قصور اور شیخوپورہ میں احتجاجی اجتماعات سے خطاب کیا۔ دورہ کے دوران پیر سیّد محفوظ مشہدی پیر سیّد صفدر شاہ گیلانی، صاحبزادہ غلام مرتضےٰ شاذی بھی صاحبزادہ فضل کریم کے ہمراہ تھے۔

☆ تحفظ ناموسِ رسالت محاذ کے زیر اہتمام 5 اگست 2010ء کو صبح 11 بجے داتاؒ دربار سے ''عظمت داتا علی ہجویری کاروان'' کا آغاز کیا گیا۔ کاروان میں سینکڑوں کاریں، بسیں اور موٹر سائیکلیں شامل تھیں۔ کاروان داتاؒ دربار سے شروع ہو کر مینار

پاکستان بادامی باغ، ریلوے اسٹیشن، گڑھی شاہو، پریس کلب ڈیوس روڈ اور گورنر ہاؤس سے ہوتا ہوا اسمبلی ہال چوک پہنچا۔ جہاں پر صاحبزادہ حاجی محمد فضل کریم اور ادارہ صراطِ مستقیم کے بانی علامہ ڈاکٹر محمد اشرف آصف جلالی نے خطاب کیا۔ بعدازاں کاروان مال روڈ اور کچہری چوک سے گزر کر داتا دربار پہنچ کر ختم ہو گیا۔ کاروان کی قیادت کرنے والوں میں صاحبزادہ رضائے مصطفیٰ نقشبندی، مولانا محمد علی نقشبندی، پیر محمد اطہر القادری، شاداب رضا نقشبندی، پیر سید محمد صفدر شاہ گیلانی' پیر شفیق کیلانی، علامہ نعیم جاوید نوری، مولانا نواز بشیر جلالی، محمد نواز کھرل، مفتی محمد حبیب قادری' صاحبزادہ نعیم عارف نوری، مفتی مسعودالرحمٰن، مولانا مجاہد عبدالرسول، محمد ضیاءالحق نقشبندی شامل تھے۔

☆6 اگست 2010ء کو سنی اتحاد کونسل کا سربراہی اجلاس سندر شریف لاہور میں صاحبزادہ حاجی محمد فضل کریم کی زیرِ صدارت منعقد ہوا۔ اجلاس میں علامہ سید ریاض حسین شاہ، حاجی حنیف طیب، پیر محمد افضل قادری، ثروت اعجاز قادری، پیر سید محمد صفدر شاہ گیلانی، پیر سید محمد اقبال شاہ، مفتی فضل الرحمٰن اوکاڑوی، پیر محمد اطہر القادری، میاں خالد حبیب الٰہی ایڈووکیٹ نے شرکت کی۔

☆7 اگست 2010ء کو سنی اتحاد کونسل کے چیئرمین صاحبزادہ حاجی محمد فضل کریم نے علامہ سید ریاض حسین شاہ، پیر محمد افضل قادری، حاجی حنیف طیب، ثروت اعجاز قادری اور دوسرے راہنماؤں کے ہمراہ ایمبیسیڈر ہوٹل لاہور میں ہنگامی پریس کانفرنس سے خطاب کیا اور اعلان کیا کہ 8۔ اگست کو شہدائے داتاؒ دربار کے چہلم کے موقع پر ہونے والی ''قومی کانفرنس'' ہر حال میں منعقد کریں گے اور حکومتی رکاوٹیں پاش پاش کر دیں گے۔

☆8۔ اگست 2010ء کو شہدائے داتاؒ دربار کے چہلم کے موقع پر سنی اتحاد کونسل

کے زیر اہتمام داتا دربار کے سامنے کھلے چوک میں عظیم الشان قومی امن کانفرنس، منعقد کی گئی۔ اس تاریخی اجتماع میں بلاشبہ داتا علی ہجویری کے لاکھوں دیوانوں نے پر جوش شرکت کی۔ کانفرنس کی صدارت سنی اتحاد کونسل کے چیرمین صاحبزادہ حاجی محمد فضل کریم نے کی جبکہ مقررین میں حاجی حنیف طیب، صاحبزادہ سیّد مظہر سعید کاظمی، علامہ سیّد ریاض حسین شاہ، پیر محمد افضل قادری، ثروت اعجاز قادری، پیر دیوان آل سیدی، پیر سیّد محمد محفوظ مشہدی، پیر سیّد عظمت علی شاہ، علامہ ڈاکٹر محمد اشرف آصف جلالی، صاحبزادہ سلطان فیاض الحسن قادری، پیر خالد سلطان قادری، پیر سیّد محمد حبیب عرفانی، پیر سیّد محمد صفدر شاہ گیلانی، مفتی فضل الرحمٰن اوکاڑوی، پیر احمد سعید یار سیفی، پیر سیّد محمد اقبال شاہ، صاحبزادہ غلام مرتضٰی شاذی، طارق محبوب، صاحبزادہ نعیم عارف نوری، علامہ فدا حسین شاہ حافظ آبادی شامل تھے۔ سٹیج سیکرٹری کے فرائض مفتی محمد اقبال چشتی، محمد نواز کھرل، پیر سیّد محمد اجمل شاہ گیلانی اور مولانا نواز بشیر جلالی نے سرانجام دیئے۔ اس تاریخی کانفرنس میں پیر سیّد کرامت علی شاہ، خواجہ فقیر محمد باروی، پیر سردار عالم، پیر سیّد ظفر اقبال شاہ، مولانا غلام محمد سیالوی، مولانا وزیر القادری، پیر محمد اطہر القادری، خواجہ غلام قطب الدین فریدی، پیر سیّد منظر حسین شاہ جماعتی، پیر سیّد انتصار الحسن شاہ، پیر سیّد احمد کمال، پیر طارق ولی، علامہ رفیق احمد شاہ جمالی، پیر محمد مظہر فرید شاہ، مفتی محمد افضل باجوہ، مفتی سعادت علی قادری، پیر سیّد شمس الدین بخاری، پیر خادم حسین شرقپوری، مفتی سیّد مزمل حسین شاہ، صاحبزادہ داؤد رضوی، مولانا محمد اکبر نقشبندی، علامہ خادم حسین رضوی، مفتی محمد حسیب قادری، پیر سیّد عابد حسین گردیزی، پیر ضیاء المصطفٰی حقانی، علامہ قاری خالد محمود، علامہ قاضی محمد یعقوب رضوی نے خصوصی طور پر شرکت کی۔

☆ سنی اتحاد کونسل کے زیر اہتمام دربار حضرت داتا گنج بخشؒ پر ہونے والی دہشت گردی کے خلاف عالمی سطح پر صدائے احتجاج بلند کرنے کے لئے 17 اکتوبر

2010ء کو کنونشن سنٹر اسلام آباد میں "انٹرنیشنل علماء ومشائخ امن کنونشن" منعقد کیا گیا۔ اس تاریخی کنونشن کی صدارت قائد اہلسنّت صاحبزادہ حاجی محمد فضل کریم نے کی جبکہ مقررین میں صاحبزادہ سیّد مظہر سعید کاظمی، علامہ سیّد ریاض حسین شاہ، حاجی محمد حنیف طیب، پیر محمد افضل قادری، ثروت اعجاز قادری، پیر نقیب الرحمٰن، علامہ کوکب نورانی اوکاڑوی، پیر سیّد محمد حبیب عرفانی، پیر ڈاکٹر کرنل محمد سرفراز سیفی، ڈاکٹر راغب حسین نعیمی، مفتی فضل الرحمٰن اوکاڑوی، عبدالرزاق ساجد، پیر سیّد محمد محفوظ مشہدی اور پیر محمد اطہر القادری اور پیر سیّد محمد اقبال شاہ دوسرے علماء ومشائخ شامل تھے۔ کنونشن میں پاکستان کے علاوہ بیرون ممالک سے بھی علماء ومشائخ نے کثیر تعداد میں شرکت کی۔ کنونشن کی نظامت کے فرائض سنّی اتحاد کونسل کے چیف آرگنائزر پیر سیّد محمد صفدر شاہ گیلانی نے سرانجام دیئے۔

☆ تحفظ ناموسِ رسالت محاذ کے زیرِ اہتمام مزاراتِ اولیاء پر خودکش دھماکوں کے خلاف یکم نومبر 2010ء کو داتا دربار سے وزیرِ اعلیٰ ہاؤس تک "تحفظِ مزاراتِ اولیاء ریلی" کا اہتمام کیا گیا۔ اس ریلی کی قیادت صاحبزادہ رضائے مصطفیٰ نقشبندی، علامہ ڈاکٹر محمد اشرف آصف جلالی، پیر محمد اطہر القادری، ڈاکٹر راغب حسین نعیمی، مولانا محمد علی نقشبندی، محمد ضیاء الحق نقشبندی نے کی۔ ریلی کے اختتام پر احتجاجی دھرنا بھی دیا گیا۔

☆ سنی اتحاد کونسل کے زیرِ اہتمام مزاراتِ اولیاء پر ہونے والے خودکش حملوں کے خلاف 27 نومبر 2010ء کو دربار حضرت امام بری اسلام آباد سے دربار حضرت داتا گنج بخشؒ لاہور تک صاحبزادہ حاجی محمد فضل کریم کی زیرِ قیادت تاریخی "پاکستان بچاؤ لانگ مارچ" کیا گیا۔ اِس تاریخ ساز لانگ مارچ کو روکنے کے لئے پنجاب حکومت نے ریاستی طاقت کا اندھا استعمال کیا۔ لانگ مارچ سے قبل بدترین کریک ڈاؤن کر کے ہزاروں علماء ومشائخ کو گرفتار کرلیا گیا جبکہ 27 نومبر کو لانگ مارچ کے بڑے قافلے کو راولپنڈی میں سواں پل پر کنٹینر کھڑے کر کے روک دیا اور شرکاء پر شدید لاٹھی چارج اور

شیلنگ کی گئی لیکن لانگ مارچ کے شرکاء نے اپنے عظیم قائد صاحبزادہ حاجی محمد فضل کریم کی قیادت میں ساری رات سڑک پر دھرنا جاری رکھا اور اگلی صبح حکومت راستے کھول دینے پر مجبور ہوگئی۔ لانگ مارچ کا قافلہ گوجرخان' دینہ' جہلم' سرائے عالمگیر' کھاریاں' لالہ موسیٰ' گجرات' وزیر آباد' گوجرانوالہ' کامونکی اور مریدکے سے ہوتا ہوا 28 نومبر کو رات 12 بجے داتا دربار پہنچا۔ اس موقع پر داتا دربار کے سامنے بڑا جلسہ منعقد ہوا' جس میں سنی اتحاد کونسل کے چیئرمین صاحبزادہ حاجی محمد فضل کریم کے علاوہ پیر محمد افضل قادری' ثروت اعجاز قادری' طارق محبوب' پیر سیّد محمد محفوظ مشہدی' ڈاکٹر راغب حسین نعیمی' پیر سیّد محمد صفدر شاہ گیلانی' مفتی فضل الرحمٰن اوکاڑوی' پیر میاں محمد حنفی سیفی' پیر محمد اطہر القادری' پیر سیّد محمد اقبال شاہ' مولانا محمد علی نقشبندی' پیر ضیاء المصطفیٰ حقانی' صاحبزادہ نعیم عارف نوری' محمد ضیاء الحق نقشبندی' مفتی محمد حسیب قادری' علامہ نعیم جاوید نوری نے خطاب کیا۔

☆ تحفظ ناموسِ رسالت محاذ کے زیر اہتمام سانحہ داتا دربار کے خلاف مسلسل ایک ماہ تک ہر روز داتا دربار چوک میں صاحبزادہ رضائے مصطفیٰ نقشبندی اور مولانا محمد علی نقشبندی کی قیادت میں احتجاجی مظاہرہ کیا جاتا رہا۔ اس مظاہرہ میں پیر محمد اطہر القادری' مفتی مسعود الرحمٰن' محمد ضیاء الحق نقشبندی بھی شریک ہوتے رہے۔

سانحۂ داتاؒ دربار کے موقع پر

وزیراعلیٰ پنجاب سے سنّی اتحاد کونسل کے مطالبات

مرتبہ: محمد نواز کھرل

☆ حضور داتا گنج بخشؒ برصغیر پاک و ہند کی سب سے بڑی روحانی ہستی ہیں۔ ان کی درگاہ پر پیش آنے والا سانحہ ایک ہزار سال سے زائد تاریخ میں پہلا اور انتہائی غیر معمولی واقعہ ہے۔ پچھلے ہزار سالوں میں تاریخ نے مختلف بحران دیکھے۔ اسلام پر ابتلا کا دور بھی آیا لیکن کسی غیر مسلم حکمران حتیٰ کہ رنجیت سنگھ کے دور میں بھی کسی بدبخت نے ایسی جسارت نہیں کی۔ یہ افسوس ناک اور دلخراش واقعہ آپ کے دور حکومت میں ہوا لیکن اس کو انتہائی معمولی واقعہ کی حیثیت دی گئی جو قابلِ افسوس ہی نہیں قابلِ مذمت بھی ہے۔ اس واقعہ کے ذمہ داروں کو فوری طور پر قرار واقعی سزا دینے کی ضرورت ہے۔ اس سے نہ صرف داتا حضور کے عقیدتمندوں کی دلجوئی ہوگی بلکہ شاید ہم عذاب الٰہی سے بھی بچ سکیں۔ اس واقعہ کے ذمہ دار دو طرح کے افراد ہیں۔ ایک وہ جنہوں نے یہ قبیح فعل سرانجام دیا اور خودکش حملہ کرنے والوں کی معاونت کی۔ خودکش حملہ کرنے والے تو واصل جہنم ہو گئے مگر ان کو پناہ دینے والے اور ان کو ٹارگٹ تک پہنچانے والوں کو عبرت ناک سزا دینا باقی ہے۔ ایسے چہروں کو بے نقاب کیا جائے اور قانونی تقاضے پورے کر کے ان کو بھاٹی چوک میں سرعام پھانسی دی جائے تاکہ دوسرے وطن دشمنوں کیلئے وہ عبرت کا نشان بن سکیں۔ دوسرے افراد سرکاری اہلکاران ہیں جن کے ذمہ حضور داتا گنج بخشؒ کی سکیورٹی کی ذمہ داری تھی۔ جیو نیوز کی رپورٹ کے مطابق 24 جون 2010ء اور یکم

جولائی کو سپیشل برانچ اور آئی بی نے داتا دربار پر حملہ کی پیشگی اطلاع دی تھی لیکن پیشگی اطلاعات کے باوجود داتا دربار کے سکیورٹی انتظامات کو موثر نہیں کیا۔اس کے ذمہ دار جو بھی آفیسران ہیں ان کیخلاف تادیبی کارروائی کی جائے کیونکہ انہوں نے دہشتگردوں کی واضح دھمکیوں کی اطلاعات کے باوجود اپنی ذمہ داریاں پوری نہیں کیں اور مجرمانہ غفلت کے مرتکب ہوئے ہیں۔لہٰذا انہیں فوری طور پر ان کے عہدوں سے برطرف کیا جائے اور ان کے ماتحت عملہ کی سانحہ کے حوالہ سے ذمہ داریوں کا تعین کر کے ان کو بھی سزا دی جائے۔

☆ صوبائی وزیر قانون رانا ثناءاللہ کا غیر سنجیدہ رویہ حکومت کی بدنامی کا باعث بن رہا ہے۔ان کے کالعدم تنظیموں کے سابقہ عہدیداران سے روابط بھی کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں رہی اور سانحہ داتا دربار کے حوالے سے بھی انہوں نے غیر سنجیدہ رویہ اپناتے ہوئے ہمارے علماء کی کردار کشی کرنے کی کوشش کی ہے۔لہٰذا ہمارا مطالبہ ہے کہ انہیں وزارت قانون کے منصب سے برطرف کیا جائے۔

☆ صوبہ پنجاب میں دہشتگردی سے نبٹنے کیلئے کرائسز مینجمنٹ اتھارٹی یا اینٹی ٹیریزم اتھارٹی کے نام سے ایک خودمختار ادارہ تشکیل دیا جائے اور اس میں نظریہ پاکستان اور دین اور بزرگانِ دین کی تعلیمات سے کمٹمنٹ رکھنے والے افراد کا تعین کر کے انہیں فری ہینڈ دیا جائے۔

☆ دہشتگردی کی روک تھام کیلئے صوبہ میں بلاتخصیص تمام مدارس اور مشکوک اداروں پر بغیر وارننگ کریک ڈاؤن کیا جائے اور ناجائز اسلحہ پکڑا جائے۔کسی دہشتگرد کا اگر کسی مدرسے، ادارے یا شخصیت سے تعلق ثابت ہو جائے تو اسے بھی دہشتگرد کا معاون قرار دے کر سخت سے سخت سزا دی جائے۔دہشتگرد کو پناہ دینے، مدد کرنے اور اس کی رہنمائی کرنے والے وطن دشمن افراد کو بھی دہشتگرد قرار دے کر سزا دلوائی جائے۔

☆ انٹیلی جنس اداروں کے ذریعے اس امر کا کھوج لگایا جائے کہ دربار حضرت گنج

بخش" پر خودکش حملے کرنیوالے لاہور میں کہاں ٹھہرے اور کن افراد نے انہیں لاجسٹک سپورٹ فراہم کی۔

☆ داتا دربار رحمۃ اللہ علیہ کے سکیورٹی نظام سے وابستہ تمام افراد کے علاوہ اوقاف کے عملہ اور انتظامیہ کی کڑی سکروٹنی کروائی جائے اور داتا دربار کے پورے نظام میں صرف اور صرف حضرت داتا علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ سے نظریاتی وفکری وابستگی رکھنے والے افراد کو شامل کیا جائے۔

☆ پنجاب بھر کے روحانی آستانوں، اہلسنّت کے مدارس، مراکز اور اہم شخصیات کی فول پروف سکیورٹی کا بندوبست کیا جائے۔

☆ حکومتی ڈھانچے میں ہر سطح پر دہشتگردوں اور کالعدم تنظیموں کے مخبروں، حامیوں اور سرپرستوں کو ان کے حکومتی منصبوں سے برطرف کر کے ان کیخلاف سخت ترین کارروائی کی جائے۔

☆ حکومتی سطح پر صوبائی، ڈویژنل اور ضلعی امن کمیٹیوں سمیت تمام سرکاری کمیٹیوں سے کالعدم تنظیموں کے افراد کو نکالا جائے۔

☆ کالعدم تنظیموں کو نئے ناموں سے کام کرنے سے روکا جائے۔ ان کے نیٹ ورک کو توڑا جائے اور ان کے قائدین کو قانون کی گرفت میں لایا جائے۔

☆ مناسب پراسیکیوشن نہ ہونے کی وجہ سے گرفتار دہشتگرد عدالتوں سے رہا ہو جاتے ہیں۔ اس غفلت، سردمہری اور غیر ذمہ دارانہ طرز عمل کو ترک کر کے گرفتار دہشتگردوں کو سزائیں دلوانے کیلئے تفتیشی نظام کو موثر بنایا جائے۔ آخر کیا وجہ ہے کہ بے شمار دہشتگردوں کے ٹی وی چینلز پر اعترافی بیانات کے باوجود آج تک کسی بھی مجرم کو سزا نہیں مل سکی۔ قوم دہشتگردوں کو پھانسی پر لٹکتے دیکھنا چاہتی ہے۔

☆ شہید پاکستان ڈاکٹر محمد سرفراز نعیمی شہید کے قاتلوں کی عدم گرفتاری لمحۂ فکریہ ہے۔ اس سانحہ پر حکومت کی سردمہری افسوسناک ہے۔ ڈاکٹر سرفراز نعیمی شہید کے قاتلوں

اور ان کو سپورٹ کرنے والوں کو فی الفور گرفتار کیا جائے اور اس سلسلہ میں ہونیوالی تحقیقات سے قائدین اہلسنت کو مسلسل آگاہ رکھا جائے۔

☆ دہشتگردی میں ملوث مخصوص مکتبۂ فکر کے مراکز اور مدارس میں بغیر اعلان کے اچانک گرینڈ آپریشن کیا جائے۔

☆ رائیونڈ میں تبلیغی جماعت کے مرکز میں دہشتگرد تبلیغی قافلوں کی آڑ میں ٹھہرتے ہیں اور تبلیغی جماعت کے سالانہ اجتماع کے دوران دہشتگردوں کو آمدورفت کی سہولت ملتی ہے اس لئے دہشتگردی کے ناسور کے خاتمے تک تبلیغی جماعت کا مرکز بند کر کے ان کے سالانہ اجتماع پر پابندی عائد کی جائے۔

☆ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام اہلِ بیت اطہار اور بزرگانِ دین کی گستاخیوں پر مشتمل کتابیں اور دوسرا منفی، زہر آلود اور فرقہ وارانہ لٹریچر ضبط کر کے اس کی آئندہ اشاعت پر پابندی لگائی جائے۔

☆ افغان جہاد کے دوران باقاعدہ عسکری ٹریننگ لینے والوں کی فہرستیں بنا کر ان پر کڑی نگاہ رکھی جائے اور انہیں تھانوں میں روزانہ حاضری کا پابند بنایا جائے۔

☆ سانحہ داتا دربار کی تمام تر تحقیقات سے لحہ بہ لحہ سنّی اتحاد کونسل کی قیادت کو آگاہ رکھا جائے۔

☆ مسلم لیگ (ن) فرینڈلی اپوزیشن کی بجائے حقیقی اپوزیشن کا کردار ادا کرتے ہوئے وفاقی حکومت پر دباؤ ڈالے کہ وہ امریکہ نواز خارجہ پالیسی کو تبدیل کرے اور ڈرون حملوں کی روک تھام کیلئے موثر اقدامات اٹھائے۔

☆ پنجاب حکومت نے نئے تعلیمی نظام کے تحت سکولوں میں انگریزی کو لازمی قرار دے دیا ہے اور عربی کی لازمی حیثیت کو ختم کیا ہے جو افسوسناک ہے، لہٰذا انگریزی کے ساتھ عربی کی لازمی حیثیت کو برقرار رکھا جائے۔

☆ جماعت الدعوۃ کے نام سے پنجاب حکومت کی تحویل میں لئے گئے تعلیمی

اداروں کا نام اور نصاب تبدیل کیا جائے اور ان اداروں میں غیر جانبدار اور غیر متعصب عملہ تعینات کیا جائے۔

☆ مذہبی منافرت پر مبنی لٹریچر شائع کرنے اور تحریر کرنیوالے افراد کو بھی دہشتگردی کے زمرے میں لایا جائے۔ ایسے اداروں کو سیل کیا جائے۔ ایسا لٹریچر لکھنے والے افراد کو گرفتار کیا جائے اور لٹریچر کو تلف کیا جائے۔

☆ کالعدم جماعۃ الدعوۃ اور لشکر طیبہ کے سرکاری تحویل میں لیے گئے اداروں کا نام تبدیل کیا جائے اور ان اداروں کیلئے مختص گرانٹ کو جماعۃ الدعوۃ کے نام سے منسوب نہ کیا جائے۔ اس سے غلط فہمی پیدا ہوتی ہے۔ (4 جولائی 2010ء)

☆☆☆☆

رات کے عفریت

زاہدہ حنا

کالم لکھا جا چکا تھا جب خبر آئی کہ داتاؒ دربار کو خون سے نہلا دیا گیا۔ لاہور کا یہ دربار ہماری ان مسلم صوفی روایات کا پہلا چراغ ہے جو برصغیر کی سرزمین پر روشن ہوا اور اس کے بعد مسلم تصوف کے چراغ سے چراغ جلتے گئے اور انہوں نے پہلے سے روشن مختلف مذاہب کی صوفیانہ روایات کے چراغوں کی جگمگاہٹ کو دوبالا کیا۔

ڈیڑھ ہزار برسوں کے دوران منہ زور گھوڑوں کے سموں سے گرد اڑاتے ہوئے اور تلوار کی سان سے سروں کی کھیتیاں کاٹتے ہوئے جانے کتنے طالع آزما آئے اور گزر گئے۔ ان میں سے کچھ کا تذکرہ تاریخ کی کتابوں میں ملتا ہے اور کچھ کو تاریخ نے اتنی اہمیت بھی نہ دی کہ ان کے نام کو محفوظ رکھے۔ اس برصغیر میں لاکھوں کروڑوں کے سر ان کی چوکھٹوں پر جھکتے رہے ہیں جہاں کوئی دربان نہیں، جہاں مال و منال، مسلک و مذہب اور حسب نسب کی پوچھ تاچھ نہیں، جہاں کوئی دیوان خاص اور دیوان عام نہیں۔ یہ روح کو سیراب کرنے والے چشمے ہیں، جس کا جی چاہے آئے، پیاس بجھائے اور چلا جائے۔ داتاؒ دربار کی چوکھٹ پر کھڑے ہو کر نظر ڈالئے تو برصغیر کے طول و عرض میں ایسے نہ جانے کتنے دربار ہیں جہاں خلقت جوق در جوق آتی ہے اور ایسے بھی جن میں سونے والا بے نام و نشان ہے، اس کی قبر کے سینے سے خودرو گھاس اُگ آئی ہے۔ کسی ویرانے میں، کسی کھیت کے کنارے بنی ہوئی ان قبروں کو جا کر دیکھئے تو سرہانے رکھا ہوا کائی لگا مٹکا آپ کو کبھی خالی نہیں ملے گا۔ پاس کی

بستی سے کوئی کسان پانی کا ڈول لاتا ہے اور اسے بھر کر چلا جاتا ہے۔ کوئی بھولا بھٹکا مسافر ادھر سے گزرے تو پیاسا نہ جائے۔ شام ڈھلے کوئی عورت اپنے گھر کے چراغ کے تیل کا ایک حصہ قبر کے سرہانے رکھے ہوئے چراغ میں انڈیل کر اسے روشن کر دیتی ہے تاکہ رات میں ادھر سے گزرنے والے راہ نہ بھولے، انہیں اس ننھے روشن چراغ کا آسرا ہو۔

بقعۂ نور داتا دربار ہو یا ان بے نام قبروں کے آثار، یہ عام لوگوں کے دلوں کا آسرا ہیں۔ رحمان بابا کے مزار کی بے حرمتی کرنے والے، محترم بزرگوں کی قبروں کو مسمار کرنے والے، لاشوں کو زمین کی گود سے نکال کر پیڑوں پر پھانسیاں دینے والے، داتا دربار میں خون کی برسات کرنے والے یہ نہیں جانتے کہ نفرت کی باڑھ سے خلق خدا کو غرق نہیں کیا جا سکتا۔

داتا دربا سے خون کے دھبے دھل گئے، لوگوں نے اپنے پیاروں کے بدن کے پارچے چن کر انہیں سپرد خاک کر دیا، اس پر گریہ و ماتم کر لیا لیکن انتہا پسندی کا عفریت جس طرح ہماری بستیوں کو نگل رہا ہے۔ دہشت گردی نے ہمارے شہروں کو ویرانے بنانے کا جو اہتمام کیا ہے، اس کے بارے میں گفتگو کرتے ہوئے ہمارے حکمران اور معاملات سے انجان بن جانے والے مہربان اسے ''غیروں'' کی سازش کہتے ہیں۔ یہ بات کہ مسلمان کو قتل کرنے والا، اس کی جان و مال کو نقصان پہنچانے والا مسلمان نہیں ہو سکتا، اتنی بار کہی گئی ہے کہ اب اس کی طرف کوئی دھیان بھی نہیں دیتا بلکہ لوگ ان جھوٹے اور کھوکھلے جملوں پر ہنستے ہیں۔

داتا دربار میں ہونے والے دھماکوں نے بہت خوش فہم لوگوں کا یہ مان توڑ دیا ہے کہ سیّد علی ہجویری کا مزار محفوظ رہے گا۔ ان لوگوں کو یہ کیسے سمجھایا جائے کہ خود کو جنتی اور دوسرے کو جہنمی سمجھنے سے زیادہ خطرناک کوئی بات نہیں ہوتی۔ اگر دوسرے کو کافر سمجھا جائے اسے ''غیر انسان'' تصور کیا جائے تو اس کے چیتھڑے اڑاتے ہوئے دل کے اندر گرد ملال نہیں اُڑتی، آنکھوں میں نمی کا نشان نہیں ملتا، سڑک بنانے والے راستے میں

آنے والی چٹانیں ڈائنامائیٹ سے اڑاتے ہیں تو ریزہ ریزہ ہو جانے والی چٹانوں پر گریہ نہیں کیا جاتا، خوشی منائی جاتی ہے کہ راستہ صاف ہوا۔ خلق خدا کو ''غیر انسان'' سمجھنے والوں کے لئے اس کی کیا اہمیت ہے کہ کسی ماں کا جگر گوشہ ختم ہوا، کسی باپ کی کمر ٹوٹی، سہاگن بیوہ ہو گئی اور بچے یتیم۔ انہوں نے اپنے ذہن میں اس ملک کی ''تعمیر'' کا جو نقشہ بنایا ہے، اس کی راہ میں یہ لوگ وہ چٹانیں ہیں جو ان کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ ہیں۔ چٹانیں ''انسان'' کب ہوتی ہیں؟ انہیں بارود سے اڑا دیا جائے تو اپنے ''خوابستان'' کے لئے راستہ ہموار ہو جاتا ہے۔ انہیں ریزہ ریزہ کر دو اور ان کے دلوں کو خوف سے بھر دو کہ خوفزدہ انسانوں کے دماغ کچھ نہیں سوچتے، ان کی ارواح اپنا نظام نافذ کرنے والوں کے چنگل میں پھڑ پھڑاتی رہتی ہیں۔ بغاوت کے راستے پر قدم نہیں دھرتیں۔

آج اگر یہ تسلیم کر لیا جائے تو خلق خدا کا بھلا ہوگا کہ یہ ہمارے اپنے مقتدرین تھے جو ذاتی اقتدار کے استحکام کے لئے سرابوں کی تلاش میں نکلے اور جنہوں نے ان عفریتوں کو جنم دیا۔ وہ انہیں اپنے مقاصد کے لئے استعمال کرنا چاہتے تھے۔ کسی کو افغانستان میں تزویراتی گہرائی درکار تھی، کوئی لال قلعے پر جھنڈا لہرانے کے خواب دیکھتا تھا، کسی کی نظر کا شغر و بخارا پر تھی۔ خواب دیکھنے اور دکھانے والوں کا ایک جم غفیر تھا جس کی پرورش اور پرداخت 70ء کی دہائی سے شروع ہوئی۔ آستین میں سانپ پالے گئے، خلق خدا کے منہ سے نوالہ چھین کر، ان کے بچوں کو علم کی روشنی سے محروم کر کے ان سانپوں کو دودھ پلایا گیا اور اب وہی ہمیں ڈسنے نکلے ہیں۔ آج بھی ایک مکتبۂ فکر انہیں اپنا ''اثاثہ'' سمجھتا ہے، اس مکتبہ فکر سے تعلق رکھنے والے خود تو رہبر و رہنما بنے بیٹھے ہیں اور ملک میں وہ ہنگامۂ دار و گیر ہے کہ لوگ الامان الامان پکار اٹھے ہیں۔

داتا دربار پر خودکش حملے اس بات کا اشارہ ہیں کہ لڑائی اپنے آخری مرحلوں میں داخل ہو گئی۔ اب عام لوگوں کے سروں کی کھیتی زیادہ تیزی سے کاٹی جائے گی، ان کے

محترم اور مقدس مقامات کی توہین زیادہ تندہی سے کی جائے گی۔ یہ بتانے کے لئے اگر ہتھیار نہیں ڈالے گئے تو ہر شہر، ہر نگر، اس کی ہر روایت اور ثقافت ڈھول بنا کر اڑا دی جائے گی۔ لیکن مشکل یہ ہے کہ خلق خدا، تمر کے ان جنگلوں کی طرح ہے جو سمندر کی منہ زور موجوں کے لئے سد راہ ثابت ہوتے ہیں، جن کی جڑوں میں زندگی پرورش پاتی ہے۔ یہ عفریت جو ہماری بستیوں میں پھنکارتے پھرتے ہیں، ان کا راستہ وزیر و مشیر نہیں روک سکتے کہ وہ تو خود قلعہ بندیوں میں رہنے پر مجبور ہیں، ان کی راہ تو وہی روکیں گے جن کے لباس میلے اور ردل اُجلے ہیں۔ رات کے اس عفریت سے کوئی یہ کہہ دے کہ یہ 50 کی دہائی تھی جب ن، م راشد نے اس کے بارے میں لکھا تھا۔

رات عفریت سہی،\
چار سُو چھائے ہوئے موئے پریشاں جس کے\
خون آلودہ نگاہ ولب ودنداں جس کے\
ناخن تیز ہیں، سوہانِ دل وجاں جس کے\
رات عفریت سہی،\
شکر اللہ کہ تابندہ ہے مہتاب ابھی\
چند میناؤں میں باقی ہے مئے ناب ابھی\
اور بے خواب مرے ساتھ ہیں احباب ابھی\
رات عفریت سہی،\
اسی عفرت سے سو بار ہزیمت پائی\
اس کی بیداد سے انسان نے راحت پائی\
جلوۂ صبحِ طربناک کی دولت پائی\
رات عفریت سہی،\
آؤ احباب کہ پھر جشنِ سحر تازہ کریں

پھر تمناؤں کے عارض پہ نیا غازہ کریں
ابنِ آدم کا بلند آج پھر آوازہ کریں

اس عفریت سے ابن آدم اور بنت آدم کی جنگ رنگ و نسل اور مسلک سے بالاتر ہے۔ یہ انسان کے اندر کے حسن اور تابانی کو بچانے کی جنگ ہے۔ اس میں رات کے عفریت ہار جائیں گے، خواہ وہ کتنی ہی بار کسی درویش کے دربار اور کسی سخی سلطان کی سرکار کی بے حرمتی کریں۔ لوگ پلٹ پلٹ کر ان جگہوں پر آئیں گے جیسے حادثے کے دوسرے دن داتا کے دربار میں آئے۔ جیسے بے حرمتی کے بعد رحمان بابا کے مزار پر آئے۔ خلق خدا کے مرتبے بلند ہوں اور اس کے حوصلے بلندتر کہ آخری جیت اسی کی ہوتی ہے۔

(روزنامہ ایکسپریس ۶ رجولائی ۲۰۱۰ء)



میں تیرے فقیروں میں......

صوفیہ بیدار

اے خانقاہِ عشق کے متولی، بے یار و مددگار، بیمار و بے قرار کے مسیحائے درد و الم، خالی دلوں کو سکون کے خزانے سے بھر دینے والے، بے مرادوں کی جھولیاں مرادوں سے بھر دینے والے برصغیر کے عظیم مہربان، ہم شرمندہ ہیں۔

سبز گنبد، اڑتے کبوتر، وظائف پڑھتی عورتیں، دھاگے باندھتی، کڑے چھلے پہنتی عورتیں، گھونگھٹ میں تمناؤں کا چہرہ چھپائے بھائیوں، شوہروں، بیٹوں کے لئے دعائیں کرتی عورتیں پوچھتی ہیں تخت نشینوں سے، ہم کہاں جائیں؟ گریہ کناں عبادت گزار مرد، رات رات بھر عبادت میں مصروف نوجوان دنیا بھر کے آلام جھولیوں میں بھر کر جس کوچہ عشق و معرفت میں سر جھکاتے ہیں بدنیتی کے ''جن'' نے وہاں بھی اپنے پنجے گاڑھ دیئے ہیں۔ نفرت کا آسیب وہاں بھی سایہ فگن ہو گیا، بلاؤں نے ان سچے پرتقدس آنگنوں میں بھی جھولے ڈال لئے، جہاں صرف دعائیں مانگی جاتی ہیں، صرف دعائیں۔

یہ شعلہ صفت ابدان کیونکر تقدس کے ایوانوں میں پھٹ پڑے؟ کیا ایوانوں میں بیٹھے بظاہر زندہ لوگوں کو احساس ہے کہ ان کے زیر سایہ دعاؤں والے دربار میں جھکے سر تن سے جدا ہو گئے، آپ ہماری حفاظت نہیں کر سکتے نہ سہی، بلٹ پروف گاڑیوں کے ساتھ تمام ملک کی سکیورٹی فورسز کو چوبیس گھنٹے اپنی خوابگاہ کے پہرے پر لگا دیجئے۔

آدھا ملک خودکش حملے کر رہا ہے اور آدھا خودکشی، یہ بھی بجا ہمارے بچے ہاتھوں

میں ڈگریاں اٹھائے بیس بیس برسوں کی محنت بے آبرو ہوتے دیکھ رہے ہیں، یہ بھی درست مہنگائی کے ہاتھوں بجلی کے بل پورے کرنے کی خاطر بے راہ روی کا شکار ہونے والی عورتیں بھی آپ کی ذمہ دار نہیں۔ مہنگی ترین ادویہ اور زندگی کو بیچ کر حاصل ہونے والی طرزِ زندگی بھی آپ کا موضوع نہیں، نہ سہی ہماری صحت ہمارا گرتا ہوا معیار زندگی، مہنگی ہوتی تعلیم، دسترس سے باہر اجناسِ خورد و نوش، اختیار سے باہر بے اختیاری، اور تھانوں پڑتے جوتے، ذلتیں مقدر سہی، ساری عزتیں، سارے کرّ وفر سارے جاہ و جلال آپ کے لئے ہیں۔

مگر ہمارے ایمان کے آخری مقام کو بچا رہنے دیجئے، اس دربار محبت کو سجا رہنے دیجئے جہاں ہم اپنی ساری ذلتیں، نامرادیاں، نارسائیاں لے کر جاتے ہیں تو پل ہی پل میں بامراد ہو جاتے ہیں، باعزت ہو جاتے ہیں جہاں جا کر ہم اختیار و بے اختیاری کی کشمکش سے آزاد ہو کر عجز کے دربار میں حاضری دیتے ہیں۔ جہاں ہماری لگن ہماری آرزو باریاب ہوتی ہے۔ جہاں ہمارے پیاروں کی شفایابی کی دعائیں بازیاب ہوتی ہیں۔

ہم کیا ہماری بساط کیا مگر مان تھا تو اتنا کہ داتا کی نگری میں بیٹھے ہیں، میں جب بھی کبھی ملتان روڈ سے راوی روڈ کی طرف گئی تو ہماری لگائی ہوئی ''کچہری'' کے ساتھ حقیقی کچہری کو دیکھ کر ہمیشہ سوچتی کہ انیسویں صدی کے وسط سے اختتام تک بہاولپور میں بھی دو دربار آمنے سامنے سجے تھے۔ ایک نواب صادق اور دوسرا خواجہ فرید رحمۃ اللہ علیہ کا جہاں نوابی دربار سے شکایت کناں فقیر کے دربار میں پہنچتے تو ہر دکھ کی دوا پا لیتے۔ حضرت خواجہ سرکار نواب صادق کو طلب کرتے تو وہ ننگے پاؤں آتا۔ ایک فقیر کے دربار سے لوگوں کو سکھوں کی اشرفیاں اور تقدیر کے خزانے ملتے۔ عجز، صبر، شکر کی دولتیں ملتیں۔ ایصال و وصال کی معرفتیں کھلتیں، دلوں میں آرزو قیام کرتی اور ناتمامی پر سینے صبر سے متمکن ہو جاتے۔ مہر محبت ایثار قربانی کی دولتیں لئے لوگ ایک شمع کی ''لو'' سے بھی دل

روشن کرلیا کرتے۔

آٹا گوندھنے کی خوشبو، توے پر روٹی کی مہک، مرچوں کا سالن، دھلے ہوئے کھیس، کسی ہوئی چارپائیاں اور آسمان پر ستاروں کا رقص تخلیق کے اذہان کی آبیاری کیا کرتا۔ منظر میں تیقن، سکون اور صبر کی جگہ جو بے یقینی ابہام، بے سکونی (بے قراری نہیں وہ کام کی چیز ہے) نے لے لی ہے۔ سب اسی وحشت کا کمال ہے۔

مزار دربار پر سدا غمزدہ ہی جاتا ہے۔ بے فکرے، من موجی، لاعلم بندے کو خانقاہوں سے کیا لینا؟ اس کے لئے تو یہ صرف مٹی کی ڈھیریاں ہیں، سوئے ہوئے مرقد ہیں، مگر اہلِ دل جانتے ہیں کہ جو فجر کی گواہی میں پردہ کر گئے اور مغرب کے دھندلکے میں دہلیز سے پار ہوئے وہ محض پلک جھپکنے کا وقفہ ہے۔ قدرت کس کس دل کو یہ دولت دیتی ہے کہ وہ اپنے سات طبق روشن تنبوؤں کی طرح تان لے، پھر پل کے ہزارویں حصے میں یہ دنیا بے معنی ہو جاتی ہے۔ ایں کا بوجھ ختم ہو جاتا ہے مگر ''لگن'' ہے نا' یہ ہر ایک دل میں تو نہیں لگ سکتی۔ یہ سارے دل تو منور نہیں کر سکتی، جو ووٹوں کے بل پر بنائی گئی حکومتوں کے ایوانوں میں جا کر بھول جاتے ہیں کہ وہ اس نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کی امت سے ہیں جسے پورا عرب اعلان نبوت سے قبل بھی ''امین'' کہتا تھا۔ انہیں دونوں کی امانتداری بھول جاتی ہے، نیت کی خیانت غضب ڈھا دیتی ہے اور ''نوٹوں'' کا ''سودا'' ہو جاتا ہے۔ کم فہمی گنتی کرنے والی تمام Devices کا ظرف ختم بھی کر دے تو دل نہیں بھرتے کیونکہ ''بھرے دل'' اور ''بھری آنکھوں'' والے لوگ تو صرف فقیر کی درگاہ پر ہوتے ہیں۔ میں داتا علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کے دربار پر ایک نظر پڑنے کی بے قراری نہیں بھول سکی جب بھی گزری ''سلام'' کیا اور آرزو خانقاہ سے ہمکلام ہوگئی۔

بے اماں شہر میں سوچتی ہوں
گماں مجھے ہے کسی اور دیس کی ہوں میں
گزاری عمر جہاں وہ نہیں وطن میرا

جہاں ہمارے ''پیر'' محفوظ نہیں وہاں ہم مریدوں کی کیا حفاظت؟ ہم بے بال و پر تو رہ سکتے ہیں مگر ''بے پیرے'' نہیں۔ ہماری آرزو ہے مارے جائیں تو ''بے تقصیرے'' قصوروار نہیں۔ کل عجب منظر دیکھا، ٹی وی کی سکرین پر آنسوؤں، زخموں اور چیخوں کے بیچ میں ''بندگی'' کا سلسلہ جاری تھا۔ بندہ بندگی سے دور کیسے رہ سکتا ہے؟

اپنی ایک نظم کا ٹکڑا......

ہوا کے در کیے ہیں بند تو پھر سوچنا ہوگا
طلوعِ صبح کی رونق کو کیسے روک سکتے ہیں
یہ انجام جنوں بڑھتی ہوئی وحشت کے جنگل میں
ہوائیں سر پٹکتی ہیں یہ کیسے روگ پلتے ہیں؟
جو دل الفت سے ہی ناشاد ہو جائیں تو کیا کیجیے؟
زمستاں ہجر سے آباد ہو جائیں تو کیا کیجیے؟
محبت کا فسوں پھونکا ہے جس نے خانہ دل میں
اُسی اللہ نے ساری لگامیں تھام رکھی ہیں
تکبّر سے سجے چہروں کو ہو معلوم رازِ صبح
ہے کوئی اور بھی جس نے فضائیں باندھ رکھی ہیں
خیالِ پُر یقین دیتا ہے دل پر دستکیں اب بھی
زمانوں کے امینوں سے خیانت ہو نہیں سکتی
حراست میں یہ سارے چاند تارے رہ نہیں سکتے
کسی نادیدہ لمحے کی ضمانت ہو نہیں سکتی
اسیر جاہ و حشمت کو ہو یہ معلوم کہ ظلمت
تو مٹ سکتی ہے پر حرفِ امامت ہو نہیں سکتی۔

منظر میں موت کا شہادت کے روبرو کیا مقابلہ تھا۔ اک وہ جو بارود بدن جنت کے

متلاشی سمجھتے ہیں کہ سینکڑوں گھروں میں لاشے پہنچا کر جنت ملتی ہے اور دوسری سمت اصل ذوقِ شہادت کے شیدائی جو کہہ رہے تھے ہم روز یہاں آئیں گے، جب تک ہماری شہادت نہ قبول ہو جائے ہم قربان ہو جائیں گے اپنے ایمان پر اور وہ جو تعداد میں کہیں زیادہ پہنچے ایمان کی گواہی دینے، کون سا ذوقِ شہادت ہے جو دوسرے کے لہو سے ہاتھ رنگنے کی اجازت دے یہ تو اپنی جان کا نذرانہ ہے۔ اس خوف کے ساتھ کہ کہیں قبولیت نہ ہوئی تو دوبارہ جان لٹانے کی باری نہیں آئے گی، قربان ہونے کا موقع نہیں ملے گا یہی وہ اصل شوقِ شہادت ہے، فلسفۂ قربانی ہے جس سے پورا یورپ اور امریکہ لرزاں ہے۔

اسد رضوی کا شعر ہے۔

ہم کو اس جنگ کے اسباب نہیں ہیں معلوم
ہم تو بس شوقِ شہادت میں چلے آئے ہیں

سیاست میں جان لی جاتی ہے محبت میں جان دی جاتی ہے۔ ایک سچا مسلمان حقیقی رکھوالا ہوتا ہے، چوکیدار ہوتا ہے، وہ جاگتا ہے تاکہ دوسرے سو سکیں دل کو انتہائی رنجیدہ اور اداس کر دینے والے واقعے نے داتا علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ سے زائرین کی محبت کو انمٹ کر دیا ہے۔ رب فقیروں کے بھرم رکھتا ہے حکومتیں نہیں۔

دوستی بھی ایک پیراہن ہے جانے کب چولا بدل لے دعوائے عشق بھی نہیں بس ایک ورد جاری ہے۔

''میں تیرے فقیروں میں، میں تیرے غلاموں میں''

(روزنامہ خبریں ۷رجولائی ۲۰۱۰ء)

۞......۞......۞

گنج بخش فیضِ عالمؒ

بشریٰ اعجاز

دورے تیزی سے جاری ہیں، سیّد علی ہجویریؒ کے دربار پر، مخصوص چہرے، مخصوص ٹولے، پرانے بیانات، جھوٹی تسلیاں، جھوٹے وعدے، وزیر اعلیٰ اور دیگر مشیروں اور وزراء سے لے کر سیّد یوسف رضا گیلانی تک، سبھی اپنی اپنی ڈیوٹی بھگتا رہے ہیں۔ صوفی کے دربار سے لے کر گنگا رام اور میو ہسپتال تک، پرانی دیکھی ہوئی تصویریں، سنے ہوئے بیانات، ہوا میں فائر کیے ہوئے دعوے افسوس کوئی ٹھوس تبدیلی، مثبت پیش رفت، اس سانحہ عظیم، اس قتل انسانیت کی روک تھام کے لئے ابھی تک نظر نہیں آتی جو دل کے زخموں پر مرہم رکھے، روح کو تسلی دے، کہ یہ وہ شہر ہے جس میں ابھی بہت سے سانحات کے نوحے گونج رہے ہیں۔ چند ہفتے قبل قادیانیوں کی عبادت گاہ کے سانحے کا زخم ابھی تازہ ہے۔ ڈی بلاک ڈیفنس کا رہائشی نوجوان امتیاز پہلے گراؤنڈ میں کرکٹ کھیلتا، پودوں کو پانی دیتا، ہمسایوں سے حسن سلوک کی مثالیں قائم کرتا، اپنی دو سالہ بچی کی توتلی زبان اور چمکیلی آنکھوں کے انتظار کو نہ ختم کرنے والی جدائی کے حوالے کر کے، اس دہشت گردی کی نذر ہو گیا، آج ہم جس کے تانے بانے تلاش کرتے ہوئے وجوہات اور روک تھام جیسے سنگین اور حل نہ ہونے والے سوالوں کی زد میں آئے، اس مقدس درگاہ، اس مرکز تجلیات کے در و دیوار سے لپٹی بارود کی بو میں نہایت حبس اور گھٹن کے عالم میں خود سے پوچھ رہے ہیں، یہ سب کیا ہے؟

وہ مرکز انوار تجلیات، منبع عشق و سرمستی، جہاں فیض کے بہتے زمزمے سے روح کو آسودہ کر کے، شیخ ہند حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری نے ''گنج بخش فیضِ عالم مظہرِ نورِ خدا'' کا نعرہ لگایا تھا، بعدازاں جو وہاں آنے والے لاکھوں حاجت مندوں اور زائرین کے لبوں سے چپکی دعاؤں کا خلاصہ بن گیا، وہاں دہشت گردوں کی یہ واردات گزری، تو ذہن شل ہو گئے۔ زبان گنگ ہو گئی، ''میں منگتی داتا دربار دی'' اک سادہ لوح زائر کی آواز دل میں کٹار بن کر اتر گئی اور آنکھوں سے اشکوں کی جگہ لہو کا اک ننھا بے آس قطرہ ٹپک پڑا، جس کی سرخی پھیل کر ان ساٹھ عدد بے گناہ انسانوں کے لئے پھٹے وجودوں کا حصہ بن گئی، جو دعاؤں کی گٹھڑیاں اٹھائے، حاجتوں کی پوٹلیوں میں باندھے، اشکوں کے ہار پھول پروئے فقیر، اس اللہ دوست کی درگاہ تک تھکے ہارے پہنچتے تھے، جہاں انہیں امان بھی ملتی تھی اور آسرا بھی، جہاں شکم کی آگ بجھانے کا بھی وافر سامان موجود تھا اور روح کے دکھوں کا علاج بھی وہاں پوری مسیحائی کے معجزوں کے ساتھ جاری و ساری تھا۔ وہ پردیسی، مسافر، مزدور، وہ روز و شب کی ذلتوں کے مارے ہوئے، حالت سجدہ، حالت دعا میں، اس منحوس دہشت گردی کی نذر ہو گئے، جس نے آج اس ملک کو ادھیڑ کر رکھ دیا ہے، وہ مناجات کرتے، ٹوٹی آسوں کو آواز دیتے، حوصلوں کو دریافت کرتے لوگ، جو بزرگ کے دربار پر اس مرکز خیر پر، خود کو ڈھیر کئے، یہ سوچتے تھے نفسا نفسی میں یہ ایک مکمل پناہ گاہ کا تصور دیتی درگاہ، اس دہشت گردی کے خیال سے بھی دور ہے جو اس ملک کے سکون اور اس کے شہریوں کا پیچھا اک بپھرے ہوئے عفریت کی طرح کر رہی ہے، وہ یقیناً اپنے دھجی دھجی وجودوں پر ایک واضح حیرت لئے، ان قبروں میں اتریں گے، جہاں انہیں مٹھی بھر مٹی دیتے اس ملک کے لوگ اس وقت ایسے سوالوں کی زد میں ہیں، جن کے جواب دہشت گردی کے خلاف جنگ کے پیچیدہ ترین بنائی جا چکی صورتحال میسر کرنے سے قاصر ہے۔

پنج شنبہ کی رات، جب دربار عالیہ، دودھیا قمقموں، قوالوں کی آوازوں، آہ زاریوں، دعاؤں، تمناؤں اور زائرین کی عقیدتوں کی بھیگ میں ڈوبا امن، خیر اور محبت کی

پرانی روایت کا اظہار یہ لکھ رہا تھا، ہزاروں لوگ احاطۂ مبارک میں جمع تھے اور ہزاروں ہی داخلے کے گیٹوں سے اندر اور باہر آ جا رہے تھے، دربار کے حفاظتی اقدامات کے مطابق سب کچھ ٹھیک ٹھاک چل رہا تھا۔ جب بھگدڑ مچی، کریکر، کلاشنکوف اور پھر قاتل جیکٹوں والوں، جنہوں نے آناً فاناً بزرگ کے دربار کا تقدس، امن اور سلامتی کو آگ اور خون میں نہلا دیا، قوالوں کی آوازوں، عقیدتوں اور دعاؤں کا گلا گھونٹ دیا، حاجتوں کے پرزے اڑا دیے اور سجدہ گاہ کو مقتل بنا دیا۔ جسے دیکھ کر نہ صرف تختِ لاہور، بلکہ اللہ کے دوست سے جڑے ہوئے اس ملک کے تمام باسی سن ہو گئے، دہشت گردوں کے بڑھتے ہوئے حوصلے اور مقدس مقامات تک ان کی رسائی، پھر اک نیا سوال لکھ گیا، جس کا جواب فوری فتوؤں اور رٹے رٹائے بیانات کے اندر سے ڈھونڈنا ممکن نہیں۔ اسلام کے نام پر بنائے جانے والے ملک میں، مسجدوں، مقدس درگاہوں اور دیگر مقاماتِ مقدسہ پر دہشت گردی کی یہ بڑھتی ہوئی وارداتیں، ایسی شرمندگیاں ہیں جنہیں ہم آخرِ شب کے آنسوؤں سے بھی اب شاید دھو نہیں سکتے، وہ لوگ ہم پر ہنستے ہیں، جو نظریہ پاکستان کو کھلم کھلا نشانہ تنقید بناتے تھے۔ وہ لوگ اب ہم پر پھبتیاں کستے ہیں جنہوں نے متحدہ ہندوستان کے مابین لکیر کھینچنے کی مخالفت کی تھی۔ وہ لوگ اب اس اسلام کے قلعے کی فصیلوں پر بھاری پتھر پھینکتے ہیں، ہم جن سے اپنی عبادت گاہوں، اپنے بزرگوں، اپنی روایات اور اسلامی اقدار کے تحفظ کے نام پر الگ ہوئے تھے۔ یہ کیسا چہرہ بنایا جا رہا ہے، میرے پاکستان کا؟

انڈیا سے کچھ دستوں کے اس سانحہ عظیم کے متعلق فون آئے، وہ ہمدردی کر رہے تھے اور میں کترا رہی تھی اس ذکر سے مگر ہمارے رہنما اور ان کے چیلے چانٹے رتی برابر شرمندہ ہوئے بغیر اس وقت بھی آپسی الزام تراشیوں اور ایک دوسرے پر گولہ باری میں مصروف ہیں۔ ان کے نقلی دورے جاری ہیں، نقلی ہمدردیوں کے ساتھ مرے ہوؤں اور کٹے پھٹے ہوؤں کی اشک شوئی کا انتظام بھی جاری ہے، ان معمولی رقومات کے چیکوں کے

ساتھ جوان کے ایک دن کے خرچے کے برابر ہے، وفاقی وزیر دھاڑ رہے ہیں "داتا کی نگری پکار رہی ہے، نقلی شیر کہاں چھپ گیا" اور ہم سب ان نقلی اور "اصلی شیروں" کا ناٹک کھلی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں، نقلی کون اور اصلی کون، کیا اب یہ جاننا ضروری نہیں ہو گیا، بلٹ پروف گاڑیوں، بھاری سکیورٹی، بھاری نفری اور اپنی حفاظت پر بھاری اخراجات ضائع کرنے والے یہ سارے نقلی اور اصلی شیر، کب تک ہمیں بیوقوف بنائیں گے؟ بے گناہوں اور معصوموں کے خون سے لکھی دہشت گردی کی اس کہانی کا انجام کیا ہے؟ یہ سوال آج سیّد علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کی درگاہ کے جھلسے ہوئے در و دیوار سے ہی نہیں، اس ملک کے شہریوں کے جھلسے ہوئے قلوب سے بھی اٹھ رہا ہے۔

(روزنامہ خبریں ۶ر جولائی ۲۰۱۰ء)

سانحہ داتاؒ دربار

علامہ مفتی ڈاکٹر محمد اشرف آصف جلالی

(بانی ادارہ صراطِ مستقیم' پاکستان)

پاکستان بدقسمتی سے دہشتگردی کی جس آگ میں جل رہا ہے' وہ چلتی چلتی مخدومِ اُمم سیّد ہجویر حضرت داتا گنج بخش ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کے دربار پر انوار تک پہنچ گئی ہے۔ داتاؒ دربار پر حملہ پاکستان ہی نہیں برصغیر کی تاریخ کا ایک عظیم سانحہ ہے۔ ان دھماکوں نے پتھر کی سلوں پر تھوڑے مگر دلوں پر بڑے گہرے اثرات مرتب کیے ہیں۔ یہ حملہ محض کسی ایک شخص پر نہیں برصغیر کے اسلامی تشخص پر حملہ ہے۔ یہ حملہ چند افراد پر نہیں کروڑوں مسلمانوں کے اعتقاد پر ہے۔ یہ حملہ کسی ایک خاندان کی پونجی پر نہیں اُمتِ مسلمہ کے صدیوں کے روحانی اثاثہ جات پر ہے۔ یہ حملہ کسی کی اعتزالی پگڈنڈی پر نہیں' اسلامیان پاک و ہند کی مذہبی شاہراہ پر ہے۔ یہ حملہ ایک عمارت پر نہیں دنیا بھر میں پھیلے ہوئے مسلمانوں کے مرکزِ عقیدت پر ہے۔ یہ حملہ سرِ راہ کسی چھپر پر نہیں برصغیر کی روحانی طاقت کے سب سے بڑے ہیڈ کوارٹر پر ہے۔ شاید حکمرانوں کو ان زخموں کی گہرائی کا اب تک احساس ہی نہیں ہو رہا۔

صدیوں سے مسلمان دور دراز سے چل کر جہاں سکون لینے آتے ہیں وہاں انہیں خون دیا گیا۔ جو فضا ہمیشہ تسبیح و تہلیل اور درود سے معطر رہتی ہے' وہاں بارود کی بدبو پھیلا دی گئی۔ جہاں پر ہر طرف روحوں کو جلا بخشنے والی رحمتوں اور برکتوں کے میلے نظر آتے ہیں' وہاں بدن جلا دینے والے شعلے نظر آنے لگے۔ جہاں قلب و نظر میں بس جانے والا

نورِ ایماں نظر آتا ہے وہاں ہڈیاں جلانے والا دھواں نظر آنے لگا۔ جو لوگ نیند چھوڑ کے جاگنے آئے تھے انہیں ابدی نیند سلا دیا گیا۔ جہاں جمعرات کو ہر طرف انسانی گلشن سجا نظر آتا ہے وہاں انسانی فصل کٹی نظر آ رہی تھی۔ سنگ مرمر پر مرمر کر لاشے گر رہے تھے۔
جہاں حلقہ ہائے ذکر کے بعد تبرکات تقسیم ہوتے ہیں وہاں اموات بانٹی جا رہی تھیں۔
جہاں ملک وملت کی سلامتی کیلئے دعائیں مانگی جاتی ہیں وہاں ہلاکتیں نظر آ رہی تھیں۔
جہاں بچھڑے ہوؤں سے ملاقات کی رب سے التجائیں کی جاتی ہیں وہاں باپ بیٹوں سے بھائی بہنوں سے بچھڑ رہے تھے۔ جہاں پھولوں کی پتیاں نچھاور ہونے کے لئے باری کا انتظار کرتی ہیں وہاں بموں کے باغی بیرنگ بال بے ہنگام ٹکرا رہے تھے۔

کتنی پلید سوچ ہے جس نے اتنے پاک ماحول کو سوگوار کر دیا ہے۔ اس شرمناک حرکت کو وحشی حیوان بھی اپنے ذمہ لینے کو تیار نہیں ہیں۔ یہاں بیک وقت کئی تقدس پامال کر دیئے گئے۔ مسجد کا تقدس، مزار کا تقدس، مومن کا تقدس، مسجد کو دیکھیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے "مساجد جنت کے باغ ہیں" مزار کو دیکھیں تو رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان "مومن کی قبر جنت کی کیاریوں میں سے ایک کیاری ہے" مومن کو دیکھیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان "مومن کا خون کعبۃ اللہ سے بھی مقدس ہے" پھر رات کا وقت تو وہ وقت ہے کہ جب پرندوں کا شکار بھی جائز نہیں ہے ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے رات کے وقت ان پرندوں کے گھونسلوں کی طرف جانے سے بھی منع فرمایا ہے کیونکہ شریعت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم رات کے وقت ان پرندوں کو امن کا لائسنس جاری کر چکی ہے۔

قارئین! آپ اس امر کا خود اندازہ لگا لیں کہ شریعت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم تو پرندگانِ ہوا کے آشیانوں کو بھی تحفظ دے رہی ہے۔ مگر دہشتگردی بندگانِ خدا کے آستانوں کو بھی نشانہ بنا رہی ہے۔

افسوس ہے! اس پراگندہ فکر پر جواب بھی ایسی کارروائیوں کیلئے جواز گھڑ رہی ہے۔

صد افسوس ہے ان دانشوروں پر جوان درندوں کی وکالت کر کے دانش کو نیلام کر رہے ہیں جو اس بربریت کو ڈرون حملوں کا نتیجہ کہے۔ اسے ڈرنا چاہیے' قوم اب بیدار ہو گئی ہے' اس درندگی کو بلیک واٹر کی کارستانی کہہ کر اب بلیک نظریات کو چھپانے کیلئے قوم کو بلیک میل نہیں کیا جا سکتا۔

حضرت داتا گنج بخش ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت برصغیر میں خدمتِ اسلام اور فیضان کے لحاظ سے اتنی بھاری بھرکم شخصیت ہے' ان کے مقابل آنیوالی قوت اپنا وزن کھو بیٹھتی ہے' آپ مخلوق میں محبوبیت کے اس درجے پر فائز ہیں کہ آپ سے الجھنے والی نسل عوامی نفرتوں کے بوجھ اور غیظ و غضب کے نیچے دب کر رہ گئی ہے۔ جن گہرے اور گندے پانیوں نے داتا صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے ٹکرانے کیلئے مگرمچھ تیار کیے تھے' اب ان کی موجیں بھی اس ساحل کی ہیبت کو سلام کرنے میں عافیت سمجھ رہی ہیں۔ ایسے میں راقم کے یہ الفاظ یقیناً اظہارِ حقیقت ہے۔

اللہ اللہ کیا غلو شان گنج بخش کا
آج بھی ہے محترم فرمان گنج بخش کا
جس نے بویا تھا زمینِ ہند میں تخمِ یقیں
بھول نہ جانا کبھی احسان گنج بخش کا
کرگسوں کو کیا پتہ ہو گلشنوں کی شان کا
رتبہ جانے جو ہو انسان گنج بخش کا
کر رہے ہیں عاقبت کو ان دھماکوں سے خراب
کیا بگاڑیں گے کبھی شیطان گنج بخش کا
خون کے سوداگروں نے کر دیا قصہ تمام
پھر بھی ہے معمول پر ایوان گنج بخش کا
آج بھی جوبن پہ ہے فیضان گنج بخش کا

آج بھی بھوکا نہیں مہمان گنج بخش کا
گر یہی اندازِ غفلت حکمرانوں کا رہا
لے ہی ڈوبے گا انہیں بحران گنج بخش کا
کہہ رہا ہے حکمرانوں سے شہیدوں کا لہو
روک پاؤ گے نہ تم طوفان گنج بخش کا
ایک آصف ہی نہیں صدمات سے رنجیدہ دل
ہر زباں پہ اب تو ہے عنوان گنج بخش کا

تقریباً پچاس شہدائے داتاؒ دربار کے خون کی سرخی فدایانِ داتا گنج بخشؒ سے سوال کر رہی ہے' تمہاری شب بے بسی کے سحر ہونے کے لئے کتنے انجم ابھی مزید قربان کرنا پڑیں گے؟ تمہارے چراغ کی لوخیزی کیلئے کتنی شہادتوں کا مزید تیل ڈالنا پڑے گا؟ داتاؒ دربار کے افسردہ مگر غضبناک ماحول کا سنو یہ ہر ضمیر کو جھنجھوڑ رہا ہے۔

یہ خون جو ٹپکا داتا کی چوکھٹ پہ ان دیوانوں کا
یہ کس وحشی کی حرکت تھی یہ کام نہیں انسانوں کا
میں بتلاتا ہوں سائل کو یہ لہو ہے کس کے ہاتھوں پر
یاں کچھ ابلیس کے چیلے ہیں یہ کام ہے کچھ شیطانوں کا
جس جا پہ موت کا حملہ ہو واں چھا جاتی ہے ویرانی
آ دیکھ لے داتا کے در پر ہے آج بھی رش مستانوں کا
جس عہد میں ولیوں کے در پر انسانی فصلیں کٹ جائیں
کیا کام وہاں سلطان کا؟ کیا کام وہاں سلطانوں کا؟
اے سنّی! اب تو جاگ ذرا اس خون میں صبح صادق ہے
تو اپنی جرأت غیرت سے اب موڑ دے رخ طوفانوں کا
افسوس یہاں دستور نہیں کوئی سن لے بات شریفوں کی

حالات یہ ہم سے کہتے ہیں اک ڈھیر ہویاں گریبانوں کا
اب لاؤ داتا کے در پہ اک سر اپنا نذرانے میں
یہ وقت نہیں گلدستوں کا یہ وقت نہیں گلدانوں کا
تم چھوڑ کے تختِ شاہی کو جا بیٹھے اپنے حجروں میں
پھر چھوڑ دو اپنے حجروں کو رخ کر لو اب ایوانوں کا
تم اپنے زورِ بازو سے حالات کے تیور بدلو گے
نہ ڈھونڈو کوئی بیساکھی نہ دیکھو در بیگانوں کا
ہم کب تک آصفؔ روئیں گے حالات کے خونی منظر پر
اب رونا دھونا بند کردو، نہیں کام یہ شیر جوانوں کا

☆☆☆

محفوظ ''اَن داتا'' غیر محفوظ داتا

خواجہ جمشید امام

صبر کا دامن اور قاتل کا گریبان کبھی ہاتھ سے نہیں چھوٹنا چاہئے، یہی سچ کی جیت کا پہلا اصول ہے۔ دنیا کا کوئی مذہب جھوٹ کی تلقین نہیں کرتا تو پھر سچ کے معیارات اور نتائج علیحدہ علیحدہ کیوں ہیں؟ سچ کے بارے میں ایک بنیادی بات ہے کہ سچ نتائج کے حوالے سے ہوتا اس میں اسباب و واقعات کی حیثیت ثانوی ہوتی ہے جس کاوش، عمل یا گفتگو کا نتیجہ خیر برآمد ہو وہ کبھی جھوٹ نہیں ہو سکتا اور یہ بھلائی کیا ہے؟ جس عمل کے نتیجہ میں خونریزی، قتل و غارت گری، سسکیاں، آہیں، آنسو اور توہین برآمد ہو۔ صرف شر ہے اور شر کے سوا کچھ نہیں۔ سچ اور جھوٹ اپنی بنیاد میں دو متصادم صفات ہیں۔ جھوٹ کم ہو تو بھی جھوٹ رہتا ہے زیادہ ہو جائے تو بھی جھوٹ لیکن سچ زیادہ ہو جائے تو سچ نہیں رہتا کم ہو جائے تو سچ نہیں ہوتا۔ سچ تو اس عمل کو کہتے ہیں جو کم یا زیادہ ہوئے بغیر سو فیصد خیر کا نتیجہ فراہم کرے۔ اب سچ کے لئے جان دینا تو خیر ہو سکتا ہے لیکن سچ کے لئے کسی بے گناہ کی جان لے لینا فریب، مکاری، ہوس اور صرف جھوٹ ہے۔ سچ تو اٹل ہوتا ہے پہاڑ کی چوٹی کی ڈھلوان پر پھنسا ہوا وہ پتھر جو نہ آگے جا سکتا ہے اور نہ پیچھے کھسک سکتا ہے۔

یہ تو ممکن ہے کہ میں اپنے کسی سچ کی وجہ سے زندگی کے کئی سال کسی کال کوٹھڑی میں گزار کر سورج کی روشنی کو ترستا رہوں یا پھر کوئی بے رحم بارود میرے وجود میں اتر کر جسم اور روح کا رشتہ منقطع کر دے لیکن کیا یہ ممکن ہے کہ کوئی چنگیز، ہلاکو یا نادر شاہ میری اس فکر

کو موت کے گھاٹ اتار سکیں جو ہر لمحہ اس سورج کو تخلیق کر رہی ہے جس کے سامنے آسمانی سورج جیسے لاکھوں سورج ہیچ اور تاریک ہیں۔ کیا ارتقاء کے عمل کو زنجیر پہنائی جاسکتی ہے؟ کیا تنگ نظری اور تعصب کی بنیاد پر رواج پانے والا مکالمہ کسی مستقل اور دیرپا ضابطہ اخلاق کی کامیابی کی وجہ بن سکتا ہے؟ کیا یہ ممکن ہے کہ خیالات کے ہنس راجوں کو راج سے روکا جاسکے؟ کیا جھوٹے نصاب اور مصنوعی نظام تعلیم کے ذریعے مفید شہری پیدا کیے جاسکتے ہیں۔ کیا زعفران اور صندل کی خوشبو سے بارود کی بدبو پیدا کی جاسکتی ہے؟ کیا بندوق کی زبان میں بات کرنے والوں کو فنون لطیفہ سے رغبت ہوسکتی ہے؟ اور کیا محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کا امتی بے رحم ہوسکتا ہے؟ تو میرے خیالات و نظریات کے مطابق یہ ناممکنات میں سے ہے۔

جنگ فکری اور مہلک ہتھیاروں سے لیس مردوں کا کھیل ہے اور جس جنگ کے نتیجہ میں انسانوں کی بڑی اکثریت کے لئے پرامن ماحول اور کسی بے رحم قاتل کے خوف سے آزاد فضا کا مستقل قیام ممکن ہو اس سے چشم پوشی کرنا یا اسے اپنے سیاسی اور معاشی مفادات کے لئے مختلف حیلے بہانوں سے کام لیتے ہوئے اسے ٹالتے رہنا یا پھر قاتل اور مقتول دونوں کا ساتھ دے کر بے یقینی کی فضا پیدا کرنا، غیر اخلاقی یا غیر سیاسی تو کیا ہوگا سو فیصد غیر انسانی رویہ ہے اور جن کا رویہ غیر انسانی ہو ان سے انسانوں جیسا سلوک کرنا، ان کی حمایت کرنا، ان کے بارے میں تذبذب کا شکار رہنا، ان کی پناہ گاہوں بارے جانتے ہوئے ان کا تعاقب نہ کرنا یا ان کے مدمقابل نہ ہونا مسلمانیت تو کیا مردانگی کے اصولوں کے بھی خلاف ہے۔ تقریباً 9 سال سے جاری دہشت گردی کی یہ جنگ اب تک کتنے گھروں کے چراغ گل کر چکی ہے؟ کتنے معصوم، ماں، باپ اور کتنے ماں باپ اولاد جیسی نعمت سے محروم ہو چکے ہیں۔ نائن الیون کے ایک سانحے کی کوکھ سے کتنے سانحات نے جنم لیا ہے؟ کابل کی جنگ کربلا سے ہوتی ہوئی دریائے کابل عبور کر چکی۔ پاکستان کی سکیورٹی فورسز سے لے کر عام شہری تک سب اس جنگ کے متاثرین میں شامل ہیں۔

مساجد، امام بارگاہیں، سرکاری دفاتر، جی ایچ کیو اور یہاں تک کہ چاروں صوبوں کی زنجیر پاکستان کی سوگوار فضاؤں میں بکھر گئی۔

عوام نے حتی الوسیع صبر سے کام لیا لیکن گزر رہے ہوئے نونسالوں کے واقعات پر غور کریں تو کیا یہ محسوس نہیں ہو رہا کہ کوئی ہمیں مسمار کر رہا ہے۔ نائن الیون کے بعد بش جونیئر نے ساری دنیا کی توجہ کروسیڈ کہہ کر پہلے مسلم دنیا اور پھر پاکستان کی طرف مبذول کرائی۔ ہمارے کمانڈو جرنیل نے فق چہرے کے ساتھ قوم سے خطاب کرتے ہوئے کھلے لفظوں میں امریکی بالادستی کو تسلیم کیا اور رلاجسٹک سپورٹ کے نام پر سب کچھ فراہم کر دیا۔ ہم امریکہ کے بالکل ویسے ہی اتحادی بنے جیسا روس جنگ عظیم دوم میں بنا تھا۔ روس امریکہ کا اتحادی بھی تھا اور دونوں ممالک کے درمیان سرد جنگ بھی جاری تھی اور امریکہ دوسری جنگ عظیم کے دوران روس سے مشاورت کیے بغیر برطانیہ سے باہم ہو کر مشرقی یورپ پر حملے بھی کر رہا تھا۔ امریکہ کی تاریخ اپنے اتحادیوں کے حوالے سے انتہائی گھناؤنی اور خطرناک ہے۔ امریکہ کا اتحادی بننا ہماری کیا مجبوری تھی؟ اس کا انکشاف کمانڈو جرنیل صدر سیّد پرویز مشرف نے بعدازاں انکشاف کرتے ہوئے یہ بتائی کہ اگر امریکہ کا ساتھ نہ دیا جاتا تو وہ ہمیں پتھر کے دور میں پہنچا دیتا۔ یہی وہ پہلی سیڑھی تھی جس پر ہم نے غلط قدم رکھا اور آج تک لڑکھڑا رہے ہیں۔ اس جنگ کے باعث پاکستان سے گرفتار ہونے والے دہشت گردوں کی وجہ سے دنیا بھر میں ہماری رسوائی ہوئی اور پاکستانی پاسپورٹ بے وقعت ہو گیا۔ افواج پاکستان کو ایک ایسی جنگ میں مصروف کر دیا گیا ہے جس کے خاتمے کی کوئی تاریخ نہیں دی جاسکتی۔ گو کہ امریکہ خود عراق سے نکلنے کی تاریخ دے چکا ہے اور افغانستان سے نکلنے کی تاریخ بھی دیدے گا۔ اس جنگ نے پاکستان کی معیشت کو تباہ و برباد کر دیا جس کے نتیجہ میں لوڈشیڈنگ، مہنگائی، غربت، بے روزگاری، بھوک ننگ اور کرپشن کا وہ حال ہے جو اس سے پہلے ملک کی تاریخ میں دیکھنے کو نہیں ملا۔

پنجاب اور سرحد کا کلچر خودکش حملہ آوروں نے تبدیل کر کے رکھ دیا ہے۔ بے یقینی

کی ایسی فضا ماحول پر طاری ہے کہ ہر شخص چلتا پھرتا مقتول دکھائی دیتا ہے۔ ہم لوگ اگر ابھی تک زندہ ہیں تو اس کی واحد وجہ یہ ہے کہ کوئی خودکش حملہ آور ہم تک نہیں پہنچا، یا پھر کسی خودکش حملہ آور کے پھٹنے کے اوقات میں ہم اس کے قریب نہیں تھے۔ ہمارا مستقبل (بچے) ان واقعات سے کیا طے کر رہے ہیں؟ امن کا درس یا خودکش، حملہ آور بننے کا سبق؟ اس جنگ کے اسباب بھی پینٹا گون اور وائٹ ہاؤس کی فائلوں میں کہیں پڑے مل جائیں گے لیکن عالمی قمار بازوں کے مفادات بدلتے ہیں تو واقعات کے اسباب اور نتائج سب کچھ بدل جاتا ہے جیسے ہر گزرتے دن کے ساتھ پاکستان بدل چکا ہے، بدل رہا ہے۔

میں ابھی تک اس اہم نقطہ کو سمجھنے کی کوشش کر رہا ہوں کہ امریکی پالیسیوں کے مخالف پاکستانی عوام بھی ہیں اور دہشت گردوں کا موقف بھی یہی ہے پھر تو پرانے اصول کے مطابق دشمن کا دشمن دوست ہوتا لیکن کیا وجہ ہے کہ اگر طالبان، القاعدہ یا اس کی ذیلی تنظیموں کا ایجنڈا امریکہ مخالف ہے تو پھر پاکستانی عوام کے لئے تو ان کے دل میں نرم گوشہ ہونا چاہئے تھا مگر معاملہ اس سے بالکل الٹ ہے بلکہ امریکہ اور طالبان کا ایجنڈا پاکستان کی عوام دشمنی کے حوالے سے ایک ہی ہے۔ امریکہ نے عراق اور افغانستان میں نہتے شہریوں کو قتل کیا۔ طالبان بھی پاکستانیوں سے یہی سلوک کر رہے ہیں۔ عراق اور افغانستان میں امریکہ نے عورت، مرد بچے سب کو بلا تفریق قتل کیا طالبان یا پھر ان کی ذیلی تنظیمیں بھی اسی کام پر مامور ہیں۔ عراق میں امریکہ نے صدام حسین کو گرفتار کر کے پھانسی دلوادی پاکستان میں محترمہ بے نظیر بھٹو شہید کو لاوارثوں کی طرح قتل کرا دیا۔ امریکہ نے عراق میں سیدنا علیؓ کرم اللہ وجہہ کے روضہ مبارک کی بے حرمتی کی اور زائرین کو شہید کیا۔ دہشت گردوں نے یہ کام لاہور میں علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پرنور پر خودکش حملے کر کے اپنے آپ کو اسی فہرست میں شامل کر لیا۔

کیا پاکستان کی بدلتی ہوئی صورتِ حال کوئی اتفاق یا حادثہ ہے؟ کیا خودکش حملہ آور

زمین نے اُگل دیئے ہیں یا آسمان سے ٹپک پڑے ہیں؟ یہ سب کچھ بغیر کسی منصوبہ بندی کے ہو رہا ہے یا پھر کوئی ماسٹر مائنڈ انتہائی چالاکی سے سب مہرے چلا رہا ہے؟ خودکش حملہ آور بنانا پیشہ ور سپاہی بنانے سے آسان ہے یا مشکل؟ یہ بغیر کسی نرسری فکر اور تربیت کے معرض وجود میں آسکتے ہیں یا لاہور میں دو کمروں کا مکان کرائے پر لے کر بھی ان کی فیکٹری لگائی جا سکتی ہے؟ کیا اس تربیت میں نفسیاتی ادویات بھی استعمال ہوتی ہیں یا مقصد کا حصول اتنا عظیم بنا کر پیش کر دیا جاتا ہے کہ کسی میڈیسن کی ضرورت نہیں پڑتی؟ خودکش حملہ آوروں کا تعلق کبھی سنٹرل ایشیا سے جوڑا جاتا تھا پھر یہ افغانستان اور سرحد سے درآمد ہونے لگے اور اب پنجاب سے بھی دستیاب ہیں۔ گزشتہ نو سالوں میں ہم نے خونریزی کے کتنے طریقے دریافت اور ایجاد کر لئے ہیں۔ کیا یہ سب کچھ واقعی نو سالوں میں ہوا ہے یا نائن الیون سے پہلے اس کی تیاریاں شروع کر دی گئی تھیں؟ ہم اس سارے عمل کو افغانستان سے روسی فوجوں کے انخلاء کے بعد ہونے والی خانہ جنگی اور امریکی امداد کی بظاہر بندش کے تناظر میں سمجھنے کی کوشش کیوں نہیں کرتے؟ جنرل ضیاء الحق کے عہد سے شروع ہونے والے جہاد نے بظاہر اپنی شکل بدلی ہے لیکن حقیقت تو یہ ہے کہ ایک غیر مستحکم پاکستان، پاکستانیوں کا خواب تو نہیں ہو سکتا تو پھر وہ کونسی قوتیں ہیں جو اسے غیر مستحکم دیکھنا چاہتی ہیں اور وہ کونسے پاکستانی کندھے ہیں جو ان قوتوں کی بندوق کو فراہم ہو سکتے ہیں؟ اگر پاکستان اعلانیہ ایٹمی قوت نہ ہوتا تو کیا ان طاقتوں نے پاکستان کو غیر مستحکم کرنے کے لئے ان حربوں کا استعمال کرنا تھا؟ میرا خیال ہے ہرگز نہیں۔

پر امن پاکستان کو غیر مستحکم کرنے کے لئے پہلا قدم جنرل ضیاء الحق نے اسی دن اٹھا لیا تھا جب افغانستان میں روسی فوج کو پھانسنے کے لئے پلان تیار ہو گیا تھا۔ اور جیسا کہ اس وقت کے امریکی وزیر خارجہ ہنری کسنجر نے اپنی کتاب میں لکھا بھی ہے کہ ''ہم نے افواجِ پاکستان کو افغانستان میں چارے کے طور پر استعمال کیا'' جنرل ضیاء الحق امریکیوں کی چارہ گری کرتا ہوا عالم برزخ کی طرف روانہ ہو گیا اور امریکیوں کی پلاننگ

دیکھیں کہ مقدس فرشتوں کے نام سے ملتا جلتا ایک امریکی رافیل انہوں نے جنرل ضیاء الحق کے ساتھ عالم برزخ تک روانہ کیا کہ کہیں بعداز موت ہی ضیاء الحق کے دل میں اپنی قوم کے لئے کوئی ہمدردی پیدا نہ ہو جائے۔ جنرل ضیاء الحق کی موت' سرد جنگ کا خاتمہ اور امریکہ کا روس کے ٹکڑے کرنے کا خواب شرمندہ تعبیر ہونے کے باوجود جنرل ضیاء الحق کے جانشینوں نے سکھ کا سانس نہیں لیا، کہیں آپریشن جلال آباد اور کہیں پنجاب کے چیف منسٹر ہاؤس میں اسامہ بن لادن سے ملاقاتیں جاری رہیں۔ محترمہ شہیدہ کی حکومت الٹنے کے لئے ڈالر بھی فراہم کیے گئے اور اس زمانے میں بھی انہیں شہید کرنے کا پروگرام بنایا گیا مگر حیرت انگیز بات تو یہ ہے کہ بعدازاں پیپلز پارٹی کی حکومت بھی افغانستان اور طالبان سے رسم وراہ بنانے میں پیش پیش نظر آئی جس کے لئے نصیر اللہ بابر کی خدمت کسی سے ڈھکی چھپی نہیں۔ طالبان حکومت کی تعریف وتوصیف میں میاں نواز شریف کے آخر دور میں کوئی کسر نہ چھوڑی گئی، اس میں کوئی شک نہیں کہ سعودی شہری بقول قاضی حسین احمد کے میاں نواز شریف پر بہت مہربان تھے اور سعودی حکومت کی نوازشات کی برسات تو میاں فیملی پر ہوتے ساری دنیا نے دیکھی ہے۔ ہم نے کبھی یہ بھی سوچنے کی زحمت کی ہے کہ لبرل، روشن خیال اور مذہب سے گہری وابستگی نہ رکھنے والے پرویز مشرف سے تو سعودی حکومت نے نواز شریف کو بچالیا لیکن جنرل ضیاء الحق جیسے ''مذہبی'' آدمی سے بھٹو کو چھڑانے کی کوئی غیر سنجیدہ کوشش بھی سعودیہ نے نہیں کی تھی حالانکہ اس وقت افغانستان وار کا نقشہ تیار ہونے کے بعد سعودی شہزادے اور ریال افغانستان پہنچ چکے تھے۔

جنرل ضیاء الحق کے عہد میں شروع ہونے والی فرقہ واریت جسے معصوم پاکستانی شیعہ سنی لڑائی سمجھتے رہے درحقیقت سعودی اور ایرانی مفادات کی جنگ تھی جس کے لئے پاکستان کی سرزمین کو استعمال کیا گیا۔ کالعدم انجمن سپاہ صحابہ کے کمانڈروں کی تربیت اور پناہ گاہ افغانستان تھا جبکہ سپاہ محمد کے ''جرنیلوں'' کے لئے ایران کی سرزمین موجود تھی۔ جن تنظیموں کو آج کالعدم یا دہشت گرد ڈکلیئر کیا گیا ہے کبھی ان کے رہنما بھارتی طیارہ اغوا

کر کے افغانستان میں اتار لیا جاتا تھا اور تہاڑ جیل سے قیدی وصول کر کے ہائی جیکروں کے سپرد کر دیئے گئے جن کے بارے میں آخری اطلاع یہ موصول ہوئی کہ وہ کسی نامعلوم مقام کی طرف روانہ ہو گئے اور حیرت انگیز بات یہ تھی کہ رہائی پانے والا قیدی چند دنوں بعد لاہور کے اسمبلی ہال کے سامنے ہزاروں کے مجمعے سے خطاب کر رہا تھا۔ یہ نائن الیون سے تھوڑا ہی عرصہ پہلے کی بات ہے۔ جب ریاستی ایجنسیاں اس حد تک جرائم پیشہ افراد کو فری ہینڈ دیں تو پھر نتیجہ یہی نکلے گا جو آج آپ کے سامنے ہے۔ پاکستان کی موجودہ حالت کسی ایک غلطی یا کسی اتفاقی حادثے کا نتیجہ نہیں بلکہ اس کے پس منظر میں اغیار اور اپنوں کے اذہان کی وہ وہ کارستانیاں ہیں جنہیں پڑھ کر اللہ کی ذات پر یقین کامل اپنی آخری حد تک ہو جاتا ہے کہ وہی ایک ذات ہے جو اسے ابھی تک مکمل تباہی سے بچا رہی ہے ورنہ ہمارے اقدامات صرف وقتی خود غرضی ہی نہیں بدترین غیر محب الوطنی بھی تھی۔ مگر آج سوال یہ نہیں کہ ہم نے ماضی میں کیا کچھ کیا اور نہ ہی گزرے وقت کا مرثیہ پڑھنے کے لئے مزید وقت ضائع کیا جا سکتا ہے۔ ایک وقت تھا جب پاکستان کے نوجوان یہ نعرہ لگا رہے تھے کہ پاکستان کا مطلب کیا لیکن آج وہ پاکستان کا مقصد کیا کی صلیبیں اٹھائے ہوئے اپنے اکابرین کی طرف دیکھ رہے ہیں۔ وہ سوال کر رہے ہیں کہ یہ وہ پاکستان ہے جس کا خواب علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے دیکھا تھا کیا اقبال رحمۃ اللہ علیہ کو یہ معلوم تھا کہ ان کے خواب کی تعبیر اتنی ہولناک ہو گی؟ کیا قائداعظم جانتے تھے کہ ان کے وارث اورنگزیب کے وارثوں سے بھی زیادہ لاوارث، کند ذہن اور عیش پرست واقع ہوں گے؟ دہشت گردی کی جس دلدل میں ہم اتر چکے ہیں کیا ہم کبھی اس سے نکل پائیں گے؟ اگر سب راہِ راست پر ہیں تو پھر مجرم کون ہے؟ اگر دہشت گردوں کا تعلق بھارت سے ہے تو انتظار کس بات کا کیا جا رہا ہے اور اگر یہ اندرونی دشمن ہیں تو اتنے واقعات کے بعد ابھی تک دوستوں اور دشمنوں کے درمیان واضح لکیر کیوں نہیں کھینچی گئی؟ ان چہروں کو بے نقاب کیوں نہیں کیا جا رہا جو دہشت گردی کے واقعات میں بلاواسطہ یا بالواسطہ ملوث

ہیں؟ نبی پاکؐ نے فرمایا تھا کہ: ''قسطنطنیہ (ترکی) میں فاتح داخل ہونے والا لشکر جنتی ہو گا۔ امیر معاویہؓ کے دورِ حکومت میں ایک لشکر قسطنطنیہ کے لئے روانہ کیا گیا تو سیّدنا ابوایوب انصاریؓ جن کی عمر اس وقت نوے سال تھی انہوں نے کہا کہ میں نے فاتح لشکر کو جنت کی بشارت دیتے خود زبان رسولؐ سے سنا ہے۔ میں لازمی اس لشکر کے ساتھ جاؤں گا۔ خواہ مجھے اونٹ پر باندھ دیا جائے۔ لشکر روانہ ہوا لیکن اسے کامیابی حاصل نہ ہو سکی۔ شہر کے محاصرہ کے دوران سیّدنا ایوب انصاریؓ اس دوران شہید ہو گئے تو ان کو شہر کی فصیل کے ساتھ دفن کر دیا گیا۔ شہر کا عیسائی حاکم فصیل شہر پر آیا اور کہا کہ اس جسم کو یہاں سے نکال کر لے جاؤ ورنہ تمہارے جانے کے بعد ہم اسے خود نکال لیں گے۔ یزید بن معاویہ اُس لشکر میں ایک دستے کا سوار تھا گھوڑا سرپٹ دوڑاتا ہوا فصیل کے پاس آیا اور کہا کہ ہم رسول اللہؐ کے ایک ساتھی کو یہاں دفن کر کے جا رہے ہیں اگر ان کی توہین ہوئی تو مسلم دنیا میں ایک بھی گرجا گھر سلامت نہیں بچے گا۔ مسلمانوں کے واپس آنے کے بعد شہر کے مسیحی حکمران نے اس پر گنبد تعمیر کرایا اور آج بھی ترکی کا ہر حکمران سیّدنا ابوایوب انصاریؓ کے مزار پر حاضری دیتا ہے۔ نواسہ رسولؐ کی شہادت کے حوالے سے یزید کا کردار ساری دنیا کے سامنے لیکن حضرت ابوایوب انصاریؓ کے حوالے سے یہ واقعہ بھی تاریخ کا حصہ ہے۔ کیا ہمارے حکمران اپنی مقدس ہستیوں کی تعظیم کے حوالے سے مسیحی حکمران اور یزید سے بھی گئے گزرے ہیں۔ وہ مینارِ نور جس نے مشترکہ ہندوستان میں حق کی شمع روشن کی، جو امن کے پیامبر تھے۔ جن کی زندگی رسول عربیؐ کے اسوۂ حسنہ کے عین مطابق تھی جن کے مزار اقدس کی توہین 1857ء میں برطانیہ کے بے رحم سپہ سالار کے گمان میں نہیں آئی۔ ہزاروں سال سے آباد لاہور علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کے لاہور قیام کے بعد داتا کی نگری کے نام سے دنیا میں مشہور ہوا جہاں دنیا کے ستائے اپنی روحانی تسکین کے لئے جاتے ہیں۔ جہاں غمزدوں کو قرار ملتا ہے۔ انہوں نے دربار علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کو انسانی خون سے غسل دے کر کھوپڑیوں کے مینار بنانے والوں کی بربریت کو بھی مات

دے دی ہے۔ یہ مزار کم و بیش ایک ہزار برس سے لاتعداد حکمرانوں کے گناہ و ثواب کا چشم دید گواہ ہے۔ اس کی حکمرانی آج بھی قائم و دائم ہے۔ دنیا بھر کے مسلمانوں کو ایک سوال کا جواب آج ضرور تلاش کر لینا چاہئے کہ مقدس مزارات کو بارود کے ڈھیر سے اڑاتے والوں کے گنبد خضریٰ کے بارنے میں کیا نظریات ہیں اور یہ بیان اب جہالت کا منہ بولتا ثبوت ہے کہ کوئی مسلمان ایسی حرکت نہیں کر سکتا۔ کیا خلفاء اسلام کی شہادت میں غیر مسلم پیش پیش تھے۔ کیا واقعہ کربلا میں نواسہ رسولؐ کی شہادت کسی غیر مسلم کے ہاتھوں ہوئی تھی؟ کیا امویوں کا قتل عام کسی غیر مسلم نے کیا؟ کیا محمد بن قاسم یہودیوں کے ہاتھوں شہید ہوئے تھے؟ کیا فاطمی کفار کو قتل کرتے رہے ہیں؟ کیا حجاج بن یوسف کے ہاتھوں مسلمان ہستیاں شہید نہیں ہوئیں؟ تخت دلی پر خاندانی غلاموں سے لے کر ظہیر الدین بابر تک اقتدار کی جنگ اور اس میں ہونے والا قتل عام غیر مسلموں نے کیا ہے؟ شاید ہم ان سوالوں کا جواب دینے میں شرم محسوس کریں گے ہماری تاریخ کا یہ المیہ ہے کہ اس کا ولن اور ہیرو اکثر مسلمان ہی رہے ہیں۔ علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کے مزار کے احاطے میں، میں خود گھنٹوں بیٹھ کر امتحانات کی تیاری کرتا رہا ہوں۔ میری زمانہ طالب علمی کی لاتعداد یادیں اس احاطہ اور صاحب مزار سے وابستہ ہیں۔ اس واقعہ سے دل دکھا نہیں کلیجہ پھٹ گیا ہے لیکن خادم اعلیٰ پنجاب (گو کہ خادم کبھی اعلیٰ نہیں ہوتا اور جو اعلیٰ ہو وہ خادم کیونکر ہو گا) اتنے بڑے سانحہ پر صدقے کا ایک بکرا بھی قربان کرنے کے لئے تیار نہیں۔ خادم اعلیٰ کے علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ سے عقیدت کے تمام بیانات سر آنکھوں پر لیکن بغیر کسی معذرت کے خادم اعلیٰ کو گنج بخشؒ کے مزار پر ہونے والے سانحہ کا صرف اتنا ہی افسوس ہے کہ انہوں نے رانا ثناء اللہ کے لئے تحقیقاتی کمیٹی بنا دی ہے لیکن جو کمیٹی ان کے پلازے کے سیکنڈل میں بنی تھی گو کہ اس کمیٹی نے بھی ابھی تک کوئی فیصلہ نہیں کیا سو اس کمیٹی کا فیصلہ بھی معلوم ہے۔ کتنا بڑا المیہ ہے کہ داتا کی یہ نگری غیر محفوظ کر کے "ان داتاؤں" نے اپنے آپ کو محفوظ کر لیا ہے لیکن یہ کوئی سیاسی معاملہ نہیں جو پانچ پانچ سال

کے اقتدار کی کسی غیر تحریری دستاویز پر لکھ کر، کرلیا جائے گا۔ یہ جنگ ہے جہاں قاتل اور مقتول کا فیصلہ ہونا ہے اور اس بار مد مقابل وہ ہیں جو صبر کا دامن اور قاتل کا گریبان کبھی ہاتھ سے نہیں چھوڑتے۔

(روزنامہ دن ۸ر جولائی ۲۰۱۰ء)

سانحۂ داتاؒ دربار میں کون ملوث ہے؟ (ایک تجزیہ)

قومی رہنماؤں کا ردِّ عمل

مرتبین: مفتی ظفر جبار چشتی- علامہ حافظ محمد محب الدین قادری رضوی

☆ سید یوسف رضا گیلانی، وزیرِ اعظمؒ پاکستان:

حضرت داتا گنج بخشؒ کے مزار پر حملہ انتہائی مذموم فعل ہے

(روزنامہ نوائے وقت، 6 جولائی 2010ء)

☆ میاں محمد نواز شریف، سابق وزیر اعظم:

انسانی جانوں کے ضیاع پر سنگ دِل بھی موم ہو جاتے ہیں، دہشت گرد نہ جانے کس دھرتی کے پتھر ہیں، دہشت گردوں کو ان کے انجام تک پہنچانا خود پاکستان اور انسانیت کی بقا کے لیے لازم ہے۔ (روزنامہ نوائے وقت، 3 جولائی 2010ء)

☆ خواجہ محمد شریف، چیف جسٹس لاہور ہائی کورٹ:

داتا صاحب جیسی عظیم ہستی کا پاک و ہند میں ہی نہیں پوری دُنیا میں احترام کیا جاتا ہے، یہاں حملہ کرنے والے نہ تو پاکستانی ہو سکتے ہیں اور نہ مسلمان ہو سکتے ہیں۔

(روزنامہ جنگ، 3 جولائی 2010ء)

☆ میاں محمد شہباز شریف، وزیر اعلیٰ پنجاب:

داتا دربار جیسے مقدس مقامات پر حملہ کرنے والے اسلام اور انسانیت دونوں کے دشمن ہیں۔ (روزنامہ جنگ، 2 جولائی 2010ء)

☆ علامہ پیر سیّد ریاض حسین شاہ، مرکزی ناظم اعلیٰ جماعت اہلِ سنت، پاکستان:

انسانی جانوں سے کھیلنے والے سفاک درندے انسانیت کے قاتل ہیں، بزرگانِ دین کے مزاروں کو نشانہ بنانے والے مسلمان تو کیا انسان بھی نہیں ہو سکتے۔

(روزنامہ جنگ، 2 جولائی 2010ء)

☆ صاحبزادہ حاجی محمد فضل کریم، صدر مرکزی جمعیت علماء پاکستان، چیئرمین سنّی اتحاد کونسل پاکستان:

سانحۂ داتا دربار نے پوری قوم کو دہشت گردی کے خلاف متحد کر دیا ہے۔

(روزنامہ نوائے وقت، 10 جولائی 2010ء)

مقدس مقامات کی بے حرمتی کرنے والوں، فوج اور سکیورٹی فورسز کے گلے کاٹنے والوں کو دہشت گرد کہنے پر ہمیں فرقہ واریت پھیلانے کا طعنہ دیا جا رہا ہے، داتا دربار پر حملے کے منصوبہ سازوں کو بے نقاب کیا جائے۔ (روزنامہ جنگ، 14 جولائی 2010ء)

☆ چوہدری شجاعت حسین، پرویز الٰہی، مونس الٰہی، قائدین ق لیگ:

داتا دربار جیسے مقدس مقامات پر حملہ کرنے والوں کا انسانیت اور اسلام سے کوئی تعلق نہیں۔ (روزنامہ جنگ، 2 جولائی 2010ء)

☆ مفتی منیب الرحمٰن ہزاروی، چیئرمین رویت ہلال کمیٹی پاکستان:

بے قصور مسلمانوں اور نمازیوں کو شہید کرنا، مسجد کی حرمت کو پامال کرنا حرام ہے۔ ایسے لوگ انسانیت کے دشمن اور اسلام کے باغی ہیں، جو لوگ قتل ناحق حلال یا نیکی سمجھ کر کریں تو ایسے لوگ اسلام سے خارج ہیں۔ (روزنامہ نوائے وقت، 4 جولائی 2010ء)

☆ علامہ سیّد محمد عرفان مشہدی، ناظم اعلیٰ مرکزی جماعت اہلِ سنت پاکستان:

ہم بھی درگاہوں والے ہیں، عبادت گاہوں اور درگاہوں کو نشانہ بنانا ملک دشمنی ہے۔ (روزنامہ نوائے وقت، 4 جولائی 2010ء)

☆ علامہ حافظ خادم حسین رضوی، صدر مجلس علماء نظامیہ پاکستان:

حکومت کے لیے یہ شرم ناک بات ہے کہ مزارات کے صدقے میں اقتدار میں آنے والی حکومت اولیاء اللہ کے مزاروں کے تحفظ میں ناکام ہو چکی ہے۔

(روزنامہ نوائے وقت، 4 جولائی 2010ء)

☆ علامہ حافظ عبدالستار سعیدی، شیخ الحدیث جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور:

اس واقعہ سے ایک نئی نظریاتی جہت کا اظہار ہوتا ہے، گیلانیوں، قریشیوں، مخدوموں اور سیدوں کی حکومت میں پاکستان کے سب سے بڑے روحانی مرکز کی بے حرمتی لمحہ فکریہ ہے۔ حکمرانوں کے پاس دو راستے ہیں، ایک تو یہ کہ تمام صوبوں کو قربان کر کے اپنا اقتدار قائم رکھیں اور دوسرا یہ کہ مزاراتِ مقدسہ کی حفاظت کریں، خواہ اپنا اقتدار کیوں نہ قربان کرنا پڑے۔ (روزنامہ نوائے وقت، 8 جولائی 2010ء)

☆ حاجی محمد حنیف طیب، جنرل سیکرٹری سنی اتحاد کونسل پاکستان:

پاکستان کی شناخت شدت پسند طالبان نہیں، بلکہ عظمتِ آدم کے علم بردار صوفیاء ہیں۔ (روزنامہ نوائے وقت، 10 جولائی 2010)

☆ سید نوید الحسن مشہدی، سجادہ نشین بھکھی شریف:

داتا دربار پر دہشت گردی پاکستان کے دِل اور روح پر حملہ ہے، درود والے بارود والوں سے خوف زدہ نہیں ہوں گے۔ (روزنامہ نوائے وقت، 9 جولائی 2010ء)

☆ ثروت اعجاز قادری، سربراہ سنی تحریک:

داتا دربار پر کوئی مسلمان حملہ نہیں کر سکتا۔ (روزنامہ نوائے وقت، 2 جولائی 2010)

کالعدم تنظیموں کے خلاف آپریشن نہ کیا گیا تو اہلِ سنت بھی اپنے تحفظ کے لیے ہتھیار اُٹھانے پر مجبور ہوں گے (روزنامہ نوائے وقت، 9 جولائی 2010ء)

☆ مفتی محمد رمضان سیالوی، خطیب داتا دربار مسجد لاہور:

دھماکے کر کے مزاراتِ اولیاء کی رونقیں کم نہیں کی جاسکتیں۔

(روزنامہ نوائے وقت، 10 جولائی 2010ء)

☆ پیر محمد افضل قادری، ناظم اعلیٰ عالمی تنظیم اہلِ سنت:

ہم نے بزرگانِ دین کی غلامی میں جینے مرنے کا عہد کر رکھا ہے، ہم جانوں پر کھیل کر مزاراتِ اولیاء کی حفاظت کریں گے۔ (روزنامہ نوائے وقت، 9 جولائی 2010ء)

☆ صاحبزادہ علامہ محمد عبد المصطفیٰ ہزاروی، ناظم اعلیٰ تنظیم المدارس اہلسنّت پاکستان:

قوم دہشت گردوں کو پھانسی پر لٹکتا دیکھنا چاہتی ہے۔

(روزنامہ نوائے وقت، 14 جولائی 2010ء)

☆ صاحبزادہ نعیم عارف نوری، ناظم اعلیٰ مرکزی جماعت اہلسنّت پنجاب:

اہلِ سنت داتا دربار میں ملوث درندوں کو عبرت ناک سزا ملنے تک چین سے نہیں بیٹھیں گے۔ (روزنامہ نوائے وقت، 9 جولائی 2010ء)

☆ علامہ طاہر تبسم قادری، ناظم اعلیٰ مجلس علماء نظامیہ پاکستان:

اگر پنجاب حکومت نے ہمارے مطالبات پورے نہ کیے تو اسلحہ اُٹھانے پر مجبور ہو جائیں گے۔ (روزنامہ نوائے وقت، 4 جولائی 2010ء)

☆ پیر سیّد محمد محفوظ مشہدی، صدر مرکزی جمعیت علماء پاکستان صوبہ پنجاب:

افغان جہاد کے نام پر ڈالر کمانے والے آج دہشت گردوں کی حمایت کر رہے ہیں۔ (روزنامہ نوائے وقت، 14 جولائی 2010)

☆ منور حسن کا افسوس ناک بیان:

جماعت اسلامی کے امیر سیّد منور حسن نے کہا ہے کہ آپریشن اور دھماکے کرنے والے دونوں اس ملک اور قوم پر رحم کریں اور اپنے ہی ملک و قوم کے خلاف جنگ بند کردیں، یہ دھماکے افسوس ناک ہیں۔ (روزنامہ جنگ، 2 جولائی 2010ء)

اس بیان میں جہاں سید منور حسن نے دھماکوں کو افسوس ناک قرار دیا، وہاں دہشت گردوں کے بارے میں بھی نرم گوشہ رکھا اور سفاک دہشت گردوں سے رحم کی اپیل کی۔ یہ بات سمجھ سے بالاتر ہے کہ ایک دہشت گرد سرِ عام دہشت گردی کر رہا ہو، انسانی جانوں کے چیتھڑے اُڑا رہا ہو اور مقدس مقامات کو خون سے نہلا رہا ہو، اِدھر ایک سپاہی یا فوجی لوگوں کو اس درندے کے ظلم سے بچانے کے لیے جان ہتھیلی پر رکھ کر اس کے خلاف آپریشن کر رہا ہوں، اسی اثناء میں منور حسن آجاتے ہیں اور پکارتے لگتے ہیں "تم دونوں قوم پر رحم کرو" یہ ایسا بیان ہے کہ عقل اس پر ماتم کناں ہے۔

☆ مفتی محمد خان قادری، مہتمم جامعہ اسلامیہ لاہور

داتاؒ دربار پر ہونے والے خودکش بم دھماکے اسلام اور پاکستان پر حملہ ہیں، اس طرح کے واقعات سے دیوبندی بریلوی فرقہ واریت پھیلانے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ (روزنامہ نوائے وقت، 2 جولائی 2010ء)

☆ ڈاکٹر عامر لیاقت حسین، کالم نگار روزنامہ ایکسپریس۔ اینکر پرسن:

داتاؒ دربار پر حملے کرنے والوں کو انسان کہنا انسانیت کی توہین ہے، یہ بھیڑیئے اور درندے ہیں، بلکہ ان سے بھی بدتر ہیں، کیونکہ درندے بھی اپنی برادری کا لحاظ رکھتے ہیں۔ (دنیا نیوز ٹی وی۔ مفہوماً)

☆ جناب مجید نظامی، چیف ایڈیٹر روزنامہ نوائے وقت:

سانحۂ داتاؒ دربار ملکی تاریخ کا سب سے بڑا سانحہ ہے۔

(روزنامہ نوائے وقت، 2 جولائی 2010ء)

☆ دیوبندی مکتب فکر کا ردِّ عمل:

حضرت علی ہجویریؒ تمام مکاتب فکر کے روحانی بزرگ ہیں: مولانا سمیع الحق۔

(روزنامہ نوائے وقت، 5 جولائی 2010ء)

وفاق المدارس العربیہ کے مرکزی قائدین مولانا سلیم اللہ، مولانا عبد الرزاق

سکندر، قاری محمد حنیف جالندھری اور مولانا انوارالحق نے مشترکہ بیان میں کہا ہے کہ حضرت علی ہجویریؒ کے دربار پر ہونے والی دہشت گردی کی جتنی بھی مذمت کی جائے، کم ہے۔ یہ مذموم فعل کسی بھی مسلمان کا نہیں ہوسکتا، حضرت علی ہجویریؒ کسی ایک مکتب فکر کے نہیں بلکہ پوری اُمت کے متفقہ بزرگ ہیں۔ علماء، دیوبند اور دیوبندی مکتبِ فکر سے تعلق رکھنے والے حضرت علی ہجویریؒ کی عقیدت ومحبت میں کسی سے کم نہیں۔

(روزنامہ نوائے وقت، 4 جولائی 2010ء، روزنامہ جنگ، 4 جولائی 2010ء)

مگرمچھ کے آنسو:

اب، جب دہشت گرد بے نقاب ہو رہے ہیں اور نام نہاد ''مجاہدین'' پوری قوم کے سامنے ننگے ہو چکے ہیں تو اس وقت ان کے سرپرستوں اور اپنے مدرسوں میں ان کی فکری آبیاری کرنے والوں کو داتا علی ہجویریؒ کی ''عقیدت ومحبت'' یاد آ گئی ہے۔ کل تک یہ لوگ روحانیت اور تصوف کو ''نشہ'' ہے، سفسطہ ہے، شریعت کا دشمن ہے'' کہہ کر جی بھر کر گالیاں دے رہے تھے۔ (دیکھیے تبصرہ بر زلزلہ مولانا عامر عثمانی دیوبندی، ص186 مطبوعہ شبیر برادرز لاہور)

مگر آج مزارات پر حاضری کو شرک قرار دینے والے وہی بدعقیدہ افراد ہمارے ایک بہت بڑے صوفی بزرگ کو اپنا روحانی پیشوا مان کر ان کے گوشۂ عافیت میں پناہ لے رہے ہیں مگر قوم اتنی بھولی بھالی نہیں کہ ان کی دوغلی پالیسی کے جال میں پھنس جائے، وہ خوب جانتی ہے کہ اولیاء اللہ کا دشمن کون ہے؟ اور عقیدت مند کون ہے؟ کون ان کی بارگاہ میں فیض لینے جاتا ہے؟ اور کون ان کے آستانوں کو شرک کے اڈے سمجھ کر خودکش دھماکے کرنے جاتا ہے؟ اب عقیدت ومحبت کا ڈھنڈورا پیٹنے سے بات نہیں چلے گی، کیونکہ عوام اچھی طرح جانتے ہیں کہ ایسے بیانات زبانی جمع خرچ کے علاوہ کچھ نہیں، یہ محض مگرمچھ کے آنسو ہیں۔

☆ آئی ایس آئی کا موقف:

ہماری خفیہ ایجنسی آئی ایس آئی کے ڈی جی لیفٹیننٹ جنرل احمد شجاع پاشا نے قومی

سلامتی کے بارے میں پارلیمانی کمیٹی کو بریفنگ دیتے ہوئے بتایا ہے کہ بعض غیر ملکی طاقتیں پاکستان کو عدم استحکام کا شکار کرنے کے لیے یہاں دہشت گردی کی کاروائیوں کو سپانسر کر رہی ہیں۔ یہ طاقتیں دہشت گردی کی کاروائیوں میں ملوث ہیں اور پاکستانی انٹیلی جنس ایجنسیاں پاکستان کو غیر مستحکم کرنے کے یہ ناپاک عزائم ناکام بنانے کے لیے بالکل چوکس اور تیار ہیں۔ (روزنامہ نوائے وقت، 9 جولائی 2010ء)

☆ قائد اہلسنّت صاحبزادہ حاجی محمد فضل کریم، ایم این اے کا موقف:

مرکزی جمعیت علماء پاکستان کے صدر، اور سنّی اتحاد کونسل پاکستان کے چیئر مین صاحبزادہ حاجی محمد فضل کریم کہتے ہیں:

''جہاں تک دہشت گردی کا تعلق ہے تو دہشت گردوں نے پنجاب کو نشانہ بنالیا ہے۔ دہشت گردوں کے بیرونی دنیا سے روابط ہیں، بالخصوص انڈیا اور اسرائیل سے ان کو بہت فنڈنگ ہوتی ہے۔ اس لیے دہشت گردوں کا نیٹ ورک ختم کرنا ضروری ہے۔ بدقسمتی سے ہمارے اپنے ہی لوگ اس میں استعمال ہو رہے ہیں، جہاں جہاں بھی ان کو ٹریننگ دی جاتی ہے اور جو بھی خفیہ ہاتھ کام کر رہے ہیں، وہ بے نقاب کیے جائیں اور جن مدارس کو مڈل ایسٹ سے اسلام کے نام پر فنڈنگ ہوتی ہے، وہ فوری طور پر بند کیے جائیں۔ اپنے نظریات کو ٹھونسنے کے لیے انہوں نے پاکستان کو تختۂ مشق بنایا ہوا ہے۔ (روزنامہ جنگ، 3 جولائی 2010ء)

☆ ڈاکٹر محمد طاہر القادری بانی ادارہ منہاج القرآن کا موقف:

اس وقت وطن عزیز ایک آتش فشاں کے دہانے پر ہے۔ جو لوگ ان آتشیں شعلوں کی زد میں ہیں، وہ آخرت کو سدھار رہے ہیں، جو بچ رہے ہیں، جیتے جی مر رہے ہیں۔ شہر شہر قریہ قریہ کربلا کا منظر ہے۔ لوگ اپنے معصوم بچوں، بے گناہ عورتوں اور مردوں کے لاشے اُٹھا اُٹھا کر تھک چکے ہیں، ان کی نیندیں اُڑ چکی ہیں، ان کے کھانے بے لذت ہو گئے کہ جلتے جسموں کے مناظر اور پیاروں کی چیخ و پکار ان کا پیچھا نہیں چھوڑتی۔ جن پر بیتی

ان سے پوچھیں یا جنہوں نے دیکھا ان سے سنیں۔ کتنا بڑا المیہ ہے کہ یہ سب کچھ دین اسلام کے نام پر ہو رہا ہے۔ وہ دین جس کا معنیٰ ہی امن و سلامتی ہے، وہ دین جس کا پیغام حیات بخش ہے نہ کہ حیات کش، جو دُکھ درد بانٹنے کا درس دیتا ہے نہ کہ سکھ چین چھین لینے کا، جو کشت انسانیت میں محبتوں کے پھول اُگانے کی بات کرتا ہے نہ کہ نفرتوں کے کانٹے بچھانے کا۔ تو پھر ہمارے گردوپیش یہ کیا ہو رہا ہے؟ یہ نفرتوں کے بیوپاری اور موت کے سوداگر کہاں سے آگئے؟ یہ کس دین کے ماننے والے ہیں؟ ان کے استاد اور رہبر کون ہیں؟ کن لوگوں نے اس راہ سے انہیں جنت کا دروازہ دکھایا؟ کیا اصحابِ دانش و بینش اور وارثانِ منبر و محراب کے سوچنے کی بات نہیں؟ انہیں مسند رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے وارث ہونے کا دعویٰ ہے۔ وہی تو حاملین دعوتِ دین متین ہیں، وہی معلم ہیں، وہی مبلغ۔ مدارس بھی ان کے، مساجد بھی ان کی اور تبلیغی مراکز بھی ان کے، جبکہ ایوانِ ہائے اقتدار میں بھی ان کی خصوصی نمائندگی ہے پھر ان کے ہوتے ہوئے وہ کون لوگ ہیں جو ان علماء کو بائی پاس کر کے دین کے نام پر نوجوانوں کو انتہاء پسندی اور دہشت گردی کا سبق دے رہے ہیں؟ اسے جہاد سمجھتے ہوئے اپنے ہم وطن بے قصور شہریوں کو بے دریغ قتل کررہے ہیں۔ جب دین کے سارے تربیتی، دعوتی اور تعلیمی شعبے علماء کرام کے زیرِ اثر ہیں تو ان باغیوں اور جنونیوں کو جنت کی ''مخصوص تجارت'' پر کس نے لگایا ہے؟ ایسے سوالات جب عوام کی طرف سے اُٹھتے ہیں تو ہمارا دینی حلقہ فوراً امریکہ کا نام لے دیتا ہے، لیکن لوگ مطمئن نہیں ہوتے۔ وہ پوچھتے ہیں کہ امریکہ کی مداخلت تو 9/11 کے بعد ہوئی، وہ بھی عراق اور افغانستان میں۔ پاکستان میں تو گزشتہ کئی دہائیوں سے ایک دوسرے کی مساجد اور بطور خاص امام بارگاہوں پر حملے ہوتے تھے۔ نمازیوں پر بموں اور گولیوں کی بارش جاری تھی۔ ایک دوسرے کے علماء کو قتل کیا جاتا تھا۔ بعد ازاں فقط سمت اور ہدف بدل گیا۔ عمل اور ذہنیت وہی ہے جو آج سے تیس (۳۰) سال قبل (۱۹۸۰) سے چلی آرہی ہے۔ اگر یہ سب کچھ غیر ملکی عناصر کرارہے ہیں تو بھی وہ خودکش جیکٹس

پہن کر خودکش حملے نہیں کرتے۔ جتنے لوگ پکڑے گئے ہیں اور ان سے خودکش جیکٹس برآمد ہوئیں وہ زیادہ تر پاکستانی تھے اور اسلام کے دعوے دار بھی۔ ان کے چہرے مہرے اور وضع قطع بھی دین دار لوگوں کی طرح تھی اور جہاد کی آیتیں اور حدیثیں بھی ان کے وردِ زبان تھیں۔ دور نہ جایئے حال ہی میں صوبہ سرحد کے بعض علاقوں میں اولیاء و صالحین کے مزارات کو بموں اور راکٹوں سے تباہ کس نے کیا؟ ایک مخصوص ایف ایم ریڈیو پر اعلانات کیے گئے کہ ہم شرک کے ان اڈوں کو جلد ہی ملیامیٹ کر دیں گے اور پھر انہوں نے دھمکی پر عمل بھی کر دکھایا۔ درندگی کی انتہاء یہ کہ لاشوں کی بے حرمتی کی گئی، انہیں درختوں پر لٹکایا گیا۔ بعض روحانی خانوادوں کے افراد کو چُن چُن کر شہید کیا گیا۔ کس کس کا نام لیا جائے؟ ان ظالموں کی ستم رانیوں کی فہرست بڑی طویل ہے۔

(دہشت گردی اور فتنۂ خوارج ص580 تا 582، مطبوعہ منہاج القرآن پبلی کیشنز لاہور)

خلاصۂ کلام:

خلاصہ یہ ہے کہ دہشت گردی کے چار اسباب ہیں:

(۱) قوم پرستی (۲) بے روزگاری

(۳) بلیک میلنگ (۴) برین واشنگ

(۱) قوم پرستی:

قتل و غارت گری کا جو بازار گرم ہے اس کا ایک سبب علاقائی، لسانی تعصب اور قوم پرستی ہے۔ قوم پرست سیاسی جماعتوں کے کارکن دیگر جماعتوں کے قائدین، ووٹروں اور سپوٹروں کو راستے سے ہٹانا فرضِ عین سمجھتے ہیں جس کی وجہ سے ملک میں انارکی پھیلی ہوئی ہے۔ ان جماعتوں کے پاس بھاری اسلحہ اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ ان کے غیر ملکی طاقتوں کے ساتھ تعلقات ہیں، یہی طاقتیں قوم پرستی کی آڑ میں ان سے دہشت گردی کا کام لے رہی ہیں۔

(۲) بے روزگاری:

جو لوگ مہنگائی اور بے روزگاری کے ہاتھوں مجبور ہیں، انہیں ملک دشمن قوتیں بھاری قیمت پر خریدتی ہیں اور دہشت گردی کی کارروائی کے عوض ان کے اور ان کے خاندان کے حالات بدلنے کا یقین دلاتی ہیں۔ ویسے بھی یہ لوگ حالات سے دل برداشتہ ہو کر خودکشی پر اُتر آتے ہیں، دہشت گردوں کے سرپرست انہیں خودکشی سے خودکش دھماکوں کی طرف لے جا رہے ہیں۔

(۳) بلیک میلنگ:

بلیک میلنگ کی وجہ سے نوجوانوں کو دھماکا کر دھماکے کرنے پر مجبور کیا جاتا ہے، خودکش دھماکہ نہ کرنے کی صورت میں اس نوجوان اور اس کے خاندان کو قتل کر دینے کی دھمکی دی جاتی ہے۔ ایسے نوجوان یا کم عمر لڑکے بالآخر یہ سوچنے پر مجبور کر دیئے جاتے ہیں کہ یوں بھی مرنا ہے تو کیوں نہ یوں موت کو گلے لگا لیا جائے۔

(۴) برین واشنگ:

کچھ مذہبی پیشوا اپنے مدرسوں، مسجدوں اور تبلیغی مرکزوں میں اپنی اشتعال انگیز تقریروں اور جہاد پر مبنی لیکچرز کے ذریعے کم عمر لڑکوں اور نوخیز طلبہ کے ذہنوں میں کفر و شرک کا بارود بھرتے ہیں۔ قرآن وسنت کی غلط اور من پسند تشریح کر کے اپنے علاوہ باقی سب مکاتب فکر کے علماء اور پیروکاروں کو کافر اور مشرک قرار دے کر ان کے قتل کو ''جہاد'' سمجھنے کو نوخیزوں کے دِل پر نقش کر دیتے ہیں۔ ان ''مجاہدین'' کو اچھی طرح یہ سبق یاد کرایا جاتا ہے کہ دیگر فرقوں کے ''مشرکین و کافرین'' تمہارے ہاتھوں سے ہلاک ہو کر واصل جہنم ہوں گے اور تم اس طرح سیدھے جنت جاؤ گے کہ جنت کی حوریں تمہارا استقبال کر رہی ہوں گی۔ حالانکہ معاملہ تو اس کے برعکس ہے۔ دہشت گردی کو سب سے زیادہ پروان چڑھانے والا، ملک کے اندر سب سے زیادہ فتنہ وفساد کی آگ لگانے والا اور اس

جلتی آگ میں سب سے زیادہ زندہ لوگوں کو جھونکنے والا سبب یہی برین واشنگ ہے۔ ملک کی بعض اقلیتی جماعتوں اور چند دانشوروں کے علاوہ پوری قوم، علماء، دانشور اور سیاست دان اس موقف پر متفق ہیں کہ بیرونی ہاتھ را، موساد، سی آئی اے اور بلیک واٹر کی صورت میں اگرچہ ملوث ہیں، مگر اس میں کوئی شک وشبہ نہیں کہ ان ملک دشمنوں کے ہاتھ کا کھلونا انتہا پسند علماء، شدت پسند طالبان اور ان کے حامی بنے ہوئے ہیں۔ یہ حامی ایسے فکری یتیم ہیں کہ ایک طرف تو طالبان کے خودکش حملوں کی مذمت کرتے ہیں اور دوسری طرف انہیں ''مجاہد'' بھی قرار دیتے ہیں۔ ان درندوں کا دین وایمان پیسہ اور ملک دشمن قوتیں ان کا قبلہ وکعبہ ہیں جن کی طرف یہ سیاہ رو بے نور چہرہ کر کے دہشت گردی کی ''نماز'' ادا کر رہے ہیں۔ سوال یہ ہے کہ انتہاء پسند علماء، شدت پسند طالبان اور ان کے حامی کون لوگ ہیں، کہاں رہتے ہیں اور کس فرقے سے تعلق رکھتے ہیں؟ یہ ایسا سوال ہے کہ جس کا جواب پوری قوم کے ساتھ ساتھ ساری دُنیا جانتی ہے۔ حکومت اگر دہشت گردی کے خاتمہ میں مخلص ہے تو اسے ان متذکرہ بالا چاروں اسباب کا قلع قمع کرنا ہوگا، ورنہ دہشت گردی کا اژدھا نہ جانے اور کتنے بے قصوروں کو نگلے گا۔

کیا دہشت گردوں سے مذاکرات کرنے چاہئیں؟

وطن عزیز پاکستان آج کل دہشت گردوں کے نرغے میں ہے، اسلام کے نام پر ایسی درندگی کا کھیل کھیلا جارہا ہے کہ شیطان بھی پناہ مانگتا ہوگا۔ ایسی اندوہناک صورتِ حال میں کچھ طبقے دہشت گردی کا سدِ باب کرنے کے لیے دہشت گردوں سے مذاکرات کا ''نسخہ'' تجویز کرتے ہیں اور اسی کو اس کا مؤثر حل سمجھتے ہیں، جبکہ قوم کی اکثریت یہ سمجھتی ہے کہ درندوں سے مذاکرات کرنا انہیں شہ دینے کے سوا کچھ نہیں، کیونکہ یہ بھیڑیئے دہشت گردی کو اپنی طاقت سمجھتے ہیں اور اسی کے بل بوتے پر اپنے مسموم اور مذموم نظریات کو دوسروں پر ٹھونسنا چاہتے ہیں۔ یہ اتنے غالی اور متعصب ہیں کہ اپنے علاوہ باقی سب مکاتب فکر کو کافر ومشرک سمجھتے ہیں اور ان ''مشرکوں'' کے جسموں کے

چیتھڑے اُڑانے کو "جہاد" یقین کرتے ہیں۔ سو ایسے ازلی بدبختوں، شقی القلبوں، جنونیوں اسلام اور مسلمانوں کے ویریوں سے مذاکرات کرنا ان کو خونی کھیل کھیلنے کا موقع اور سند فراہم کرنا ہے، جس کی وجہ سے فرقہ وارانہ کشیدگی بڑھے گی اور ملک فتنہ وفساد کا آتش فشاں بن جائے گا۔ نقصان یہ ہوگا کہ حکومت کی طرف سے دیگر فرقوں کو یہ پیغام ملے گا کہ حکومت دلیل کی نہیں، گولی کی زبان مانتی ہے، لہٰذا کل کو کوئی اور فرقہ بھی ہتھیار اُٹھالے گا اور دہشت گردی پر اُتر آئے گا، اس کے نتیجے میں جو طوفان اُٹھے گا، کیا ہمارا ملک اس کا متحمل ہوسکتا ہے؟ بہتر یہی ہے کہ بعض سیاسی اور صحافتی زعماء دہشت گردی کو کچلنے میں بھی جمہوریت کا لحاظ رکھیں، کیونکہ قوم کی اکثریت دہشت گردوں کے خلاف آپریشن چاہتی ہے۔ مذاکرات کا تماشا نہیں چاہتی، حالانکہ انہی لوگوں کی زبانوں پر ہر وقت جمہوریت کا ورد بھی جاری رہتا ہے تو پھر کیا وجہ ہے کہ اس معاملے میں جمہوریت کا لحاظ نہ کیا جائے؟ نیز حکومت کس کس سے مذاکرات کی میزیں سجاتی پھرے گی! آج ایک سے مذاکرات کیے کل کوئی دوسرا سر اُٹھالے گا۔

حضرت علیؓ نے باغی دہشت گردوں کے خلاف بھرپور آپریشن کیا تھا

حضرت امام جلال الدین سیوطیؒ لکھتے ہیں

جب آپ کوفہ واپس آگئے تو ایک جماعت (خارجی) آپ کا ساتھ چھوڑ کر الگ ہوگئی اور انہوں نے خلافتِ علیؓ سے انکار کرکے "لا حکم الا اللہ" (اللہ کے علاوہ کسی کا حکم نہیں) کا نعرہ بلند کیا اور مقام حروراء میں اپنا لشکر جمع کیا اور حضرت علیؓ سے معرکہ آرائی کا ارادہ کیا۔ حضرت علیؓ نے ان کی سرکوبی کے لیے حضرت ابن عباسؓ کی سرکردگی میں لشکر روانہ کیا، طرفین میں جنگ ہوئی، لڑائی کے بعد کچھ اپنے عقیدے پر ڈٹے رہے اور مقابلہ سے بھاگ کر نہروان چلے گئے اور وہاں پہنچ کر انہوں نے لوٹ مار اور ڈکیتیاں شروع کردیں۔ بالآخر حضرت علیؓ نہروان پہنچے اور ان سب کو قتل کر ڈالا۔

(تاریخ الخلفاء ص 138 مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی)

درج بالا روایت کو وہ مذہبی، سیاسی اور صحافتی زعماء بغور پڑھیں اور بار بار پڑھیں جو گلا پھاڑ پھاڑ کر آج کے دور کے باغی اور خارجی دہشت گردوں سے مذاکرات کی تجویز دیتے ہیں۔ انہیں اُس قیامت کا صحیح معنوں میں ادراک ہی نہیں جو خودکش حملوں کی صورت میں بے قصور پاکستانیوں پر ٹوٹتی ہے۔ عوام یہ کہنے میں حق بجانب ہیں کہ اگر دہشت گردی کا نشانہ یہی لوگ بنیں جو اُٹھتے بیٹھتے مذاکرات کی تسبیح پھیرتے رہتے ہیں، ان کے پیارے ان کی آنکھوں کے سامنے زندہ جلیں، ان کے جگر پارے کسی چوک، مسجد، بازار اور مارکیٹ میں درندگی کا شکار ہو کر بے یارو مددگار تڑپ تڑپ کر مریں، اِدھر یہ پیاروں کے جلے کٹے اعضاء ڈھونڈ رہے ہوں اور اُدھر کوئی اِن سے پوچھے کہ بتاؤ دہشت گردی ختم کرنے کے لیے دہشت گردوں سے مذاکرات نہ کر لیے جائیں؟ تو پھر شاید انہیں اس سخت چوٹ اور گہرے زخم کا کچھ اندازہ ہو، جس نے پاکستانیوں کے قلب وجگر کو مفلوج کر کے رکھ دیا ہے۔

دہشت گردی کا حل کیا ہے؟

دہشت گرد آج کے دور کے باغی اور خارجی ہیں۔ اسلامی نقطۂ نظر کے مطابق یہ کسی بھی طرح کسی رو رعایت کے مستحق نہیں۔ حکومت ان کے خلاف سخت ایکشن لے، جہاں جہاں ان کے اڈے، تربیت گاہیں، آماج گاہیں اور ان کی فکری اور نظریاتی آبیاری کرنے والی درس گاہیں موجود ہیں، چاہے وہ پنجاب میں ہی کیوں نہ ہوں، وہاں شدید ترین اور پوری قوت کے ساتھ فوجی آپریشن کر کے انہیں نیست و نابود کر کے خوب سبق سکھایا جائے، دہشت گردوں کے بارے میں نرم گوشہ رکھنے والوں، انہیں فکری خوراک فراہم کرنے والوں، در پردہ حمایت کرنے والوں، اپنے مدرسوں، مسجدوں اور تبلیغی مرکزوں میں انہیں پناہ دینے والوں، انہیں مجاہد قرار دینے والوں، اس نام نہاد جہاد جو دراصل فتنہ وفساد ہے، سے جنت کا دروازہ دکھانے والے مذہبی پیشواؤں اور کالعدم عسکریت پسند تنظیموں سے تعلقات رکھنے والے سیاسی پنڈتوں کو دبوچا جائے اور عبرت

ناک سزا دے کر کیفر دار تک پہنچایا جائے۔اس کے ساتھ ساتھ اسلام اور پاکستان کے ان دشمنوں کی جنم گاہوں کو ہمیشہ کے لیے ختم کر دیا جائے، تا کہ انہیں افرادی قوت نہ مل سکے، تاہم ایسا آپریشن مسلکی خول اُتار کر بلا امتیاز کیا جائے اور ہر دہشت گرد کے خلاف کیا جائے، چاہے وہ کسی بھی مسلک کا ہو۔ڈاکٹر طاہر القادری لکھتے ہیں: ''میری دانست میں دہشت گردی کا خاتمہ محض برسرِ پیکار جنگ جوؤں کے قتل اور گرفتاریوں سے نہیں ہوگا۔ یہ اسی وقت ممکن ہوگا جب دہشت گرد باغی گروہوں میں تازہ افرادی قوت کی آمد اور داخلے کے تمام راستے کلیتاً مسدود کر دیئے جائیں گے،جس طرح تالاب کو خشک کرنے کے لیے ضروری ہے کہ اس کے اندر موجود پانی کو نکالنے کے ساتھ تالاب میں نئے پانی کی آمد کے تمام راستے بھی بند کر دیئے جائیں، ورنہ تالاب کبھی خشک نہیں ہوسکتا۔اسی طرح دہشت گردی کا مکمل خاتمہ باغی گروہوں میں افرادی قوت کی تازہ کمک روک کر ہی ممکن ہے''۔

(دہشت گردی اور فتنہ خوارج ص 575 مطبوعہ منہاج القرآن پبلی کیشنز لاہور)

اُٹھ کے ظلمت ہوئی پیدا اُفقِ خاور پر

عظمتِ داتا گنج بخشؒ ریلی سے پیر سیّد ریاض حسین شاہ کا تاریخی خطاب

سانحہ دربارِ حضرت داتا گنج بخش نے ہر درد مند دل کو مغموم اور ہر آنکھ کو پُرنم کر دیا۔ داتا کا ہر دیوانہ اپنے اپنے دائرہ کار میں احتجاج کر رہا ہے۔ جماعت اہلسنّت نے اس معاملہ میں بھی قائدانہ کردار ادا کرتے ہوئے عظمت داتا گنج بخش کانفرنسز اور 30 جولائی (2010ء) بروز جمعہ 4 بجے سہ پہر ناصر باغ لاہور تا داتا دربار ''عظمت داتا گنج بخش ریلی'' کا انعقاد کیا۔ اس ریلی کی تیاریوں کے سلسلہ میں 12 عدد عظمت داتا گنج بخش کانفرنسز کا پروگرام بنایا گیا لیکن یہ سلسلہ بڑھ کر 20 سے زائد کانفرنسز تک جا پہنچا۔ 30 جولائی کو لوگوں کا جم غفیر ناصر باغ کے تاریخی مقام پر اکٹھا تھا۔ دیکھتے ہی دیکھتے دو رویہ سڑک لوگوں سے بھر گئی۔ ناصر باغ کے مین گیٹ کے سامنے قائدین کی تقریروں کا آغاز ہوا۔

شرکائے ریلی نعرہ تکبیر ورسالت، داتا تیرے جانثار بے شمار بے شمار، دہشت گردو دہشت گردی بند کرو۔ جیسے نعرے لگا رہے تھے۔

ریلی ضلع کچہری چوک میں تھی کہ جماعت اہلسنّت پاکستان کے مرکزی ناظم اعلیٰ مفکر اسلام، مفسر قرآن، پیر سیّد ریاض حسین شاہ ایک بہت بڑے قافلے کے ساتھ ریلی میں تشریف لے آئے۔ آپ کی آمد سے ریلی میں گویا جان سی آ گئی۔ شرکاء ریلی کے جوش وخروش میں یک دم اضافہ ہو گیا۔ شاہ جی نے دعا سے ریلی کا آغاز فرمایا اور پھر عظمت داتا گنج بخش ریلی کچہری چوک سے داتا دربار کی جانب روانہ ہوئی۔ دربار شریف پہنچنے پر

ریلی سے شاہ جی نے خطاب کرنا تھا اور ہر شخص اس مرکزی خطاب کا منتظر تھا۔

جب شاہ جی کے خطاب کا اعلان ہوا تو ریلی پر عجیب خاموشی چھا گئی، ہر شخص پر سکوت ہو کر اپنے قائد کا خطاب سننا چاہتا تھا۔

شاہ جی نے عظیم الشان ریلی کے ہزاروں شرکاء سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ صوبہ پختونخواہ میں دہشت گردوں نے علماء و مشائخ کو شہید کیا، مزارات کی بے حرمتی کی گئی اور اب اسلام و پاکستان دشمنوں کا رخ پنجاب کی طرف ہو گیا ہے۔ شاہ جی نے فرمایا کہ دہشتگرد بارود اور بموں کے ذریعے لوگوں کو باور کرانا چاہتے ہیں کہ وہ دین کے خادم ہیں حالانکہ دین کے سچے خادم تو داتا علی ہجویری تھے جو گدڑی پہن کر اور ہاتھ میں تسبیح پکڑ کر برصغیر میں آئے تھے۔ شاہ جی نے وزیر اعظم یوسف رضا گیلانی، نواز شریف اور شہباز شریف تینوں لیڈروں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ میں قائد حزب اختلاف نہیں ہوں، میں صرف یا رسول اللہ کہنے والوں کا نوکر اور خادم ہوں اور میں کئی مرتبہ اقتدار کی آفر کو رد کر چکا ہوں میں بار بار کہہ چکا ہوں کہ مجھے وزارت نہیں محمد عربی ﷺ کے قدم چاہئیں۔ آپ نے فرمایا کہ تمہاری خلوتیں میری ان باتوں کی گواہ ہیں شاہ جی نے وفاقی و صوبائی حکومتوں میں شامل اہلسنّت علماء و مشائخ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے حکومت سے کہا علماء و مشائخ تمہاری حکومت میں فیکٹریوں اور جائیداد کے لئے نہیں آئے بلکہ محمد عربی ﷺ کے دین کی خدمت کے لئے حکومتوں میں شامل ہوئے ہیں۔ اپنے خطاب میں شاہ جی نے صوبائی و وفاقی دونوں حکومتوں کو مخاطب کرتے ہوئے ایک لافانی اور تاریخ پاکستان میں ہمیشہ یاد رکھے جانے والا جملہ ارشاد فرمایا کہ میں بد دعا نہیں دے رہا لیکن لوحِ محفوظ سے بصیرت کے ساتھ حقائق پڑھ کر آپ کو سنا رہا ہوں کہ داتا صاحب کے ساتھ جس نے بھی بے وفائی کی اس کا حشر بُرا ہوا۔ آپ نے ارشارۃً فرمایا کہ جب جماعت اہلسنّت داتا صاحب کے دربار پر دائیں طرف سے آئی تھی تو ''ان'' کی حکومت ٹوٹی اور جب بائیں طرف آئی تو ''ان'' کی حکومت ٹوٹی اور آج ہم سامنے سے داتا

صاحب کے قدم چومتے ہوئے آئے ہیں۔آپ نے حکومتی عہدوں سے اظہار نفرت کرتے ہوئے فرمایا کہ فقیر کل بھی گدڑی میں رہتا تھا اور آج بھی گدڑی میں رہتا ہے۔ مستقبل بھی گدڑی میں ہو گا۔شاہ جی نے ایوان اقتدار میں بیٹھنے والوں کے ضمیر کو جھنجھوڑتے ہوئے فرمایا کہ کرسی اقتدار پر بیٹھنے والو! اگر آج تم داتا صاحب کے کام نہ آئے تو کل قیامت والے دن داتا صاحب بھی تمہارے کام نہ آئیں گے۔شاہ جی نے فرمایا کہ ہمارے پاس ووٹ نہیں ہیں لیکن داتا صاحب کی چوکھٹ ضرور ہے۔حکومتی بنچوں میں دہشتگردوں کے حمایتیوں کی موجودگی کے خلاف بطور احتجاج شاہ جی نے فرمایا کہ حکومت والو! اگر تم اقتدار میں رہنا چاہتے ہو تو وہ وزیر جو گستاخ ہیں اور دہشگردوں کی پناہ گاہ بنے ہوئے ہیں ان کو اپنی صفوں سے باہر نکالو اور داتا کے دربار پر حاضری دے کر کہو کہ داتا کل بھی تمہارے تھے آج بھی تمہارے ہیں۔صوبائی وزیر رانا ثناءاللہ کے متعلق اظہار خیال کرتے ہوئے کہا کہ رانا ثناءاللہ کوئی اتنا بڑا نام نہیں ہے غیرت والا ہے تو خود مستعفی ہو جائے اور میاں صاحب کو بھی امتحان میں نہ ڈالے، اس لئے کہ میاں صاحب رانا ثناءاللہ کی بجائے داتا صاحب کے وفادار ہیں اور اگر میں غلط کہتا ہوں تو میاں صاحب کو تردید کرنی چاہیے تا کہ پتہ چل جائے کہ کون کس کا ہے اور پھر ووٹ کس کو ملتے ہیں۔

اہلسنّت کے اتحاد پر بات کرتے ہوئے شاہ جی نے فرمایا کہ ہم اہلسنّت متحد ہیں اور سنّی اتحاد کونسل کے پلیٹ فارم پر اکٹھے ہیں۔ان کی قیادت کے لئے پہلا ووٹ دینے والا میں ہوں۔آپ نے فرمایا قدم بڑھاؤ صاحبزادہ فضلِ کریم ہم تمہارے ساتھ ہیں۔ شاہ جی نے کہا کہ ہمیں قیادت کا کوئی شوق نہیں۔ہم حضور ﷺ کی عزت و ناموس کی خاطر اپنی جان ہتھیلیوں پر رکھ کر میدان عمل میں نکلے ہیں اور قربانی کے لئے تیار ہیں۔
8۔اگست کو شہداء کے چہلم میں شرکت کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ جماعت اہلسنّت چہلم میں بھر پور شرکت کرے گی اور صاحبزادہ حاجی فضل کریم کے ہر حکم پر لبیک کہیں

گے۔آپ نے حاجی فضل کریم سے مخاطب ہو کر کہا کہ آپ اگر ووٹ بائیکاٹ کی مہم بھی چلائیں گے تو ہم گلی گلی، محلے محلے جا کر لوگوں سے کہیں گے کہ اگر غیرت والے ہو تو اس شخص کو ووٹ نہ دینا جو داتا صاحب کے تقدس کو نہیں مانتا۔شاہ جی نے ایک مجذوب کی بات سناتے ہوئے کہا کہ سیّد لوگ تاج نوچ کر کسی دوسرے کے سر پر رکھنا بھی جانتے ہیں وہ بھی ایک سیّد زادہ تھا جس نے ایک چونی کے عوض اقتدار شیر شاہ سوری کو دے دیا تھا۔

غیرت وعشق کے جذبوں کو مہمیز عطا کرنے کے بعد شاہ جی نے اپنا خطاب ختم فرمایا اور شاہ جی کی دعا کے بعد یہ عظیم الشان ریلی اختتام پذیر ہوگئی۔

سیدِ ہجویر رحمۃ اللہ علیہ مخدومِ اُمم

سیّد ارشاد احمد عارف

پنجاب کے دورافتادہ اور پسماندہ علاقے کے اس باسی کو پہلی بار لاہور دیکھنے کا اتفاق ان دنوں ہوا جب داتا کی نگری میں ایوب خان مردہ باد کے نعرے گونج رہے تھے۔ آٹھویں جماعت کے طالبعلم کو اخبار بینی کے شوق کی وجہ سے یہ تو علم تھا کہ چینی مہنگی ہونے کے سبب پیدا ہونیوالی عوامی بے چینی کو سیاستدانوں' بالخصوص ذوالفقار علی بھٹو نے احتجاجی تحریک میں بدل دیا ہے لیکن ہزاروں کے جلسے اور بے قابو جلوس طفلِ دہقانی کیلئے ایک منفرد اور حیرت انگیز تجربہ تھا۔ ویسے بھی لاہور آمد کسی جلسے جلوس میں شرکت کی غرض سے نہیں ہوئی۔ سیّد ہجویر مخدومِ اُمم کے مزار پرانوار پر فاتحہ خوانی اور تاریخی مقامات کے علاوہ انارکلی بازار کی سیر کا شوق لاہور لایا اور پھر اگلے دس گیارہ سال تک آمدورفت جاری رہی۔

تعلیم سے فراغت کے بعد لاہور کو مستقل ٹھکانہ بنانے کا موقع ملا تو داتا دربار حاضری خوشگوار معمول بن گئی۔ المعارف کے حاجی محمد ارشد قریشی' حکیم محمد موسیٰ امرتسری' علامہ اقبال احمد فاروقی' صاحبزادہ محمد سلیم حماد سے تعلق قائم ہوا تو حاضری کے بعد بھی کبھی مکتبہ المعارف اور کبھی صاحبزادہ محمد سلیم حماد کے گھر پر محفلیں جمنے لگیں جس میں ہر مسلک و مشرب کے لوگوں سے ملنے' ان کے علم و فن سے خوشہ چینی کرنے اور طرح طرح کے نظریات کی آگہی کا موقع ملتا۔ ڈاکٹر برہان احمد فاروقی' پروفیسر یوسف سلیم چشتی' سیّد سبط الحسن ضیغم' مولانا عبدالستار خان نیازی' سیّد نور محمد قادری' سیّد آفتاب نقوی' ملک شیر محمد اعوان آف کالاباغ (نواب کالاباغ کے ماموں) اور علامہ طاہر القادری سے انہی محفلوں میں شناسائی ہوئی۔

داتا دربار کے اردگرد پھولوں اور تبرکات کے سٹال تھے۔ کھانے پینے کی دکانوں پر دال، حلیم، زردہ، پلاؤ، اور نان کلچہ، مکھانے اور میوے کے پیکٹوں کے علاوہ دربار پر چڑھانے کیلئے چادریں دستیاب ہوتی تھیں جہاں سے لوگ حسبِ توفیق خریداری کر کے اپنے ذوق کی تسکین کرتے۔ ہر جگہ لنگر کی تقسیم جاری رہتی اور شہر بھر کے بے روزگار، غریب مزدور اور کارکن اور پہلی بار لاہور آ کر قسمت آزمائی کے شوقین داتا کے لنگر سے صبح، دوپہر، شام، شکم کی آگ بجھاتے۔ دربار میں داخلے کے تینوں دروازے چوبیس گھنٹے کھلے رہتے۔ جوتی چوری اور جیب تراشی کا کھٹکا ان دنوں بھی لگا رہتا لیکن ڈر خوف کا جو عالم اب ہے تب اس کا تصور محال تھا۔ پولیس چوکی موجود تھی جس کا کام صرف نوسر باز اور بردہ فروش گروہوں پر نظر رکھنا تھا جو زیارت کیلئے آنیوالے سادہ لوح دیہاتیوں کو لوٹنے اور ماں باپ سے بچھڑ جانے والے بچوں کو اغواء کرنے کی وارداتیں کیا کرتے تھے۔

عرس کے دنوں میں داتا دربار کی مسجد میں وعظ و تلقین اور نعت خوانی کی محفلیں جمتیں جبکہ دربار کے باہر ایک پنڈال میں نامور قوال اپنے سُر کا جادو جگاتے، رات کو قوالی کی محفل میں داخلہ بذریعہ پاس ہوتا لیکن دہشتگردی اور بم دھماکوں کے خطرے کے پیش نظر نہیں دھکم پیل سے بچنے کیلئے یہ اہتمام کیا جاتا۔ قوالی کی مجلسیں ریڈیو پاکستان لاہور سے نشر ہوتیں اور نامور صحافی اور صداکار علامہ وجیہ عرفانی اس کی کمنٹری کیا کرتے تھے۔ ایسی کمنٹری پھر کبھی سننے کو نہیں ملی۔ بخشی سلامت قوال، محمد علی قوال، غلام فرید مقبول صابری قوال اور نصرت فتح علی قوال کو سننے کیلئے لوگ ٹوٹ پڑتے۔ قوالی کے دوران قوالوں پر نوٹوں کی بارش ہوتی اور داتا کے دیوانوں کے وجد سے پوری محفل پر سرمستی اور جذب و شوق کی کیفیت طاری ہو جاتی ہے۔

عرس کے دنوں میں دودھ دہی کی کسی دکان پر دودھ مشکل سے ملتا کیونکہ شہر اور مضافات کے گوالے سارا دودھ مزار کے اردگرد قائم سبیلوں کی نذر کر دیتے ان دنوں مشہور تھا کہ خالص دودھ یا تو بھینس کے کٹے کو دستیاب ہے یا پھر عرس کے دنوں میں حضرت داتا گنج بخشؒ کے زائرین کو ملتا ہے کیونکہ گوالے اس دودھ میں ملاوٹ کو حرام سمجھتے

ہیں۔ قوالی کے پنڈال میں داخلے اور دودھ کی سبیل پر دھکم پیل بھی خوب ہوتی اور بسا اوقات پولیس کو لاٹھی چارج بھی کرنا پڑتا لیکن لاٹھی کھانے والے احتجاجی نعرے بازی یا ہنگامہ آرائی سے گریز کرتے اور اسے بھی عرس کی تقریبات کا حصہ سمجھتے تھے۔ مخیر حضرات حلیم، بریانی اور زردے کی دیگیں لا کر تقسیم کرتے تو چھینا جھپٹی ہوتی اور پیشہ ور لوگ بھی زور آزمائی کرتے لیکن کوئی شخص محروم نہ رہتا۔

حضرت علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کا لنگر 24 گھنٹے جاری رہتا اور تنگ دستی میں لوگ خودکشی یا خودسوزی کی طرف مائل ہونے کی بجائے ادھر کا رخ کرتے۔ آدمی دربار پر حاضری سے دلی سکون بھی حاصل کر لیتا اور لنگر سے کھانے پینے کی کوئی چیز لے کر اپنا اور اپنے بیوی بچوں کا پیٹ بھر لیتا۔ آج کے دور کی نفسا نفسی بھی کم تھی۔ صوفیاء و اولیاء کے دربار ویسے بھی ہمیشہ سے تسکین قلب کے علاوہ لوگوں کی مادی ضرورتوں کی تکمیل کا ذریعہ رہے ہیں۔

حضرت ابوالحسن خرقانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی خانقاہ کے دروازے پر یہ کتبہ چسپاں کرایا تھا۔

"ہر کہ دریں جا بیاید
نانش بدہر داز ایمانش پرسید"

(جو شخص یہاں آئے اسے روٹی کھلاؤ اس کے دین و ایمان کی تفتیش نہ کرو)۔

چند ماہ قبل برخوردار شاہ حسن کے ساتھ داتا دربار جانے کا موقع ملا تو داخلے کیلئے صرف ایک تنگ راستہ، سکیورٹی کے لوازمات، مزار کے باہر مجاوروں کی چھینا جھپٹی دیکھ کر دنگ رہ گیا۔ ان دنوں عرس کی تقریبات جاری ہیں لیکن شرکت سے محروم، برادر عزیز صاحبزادہ خورشید گیلانی اور محترم ارشد قریشی رخصت ہو گئے جن کی معیت میں ایسی مجلسوں کا سواد دوبالا ہوتا۔ صاحبزادہ سلیم حماد کہیں اور نقل ہو گئے اور ہجوم عاشقاں میں اکیلا گھسنے کی سکت نہیں۔ عرس ختم ہو، ہجوم چھٹ جائے اور سکیورٹی ذرا نرم ہو تو "ناقصاں راپیر کامل، کاملاں را رہنما" کے مزارِ پرانوار پر فاتحہ خوانی کا قصد کروں۔

(روزنامہ جنگ 25 جنوری 2011ء)

درگاہوں پر سوگ کا عالم......!

طیبہ ضیاء چیمہ

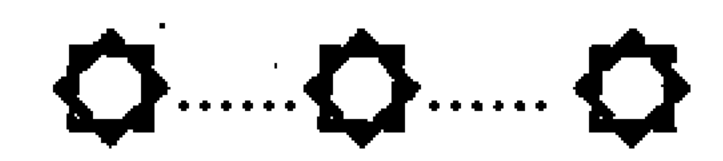
داتا دربار کی قیامت صغریٰ پر سوگ کا سلسلہ جاری ہے۔ جس شخص سے ملو جس راستے سے گزرو داتا صاحب کے مزار پر ہونے والی اندوہناک دہشت گردی کا ذکر ہو رہا ہے بجز ان افراد کے جو دھماکوں کے عادی ہو چکے ہیں اور ہر دھماکے پر ایک ہی جملہ کہتے ہیں کہ ''کوئی نئی بات کریں دھماکے تو اس ملک کا معمول بن چکا ہے''......اتنی بے حسی بھی ٹھیک نہیں۔ ہر دھماکے پر یوں محسوس ہونا چاہئے کہ یہ ہمارے گھر میں ہوا ہے۔ شہید ہونے والے ہمارے اپنے ہیں۔ ملک میں ہونے والی ہر قیامت ہمارے اعمال کا نتیجہ ہے......تمام درگاہوں پر تعزیت کا ماحول چھایا ہوا ہے۔ داتا دربار کے سانحہ سے دل بے حد غمگین ہے۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ کے مریدوں کے مرید حضرت بابا فرید الدین گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ کی درگاہ پاکپتن پہنچی۔ وہاں بھی سارا شہر اداس تھا۔ لوگ افسردہ تھے۔ بابا صاحب کے مزار کا احاطہ سنسان تھا۔ جہاں کبھی رونقیں ہوا کرتی تھیں بہت کم زائرین دکھائی دیئے انہیں بھی سکیورٹی والے کسی ایک جگہ بیٹھنے کی اجازت نہیں دے رہے تھے۔ گو کہ سکیورٹی چاق و چوبند تھی مگر درگاہ کی مکمل حفاظت کی کسی کے پاس گارنٹی نہیں ہے۔ خود کش دھماکے نہایت ظالمانہ فعل ہے۔

بابا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے مزار میں جانے کے دو راستے ہیں جن میں سے قدیم ترین راستہ جو بازار سے ہو کر مزار تک جاتا ہے بند کر دیا گیا ہے۔ صرف نیا تعمیر شدہ راستہ

استعمال ہو رہا ہے۔ زائرین کو بازار تک پہنچنے کی سہولت نہیں رہی۔ مزار پر حاضری کے بعد تقسیم لنگر کے لئے بازار گئی تو دکانیں کھلی تھیں جبکہ رونقیں خاموش تھیں۔ یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے بابا صاحب رحمۃ اللہ علیہ ولیوں کے سردار شیخ علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کے مزار کے سانحہ پر غمزدہ ہیں۔ مزار سے بازار تک عجیب سوگواری کا عالم تھا۔ دیگوں، پھولوں، کتابوں اور دیگر اشیاء فروخت کرنے والے دکانداروں نے بتایا کہ داتا دربار رحمۃ اللہ علیہ کے سانحہ کی وجہ سے لوگ سہم گئے ہیں اور کچھ سکیورٹی کی وجہ سے پریشان ہیں کہ انہیں درگاہ کے احاطے میں زیادہ دیر تک بیٹھنے کی اجازت نہیں دی جاتی۔ سبب جاننا چاہا تو ہر طرف سے ایک ہی جواب سنائی دیا کہ ''بزرگ ہم سے ناراض ہو گئے ہیں۔ ہم پر اللہ کا عذاب آ گیا ہے۔'' ''آوازِ خلق کو نقارۂ خدا سمجھو'' کہا جاتا ہے۔ عام و خاص کی زبان پر جو ہے وہی اللہ کا جواب ہے۔ اللہ تعالیٰ سے شکوہ تو عام ہے مگر جوابِ شکوہ ''سنی ان سنی'' کر دیا جاتا ہے۔ عقل پر پردہ پڑ جاتا ہے۔ آنکھوں پر پٹی باندھ لی جاتی ہے۔ اس عذاب کا علاج جاننا چاہا تو ہر طرف سے ایک ہی آواز سنائی دی کہ ''ہمارے عملوں کی سزا ہے۔'' جھوٹ، فریب، بے ایمانی عام ہے۔ بزرگ آخر کب تک برداشت کرتے۔ بابا رحمۃ اللہ علیہ اور داتا صاحب رحمۃ اللہ علیہ جیسے بزرگانِ دین نے محنتیں، مشقتیں اور قربانیاں اس لئے تو نہیں دی تھیں کہ توحید اور رسالت کی توہین کی جائے۔ پیغامِ حق کی بے حرمتی کی جائے۔ بلاشبہ حکمرانوں کے ظلم نے ملک کو اندھیر نگری بنا دیا ہے مگر عوام اپنے گناہوں اور جرائم کا سارا بوجھ حکمرانوں پر لاد کر پارسا مت بنیں۔ بابا فرید رحمۃ اللہ علیہ کے احاطے میں قوالی کا سلسلہ بھی بند کر دیا گیا ہے۔ احاطہ سنسان تھا۔ پولیس کے ایک اہلکار سے جب پوچھا تو اس نے بتایا کہ سکیورٹی کی خاطر ان کا داخلہ بند کر دیا گیا ہے۔ اگر یہ سلسلہ یونہی جاری رہا تو لاہور میں حضرت شاہ جمال رحمۃ اللہ علیہ کے مزار کے نیچے احاطے میں ہر جمعرات کو ہونے والا ''سائیں پپو کا ڈھول اور اس کے ساتھ مستی اور دھمال'' بھی بند ہو کر رہے گا۔ مجھے یہ جان کر مسرت ہوئی کہ پاکپتن میں بھی اکثریت نوائے وقت پڑھتی

ہے۔ میں نوائے وقت سنڈے میگزین کے لئے تصاویر لے رہی تھی۔ وہاں سب لوگ میرا سنڈے میگزین میں سلسلہ وار مضمون باقاعدگی سے پڑھتے ہیں۔ لوگوں نے بتایا کہ انتہا پسندی کے اس دور میں تصوف اور اولیاء کرام رحمۃ اللہ علیہ کے حقیقی مقام کو جاننے اور سمجھنے کی اشد ضرورت ہے۔ جہالت اس قدر عام ہوتی جا رہی ہے کہ بزرگانِ دین کی زندگیوں کا حاصل پسِ پشت ڈال دیا جاتا ہے۔ جن ہستیوں کی وجہ سے آج ہم مسلمان ہیں ان کو فراموش نہیں کیا جا سکتا یہی وجہ ہے کہ داتاؒ دربار کا سانحہ لمحہ فکریہ ہے۔ پاکستان کے حالات یہ ہو گئے ہیں کہ لوگ سمجھاتے ہیں کہ جمعرات کو کسی مزار اور جمعہ کو کسی بازار جانے سے گریز کرو......اور باقی پانچ دن......؟ موت کا ایک دن معین ہے پھر نیند رات بھر کیوں نہیں آتی......؟ موت کا اتنا خوف نہیں جتنا خوف بعد از موت کا ہونا چاہئے۔ مزاروں، بازاروں اور مساجد کی رونقیں موت کے خوف سے نہیں انجانے خوف سے بے رونق ہو رہی ہیں۔ انجانا خوف موت نہیں ضمیر کی چیختی چلاتی آواز ہے۔ جن لوگوں نے اس آواز کا گلا گھوٹ دیا ہے ان میں عرف عام میں ''بے غیرت'' کہا جاتا ہے اور یہ طبقہ پاکستان میں عذاب وزوال کا اصل مجرم ہے۔ احاطے سنسان ہو رہے ہیں۔ منبر خاموش ہو رہے ہیں۔ مساجد بکھر رہی ہیں۔ بازار ویران ہو رہے ہیں۔ بزرگ ناراض ہو رہے ہیں۔ درگاہیں اور درسگاہیں غیر محفوظ ہوتی جا رہی ہیں......اگر کچھ محفوظ ہے تو وہ اسلام ہے۔ مسلمانوں کی زبوں حالی سے اسلام متاثر ہونے والا نہیں۔ اسلام آقاء نامدار صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب اطہر پر نازل ہوا اور اس کی حفاظت کا ذمہ اسلام نازل کرنے والے پر ہے۔ اسلام کو کوئی خطرہ نہیں ہے البتہ مسلمان تشویشناک خطرات سے دوچار ہیں۔ مسلمان اپنی مسجدوں، مدرسوں اور احاطوں کی فکر کریں۔ مزاروں کا معاملہ اللہ جانے اور اہلِ مزار جانیں......!!!

(روزنامہ نوائے وقت ۹ رجولائی ۲۰۰۰ء)



چڑھے ہوئے ہیں اندھیروں پہ روشنی کے غلاف

نذیر احمد غازی (سابق جج لاہور ہائیکورٹ)

کفر و طاغوت نے عارضی طور پر جہاں جہاں مسلم ممالک یا مسلمانوں کو مفتوح کیا تو انہوں نے بہت بڑی مزاحمت کے بعد کامل حکمرانی کے دن دیکھے لیکن وہ اپنی محبت و اطاعت کا جذبہ دلوں میں نہ اتار سکے۔ ایک برطانوی سیاح نے ہندوستان کے طویل تجزیاتی سفر کے بعد یہ رائے پیش کی کہ مسلمانوں کے دلوں میں اپنے اسلاف کی محبت اس درجہ غالب ہے کہ یہ ان کے مزارات کی اینٹوں تک کو مقدس جانتے ہیں اور اس کی مثال خواجہ معین الدین چشتی کا مزار ہے سمجھ سے بالاتر ہے کہ قبر میں لیٹا ہوا اکیلا شخص لوگوں کے دلوں پر حکمرانی کیسے کر رہا ہے۔ یہ حقیقت ہر دور کے حکمرانوں کو ان کی ناپائیدار حکومت کی طرف توجہ دلاتی رہتی ہے لیکن خدا کو بھول کر خلق خدا پر ناخدائی کرنے کا اندھا بھوت ان کی عقلوں کو بھی اندھا کر دیتا ہے اور یہ بے چارے گارڈ آف آنر کے مارے بوٹوں کی دھمک سن کر دل شاد کرتے رہتے ہیں۔

کسی دانشور نے ایک حکومت شوق کاروباری سے پوچھا کہ ارے میاں تم اتنے امیر ہو کہ جب چاہے جسے چاہے خرید لیتے ہو اور تمہارے آگے پیچھے خدام کا لشکر اور عزت و وقار کے جھنڈے ہوتے ہیں خطیب شہر تمہارا وفادار ہے اور رئیس شہر تمہارا باج گزار ہے پھر یہ شوق ناخدائی نچلا کیوں نہیں بیٹھتا؟ جواب میں میاں بولے کہ ناخدائی میں ایک نشہ ہے کہ جب باوردی قطار اندر قطار سلیوٹ مارتے ہیں تو خون سوا سیر ہو جاتا

ہے۔ دانشور چپ ہو رہا اور سوچنے لگا کہ بڑوں کے نشے بھی بڑے ہوتے ہیں۔ اس نے سوچا کہ ان کے نشے اترتے بھی دیر نہیں لگتی اور محض ایک تھانیدار آ کر شوق سلامی کو کر کرا کر دیتا ہے۔ احتجاج کیا تو تھانیدار نے جواب دیا کہ ہم تو حکم کے بندے ہیں جس کا حکم مضبوط ہوتا ہے اس کی حکومت بھی مضبوط ہوتی ہے اور حکم کی جڑ پاتال میں جمی ہوتی ہے۔ یہ بے چارے کیا جانیں کہ دل کیا ہے اور دل کی پاتال کیا ہے؟ یہ تو ووٹ کے منگتے، حکومت کے منگتے اور پناہ کے منگتے ہیں۔

دلوں کی حکومت تو انہیں نصیب ہے جنہوں نے دل کی راجدھانی میں محبت خدا و مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم بٹھایا ہے۔ وہ مرتے مر گئے لیکن اس ناطے کو قبر ہی میں لے کر اترے اور وہ آج مسلمانوں کے دلوں میں امر ہیں کفر و طاغوت کو پورا اندازہ ہے کہ مسلمانوں کے دلوں میں اسلام اس قدر محبت سے زندہ ہیں تو ان کے دلوں میں محبت خدا و مصطفیٰ ﷺ کس درجہ بلند ہوگی۔ ایک اور یہودی تجزیہ نگار شکست روس کے وقت بولا کہ مسلمانوں کی ثقافت زیر ہو جاتی ہے لیکن ان کا تصوف ہار نہیں مانتا۔ یہ دیکھو امام شامل رحمۃ اللہ علیہ کی روحانی اولاد بالآخر روس کو لے ڈوبی۔ اب یہودیوں کی نئی سازش یہ ہے کہ ہر چار جانب سے ایک بار ہی منظم حملہ کرو۔ یہ حملے فکری، عملی، نفسیاتی اور علمی انداز کے ہوں گے۔

ایک حملہ کار پاکستانی لباس پہنے ہر دربار اور ہر سرکار میں آ دھمکتا ہے پیران سالوس کو نذر دیتا ہے اور رعطا سؤ کو مائل بہ تصوف کرتا ہے۔ سال دو سال گزار کر اس نے مادہ پرست ڈالر خور دہشت گردوں کو راہ سجھائی کہ یہ پاکستان میں ایک مرکز رشد و محبت مزار داتا گنج بخشؒ ہے اس کی مرکزیت کو ختم کر دو تمہارے لئے بھی راستے آسان ہو جائیں گے اور ہماری تمہاری دوستی بھی حسب سابق برقرار رہے گی۔ بلیک واٹرز نے ریڈ واٹرز سے پکا معاہدہ کر لیا ہے کہ نام کو بلیک واٹرز اور کام کو ریڈ واٹرز، کام مکمل ہوا اور جال بچھانے والے مفسدین نے مصلحین کا لبادہ اوڑھ کر حکومت کے اعصاب پر سواری گانٹھ لی ہے حکومت ان سے اور وہ حکومت سے ہم راز ہیں۔ یہ جو روزانہ تبادلوں کی ہلچل نظر آتی

ہے اس میں صرف حاکم کا غصہ ہی نہیں ہے۔ عالم بھی آن لائن ہے بے چارے شوق کے مارے خوف خدا سے یکسر خالی ہیں۔

لباس زہد کی ظاہر فریبیوں پہ نہ جا
چڑھے ہوئے ہیں اندھیروں پہ روشنی کے خلاف

قرآن نے اس تاریخ کی شہادت دی ہے کہ فراعنہ مصر میں بھی اپنے عوام کے دکھوں کا احساس موجود ہوتا تھا۔ مصر کے حاکم نے جب خواب میں حالات دگرگوں دیکھے تو اس کے نزدیک جو صالح تھا وہ یوسف علیہ السلام تھے جناب یوسف علیہ السلام نے حاکم مصر کو مستقبل کے گھمبیر مسائل سے آگاہ کیا اور منصوبہ بندی کے فطری اصولوں سے آگاہ فرمایا۔ مگر آج کے حاکم کیسے بے خبر ہیں کہ عوام کی خون ریزی کی خبر انہیں معلوم ہو چکی تھی پھر تازہ ترین خبریں بھی موصول ہوئی تھیں کہ مزار داتا گنج بخش پر یہ خونچکاں کھیل کھیلا جائے گا۔ انہوں نے نے کوئی تدبیر نہ کی اوپر سے نیچے تک اور نیچے سے اوپر تک مقتدرہ انتظامیہ مع اہلکاروں کے اسی جال میں جکڑی ہوئی ہے جو اوپر سے پھینکا گیا ہے اور گونگے شیطان اشارہ چشم سے اس چال کو خدائی جہاد قرار دیتے ہیں۔

یہ مرکز تجلیات داتا دربار پاکستان کے کس صوبے اور کس شہر میں واقع ہے۔ اس کی حفاظت اور تقدس برقرار رکھنے کی ذمہ داری کس پر عائد ہوتی ہے؟ داتا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے جانثاروں سے دین کے نام پر ووٹ کون لیتا ہے؟ داتا صاحب کے امور مذہبیہ کمیٹی RPC کے ممبران اور چیئرمین کون نامزد کرتا ہے؟ میری باوثوق اطلاع کے مطابق داتا صاحب کی امور مذہبیہ کمیٹی کا انچارج اگرچہ ایڈمنسٹریٹر ہوتا ہے لیکن ہر ہر رکن کی سیاسی پشت پناہی ہوتی ہے اور وزیر اعلیٰ کی یا دیگر صوبائی وزراء کی ذاتی دلچسپی شامل ہوتی ہے۔ سوال یہ ہے کہ اندرونی انتظامیہ اور بیرونی انتظامیہ یعنی پولیس کا پورا پورا کردار کیا ہے۔ یہ بات واضح ہے کہ پاکستان کی سب سے بڑی مرکزی مذہبی و دینی اجتماع گاہ داتا صاحب کا مزار ہے جہاں روزانہ لاکھوں افراد حاضری دیتے ہیں اور اپنی عقیدت کا اظہار

کرتے ہوئے گورنمنٹ آف پنجاب کے رکھے ہوئے صندوقوں کو وقیع کرنسی سے بھر دیتے ہیں اور اوقاف کا ایک بڑا ذریعہ آمدن حضرت داتا صاحب کا مزار ہے گویا سب سے زیادہ ٹیکس یہ مقدس مرکزی عمارت ادا کرتی ہے اس کی حفاظت کا تقاضا اور پھر پنجاب کے غالب اکثریتی عوام الناس کی مذہبی عقیدت کا احترام حکومت پنجاب پر واجب بلکہ فرض عین ہے لیکن ہر حکومت اور ادارے کی اپنی اپنی ترجیحات ہیں۔حکومت کے کل پرزوں پر خاموش ملک دشمن مسلط ہیں۔انہوں نے پورے ملک کے سیاستدانوں پر ذہنی دہشت طاری کی ہوئی ہے اس لئے مقتدر سیاستدانوں کا ہر بچہ بھی پولیس کی حفاظت میں حرکت کرتا ہے۔وطن عزیز کی آدھی پولیس ملزمان کا پیچھا کرتی ہے اور آدھی پولیس مقتدر سیاستدانوں کی چوبیس گھنٹے حفاظت پر مامور رہتی ہے۔

عوام بے چارے اپنی جان، مال، جائیداد، ایمان اور عقیدے کی خود حفاظت کرتے ہیں۔دین کے نام پر وجود میں آنے والا یہ ملک دینداری کے تحفظ میں ناکام ہو چکا ہے اس ملک میں ہر محسن کو گالی دینا آسان ہے ملک دشمنوں کو قائدین ملت کا لقب دینا آسان ہے۔اے ارباب بست وکشاد! تم مخدومِ اُمم کی درگاہ کی حفاظت اس لئے نہ کر سکے کہ تم اپنی ذات کے مزار کی تعمیر کر رہے ہو لیکن یاد رکھو کہ مزار تو صاحبان دل کے ہوا کرتے ہیں۔تمہاری فرعونیت تو فراعنہ مصر سے بھی آگے بڑھ گئی ہے تمہیں فطرت کھوکھلا کر رہی ہے۔سانحہ داتا کے شہداء کی روحیں اعلیٰ علین میں چین سے ہیں لیکن ان کے پسماندہ لواحقین کی بددعائیں تمہارے اقتدار کو اسفل سافلین میں اتار کر چین سے بیٹھیں گی۔تم بزدل بلیک واٹر سے ڈرتے ہو اور ایڈوائزر سے جھجکتے ہو امریکہ کے زرخرید ڈالر بردار کب تک تمہیں مذہب کے نام پر ڈراتے رہیں گے۔

مفسدین سے بچو اور مصلحین کا دامن تلاش کرو.......

بکل دے وچ چور وے تیری بکل دے وچ چور

(روزنامہ نوائے وقت ۱۷ جولائی ۲۰۱۰ء)

حضرت علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کا روحانی فیض

ہزاروں سال سے جاری!

خالد بہزاد ہاشمی

لاہور ایک ہزار سال سے زائد عرصہ سے اولیاء کرام اور صوفیا کا مسکن رہا ہے لیکن جو عزت اور تکریم حضرت علی ہجویری المعروف داتا گنج بخشؒ کے حصہ میں آئی اس سے دیگر محروم رہے۔ آپ کو دنیا سے پردہ کئے 966 سال گزر چکے ہیں لیکن آج بھی ہزاروں بندگان خدا روحانی فیض سے آپؒ کی چوکھٹ پر سر جھکانا اپنے لئے باعث تکریم سمجھتے ہیں۔ آپ کا سلسلہ نسب آٹھ واسطوں سے شیرِ خدا حضرت علی المرتضیٰ سے جا ملتا ہے۔ آپ نے شیخ ابوالفضل بن حسن الختلیؒ رحمۃ اللہ علیہ سے روحانی فیض حاصل کیا جو شیخ ابوالحسن مصری کے مرید اور حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کے متبعین میں سے تھے۔ حضرت شیخ ابوالفضل ختلی رحمۃ اللہ علیہ ساٹھ سال تک پہاڑوں میں گوشہ نشین رہ کر مصروف عبادت رہے تھے اور چاہ میراں لاہور میں محو خواب حضرت شاہ حسین زنجانی رحمۃ اللہ علیہ بھی آپ کے مرید تھے۔ مرشد کے حکم پر حضرت علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ لاہور تشریف لائے تو رات ہونے کے باعث فصیل کے باہر ٹھہرنا پڑا۔ صبح شہر میں داخل ہوئے تو ان کا پیر بھائی حضرت حسین شاہ زنجانی رحمۃ اللہ علیہ کا جنازہ باہر آرہا تھا۔ چنانچہ وہ اس وقت مرشد کے لاہور بھیجنے کے حکم کا مطلب سمجھ گئے۔ پیر بھائی کے جنازے اور تدفین کے بعد آپ نے لاہور کے باہر دریائے راوی کے کنارے مسجد تعمیر کی اور وہاں

مستقل سکونت اختیار کی۔ یہ برصغیر میں سب سے پہلی وسیع و عریض مسجد تھی جس کی بنیاد آپ نے رکھی اسی لئے مورخین نے اسے کعبہ پنجاب و ہند کے نام سے یاد کیا۔ یہ سلطان محمود غزنوی کے صاحبزادے سلطان مسعود غزنوی کا عہد تھا۔ ڈاکٹر مولوی محمد شفیع کے مطابق آپ 460ھ کے بعد لاہور تشریف لائے۔ آپ سے قبل خطہ لاہور حضرت اسماعیل بخاری رحمۃ اللہ علیہ ہال روڈ اور حضرت شاہ حسین زنجانی رحمۃ اللہ علیہ کے روحانی فیض سے منور تھا۔

سلطان الہند حضرت خواجہ غریب نواز حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کے مزار مبارک پر چلہ کشی کی اور جاتے ہوئے وہ مشہور عالم شعر کہا جو آپ کے آستانہ مبارک پر رقم ہے۔

گنج بخش فیضِ عالم مظہرِ نورِ خدا
ناقصاں را پیرِ کامل کاملاں را رہنما

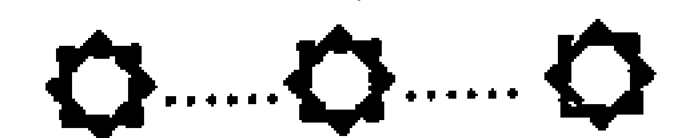
حضرت سلطان الہند نے آپ کے پیر بھائی حضرت شاہ حسین زنجانی کے مزار پر بھی چلہ کشی کی تھی۔ یوں آپ کے مرشد شیخ ابوالفضل کو یہ منفرد اعزاز حاصل ہوا کہ ان کے دو مریدوں کے مزارات پر خواجہ غریب نواز نے چلہ کشی فرمائی۔

حضرت علی ہجویری المعروف داتا گنج بخشؒ جب لاہور تشریف لائے تو لاہور کا ایک حصہ غازیوں کے نام سے مشہور تھا اور یہ غازی بغیر کسی تنخواہ کے جہاد کے لئے تیار رہتے تھے اور ان کا گزارہ مال غنیمت پر ہوتا تھا۔ لاہور کی غیر مسلم آبادی مسلمانوں کا تمسخر اڑاتی اور مائیں اپنے بچوں کو مسلمانوں کی شکلوں سے ڈراتی تھیں۔ ایسے نامساعد حالات میں آپ نے یہاں تبلیغ اسلام شروع کی جس کی ہندو آبادی نے مزاحمت کی۔ لاہور کے ناظم الامور رائے راجو راجپوت نے جو جادوگری، نجوم، ریاضی اور دیگر علوم کا ماہر تھا آپ کے دست حق پر بیعت کی اور تاریخ میں حضرت شیخ ہندی کے خطاب سے مشہور ہوا اور آج بھی آپ کے روضہ سے متصل محو خواب ہے۔ حضرت علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے 34

سال تک اسلامی تعلیمات اور اپنے اخلاق و کردار سے لاہور شہر کی بڑی آبادی کو مسلمان کیا۔ حضرت سلطان الہند کے بعد ان کے خلیفہ حضرت خواجہ بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ، ان کے خلیفہ حضرت شیخ العالم بابا فرید گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے خلیفہ سلطان المشائخ، محبوب الٰہی، حضرت نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ نے بھی یہاں حاضری دی اور یہاں سے روحانی فیض حاصل کیا۔

آپ نے بہت سی تصانیف لکھیں جن میں کشف المحجوب کو عالمگیریت حاصل ہوئی۔ حضرت محبوب الٰہی خواجہ نظام الدین اولیاء فرماتے ہیں کہ جس کا کوئی پیر و مرشد نہ ہو اسے کشف المحجوب کے مطالعہ سے خیر و برکت مل جائے گی۔ شاہ جہاں کے لخت جگر شہزادہ دارا شکوہ قادری لکھتا ہے کہ حضرت کی بہت سی تصانیف ہیں لیکن ان سب میں کشف المحجوب بے حد مشہور و مقبول ہے کسی کو بھی اس کے بارے میں کلام نہیں ہو سکتا کہ یہ کتاب مرشد کامل کا درجہ رکھتی ہے۔ فارسی زبان میں تصوف کی کتابوں میں اس سے بہتر کوئی کتاب نہیں لکھی گئی۔ آپ کے وصال کے بعد حضرت شیخ ہندی نے اپنے ہاتھ سے لحد مبارک اور چبوترہ تیار کیا۔ بعدازاں ظہیر الدین ابراہیم غزنوی (451-492ء) نے آپ کی قبر بنوائی۔ مغل اعظم جلال الدین اکبر نے آٹھ پہلو مقبرہ، مزار کے گرد چار دیواری اور بڑے دالان تعمیر کرائے۔ رنجیت سنگھ، اس کے فیل بان میاں عرض خان اور ملکہ مائی موراں سرکار نے بھی یہاں بہت سی تعمیرات کرائیں۔ نور محمد سادھو نے لکڑی کی چھت کی جگہ پختہ گنبد تعمیر کرایا۔ 1940ء میں مولوی فیروز دین (فیروز سنز) نے لکڑی کی جالیوں کی جگہ سنگ مرمر کی جالیاں لگوائیں اور بیرونی دیواروں پر سنگ مرمر نصب کرایا اور مزار کے گنبد کو سبز ٹائلوں سے مزین کیا۔

(روزنامہ نوائے وقت ۳ر جولائی ۲۰۱۰ء)



دل میں دھماکہ

نذیر ناجی

بزرگانِ دین کے مزارات اسلامی دنیا کی شناخت اور عقیدت کا مظہر ہوتے ہیں۔ مسلک اور عقیدہ کوئی ہو سب کسی نہ کسی انداز میں، اپنے اپنے محترم اور محبوب روحانی پیشواؤں کو نذرانہ عقیدت پیش کرتے ہیں۔ برصغیر میں سنّی العقیدہ مسلمانوں کی اکثریت بہت زیادہ ہے۔ مولانا شاہ احمد نورانیؒ اسی لئے انہیں ''سوادِ اعظم'' کہا کرتے تھے۔ برصغیر میں چند درگاہیں مسلک اور عقیدے سے بالاتر ہو چکی ہیں۔ وہاں ہر عقیدے کے مسلمان ہی نہیں، مختلف مذاہب کے لوگ بھی نذرانۂ عقیدت پیش کرنے آتے ہیں۔ ان میں سرفہرست حضرت خواجہ معین الدین چشتی، حضرت علی ہجویری داتا گنج بخشؒ خواجہ فرید الدین چشتی، حضرت شہباز قلندر رحمۃ اللہ علیہ، شاہ عبداللہ غازی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت میاں میر رحمۃ اللہ علیہ، خواجہ نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ، حضرت سلطان باہو رحمۃ اللہ علیہ۔ میں نے صرف چند نام لکھے ہیں ورنہ جو بھی درگاہ جہاں پر موجود ہے، وہیں عقیدت مندوں کے ہجوم موجود رہتے ہیں۔ ان درگاہوں نے ہر عقیدے کے مسلمانوں کو محبت کے ایک ہی رشتے میں باندھ رکھا ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ جہاں ملاّں نفرتیں سکھاتا اور پھیلاتا ہے، وہاں بزرگانِ دین کے یہ مزار محبتوں کی شمعیں روشن کر کے تعصب اور تنگ نظری کے اندھیروں کو دور کرتے ہیں۔ حضرت داتا گنج بخشؒ کے عقیدت مند بھی مذہب و مسلک سے بالاتر ہوتے ہیں۔ ان کے دربار میں ہر کوئی حاضری دیتا ہے۔ کراچی میں

ایسٹرن کافی ہاؤس ہوا کرتا تھا۔ اس کے مالک پارسی تھے۔ خدا کرے اب بھی زندہ ہوں۔ وہ جب لاہور آتے، تو کبھی کبھار مجھے یاد کرلیا کرتے۔ میں نے نوٹ کیا کہ وہ ہوٹل میں اپنے کمرے سے ننگے پاؤں نکلتے اور اسی حالت میں گھومتے رہتے۔ استفسار پر انہوں نے بتایا کہ وہ لاہور میں صرف داتا صاحب کے مزار پہ حاضری دینے آتے ہیں۔ ایئرپورٹ پر اترنے سے پہلے جوتے اتار کر پیک کرلیتے ہیں۔ داتا کی نگری میں وہ ننگے پاؤں رہتے ہیں۔ واپسی کے لئے جہاز میں بیٹھنے کے بعد دوبارہ جوتا پہنتے ہیں۔ عقیدت کا یہ عالم بہت کم دیکھنے میں آتا ہے اور وہ بھی کسی غیر مسلم کے حوالے سے۔

تحریک پاکستان کے دوران تمام مسلمان اپنے اپنے مسلک سے بالاتر ہو کر وحدت کی ایک ہی لڑی میں پروئے گئے تھے۔ اس وقت بھی ملاؤں کی اکثریت تحریک پاکستان اور قائداعظم رحمۃ اللہ علیہ کے خلاف تھی۔ ہر ایک اپنی حیثیت کے مطابق قیام پاکستان کی مخالفت میں پیش پیش تھا۔ جتنے ملا حضرات آج بڑھ چڑھ کر پاکستان کے مالک اور وارث بنے بیٹھے ہیں، اگر ان میں اخلاقی جرأت ہوتی تو قیام پاکستان کے بعد سیاست سے توبہ کرلیتے اور زندگی کا باقی حصہ خدا کی یاد میں گزارتے۔ لیکن بظاہر دین کے ان علمبرداروں میں سے بیشتر دنیاداری اور مفاد پرستی میں آلودہ ہوتے ہیں اور اپنے مقاصد کے لئے دیگر مسالک کے خلاف زہر اگلتے ہیں، جو درحقیقت کاروباری حربہ ہے۔ ایسا کر کے وہ دوسرے مسالک کی ''مارکیٹ'' خراب کر کے اپنی مارکیٹ کی قدر بڑھاتے ہیں۔ مقصد محض یہ ہوتا ہے کہ زیادہ لوگ ان کی طرف آئیں اور ان کا کاروبار زیادہ چمکے۔ دین کی خدمت ان کا مقصد ہو، تو وہ ہر کلمہ گو کو ایک ہی نظر سے دیکھیں اور ہر وہ شخص جو رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری نبی ہونے پر یقین رکھتا ہے، اس کو اپنا بھائی تصور کریں۔ کیونکہ اسلام کا حکم یہی ہے۔ مگر وہ ایسا نہیں کرتے۔ جب میں تحریک پاکستان کے دنوں کو یاد کرتا ہوں، تو قائداعظم کی قیادت میں جمع ہونے والے تمام لوگ فرقہ بندیوں سے آزاد ہوتے تھے۔ کوئی تقسیم نہیں تھی۔ کوئی تفرقہ نہیں تھا۔ سب ایک

دوسرے کے عقیدوں اور مسالک کا احترام کیا کرتے تھے۔ فرقہ بندی نے اس وقت سر اٹھایا، جب پاکستان کی مخالفت کرنے والے ملاؤں نے پہلے اپنی پاکستان دشمنی کی یاد دیں بھلانے کے لئے لو پروفائل میں رہ کر وقت گزارا۔ جب دیکھا کہ لوگ ان کی پاکستان دشمنی کو بھولنے لگے ہیں تو پہلے انہوں نے اپنے ماضی کی کارستانیوں کی وضاحتیں کیں۔ ایک عرصے تک دفاعی پوزیشن میں رہے اور جب پاکستانی عوام نے انہیں برداشت کرنا شروع کیا تو یہ تحریک پاکستان میں حصہ دار بننے لگے اور دیکھتے ہی دیکھتے پاکستان کے ٹھیکیدار بن بیٹھے ہیں۔ جیسے ہی ان کے اثرات پھیلنے لگے، ان کی کاروباری صلاحیتیں نمایاں ہوئیں اور یہ بالکل دکانداروں کی طرح ایک دوسرے کے عقائد کو اسی طرح غلط قرار دینے لگے، جیسے کوئی صنعتکار دوسری مصنوعات کو ناقص قرار دے کر اپنے مال کو سراہتا ہے۔ ملاؤں کو اسی دُکانداری نے لوگوں کو اپنے ہی بھائیوں کے خلاف بھڑکانا شروع کیا اور ہر کوئی دوسرے کو واجب القتل قرار دینے لگا۔ میں ہمیشہ سے ایک بات لکھتا ہوں کہ جب ریاست کو مذہبی بنایا جائے گا تو اس میں مذہبی منافرتیں بھی در آئیں گی اور چونکہ ریاست اور سیاست میں دولت اور اختیار ہوتا ہے۔ اس لئے مذہب کے ٹھیکیدار ریاست اور دولت پر قبضے کے لئے ہر حربہ استعمال کریں گے اور اپنی ہر حرکت کے جواز میں مذہب کا نام استعمال کریں گے۔ یہ کام شروع ہو چکا ہے۔ پہلے ایک مسلک کے لوگوں کو کافر قرار دیا گیا۔ پھر دوسرے مسلک والے کافر ٹھہرے اور اب ایک ہی مسلک کے لوگ دوسرا نقطہ نظر رکھنے والے کو کافر کہنے لگے ہیں۔ دہشت گردی کی جو لعنت اسلام کے پردے میں نمودار ہوئی، اس میں عربوں کے اندر پیدا ہونے والا ایک گروہ پاکستان میں گھس آیا، جسے تکفیری کہا جاتا ہے۔ میں اپنے کالموں میں اس گروہ کی نشاندہی کرتا رہا ہوں۔ اس گروہ کے لوگ اپنے سوا سب کو کافر سمجھتے ہیں اور انہیں قتل کرنا کارِ ثواب تصور کرتے ہیں۔ جو بچے اور نوعمر لڑکے ان کے فریب میں آجاتے ہیں۔ یہ انہیں باقی دنیا سے کاٹ کر اس طرح الگ تھلگ کر دیتے ہیں کہ وہ نہ کسی کو مل سکتے ہیں نہ باہر کی دنیا میں

کسی سے بات کر سکتے ہیں اور نہ کسی دوسرے کے خیالات سے آگاہ ہو سکتے ہیں۔ ان کی اس طرح برین واشنگ کی جاتی ہے کہ وہ کسی بھی بڑے ہجوم میں خودکش حملہ کرنے کے لئے تیار ہو جاتے ہیں اور انہیں یقین ہوتا ہے کہ یہ قاتلانہ حملہ کر کے وہ سیدھے جنت میں جائیں گے۔ شمالی وزیرستان میں تکفیریوں کا ایک پورا نیٹ ورک کام کر رہا ہے۔ داتا دربار پر وحشیانہ حملے کے بعد عام شہریوں کا ردِعمل یہ تھا کہ "یہ کیسے مسلمان ہیں جو اپنے ہی بھائیوں کا خون بہا رہے ہیں؟" یہ بات سو فیصد درست ہے۔ حقیقت میں یہ تکفیری ٹولہ مسلمانوں کے ہر مسلک اور فرقے کو غلط اور گمراہ سمجھتا ہے۔ اپنے سوا کسی کو مسلمان نہیں مانتا۔ سب کو قتل کرنا اس کے عقیدے کا حصہ ہے۔ پاکستان میں ان کا وجود نہیں تھا۔ یہ افغان جہاد کے پردے میں ہماری سرزمین پر وارد ہوئے اور اب یہاں اپنے خفیہ مراکز بنا کر بیٹھ گئے ہیں۔ طالبان کے نام پر کام کرنے والی کوئی سیاسی تحریک ان سے وابستہ نہیں رکھتی اور نہ ہی افغانستان اور پاکستان کے اندر بحالی امن کے لئے ہونے والا کوئی انتظام ان کی سرگرمیوں کا خاتمہ کر سکے گا۔ یہ گمراہوں کا ایک چھوٹا سا لیکن بے حد منظم ٹولہ ہے، جسے طالبان اور تمام مذہبی مسالک سے علیحدہ کر کے دیکھنا ہوگا اور اس سلسلے میں خفیہ ایجنسیوں کو متحرک اور عوام کو منظم کرنا پڑے گا۔ یاد رہے مذہبی دکانداران مخصوص دہشت گردوں سے اپنے اپنے مفادات کے تحت بھی کام لیتے ہیں۔ لیکن داتا دربار کے دھماکے خالص مذہبی جنونیوں کا کام لگتا ہے۔ یہ دربار، جو درحقیقت ایک وسیع و عریض مسجد ہے۔ یہاں جمعرات کی شام لوگ عبادات کے لئے جمع ہوتے ہیں۔ کوئی تلاوت کرتا ہے۔ کوئی حمد پڑھتا ہے۔ کوئی نعت پڑھتا ہے۔ کوئی وظیفہ پڑھتا ہے اور کوئی خاموش بیٹھ کر دل ہی دل میں خدا کو یاد کرتا ہے۔ سب اپنے اپنے طریقے کے مطابق اللہ تعالیٰ کو خوش کرنے میں لگے ہوتے ہیں۔ ایسے پاکیزہ اجتماع میں دھماکہ کرنے کا حوصلہ صرف وہی شخص کر سکتا ہے، جو ساری دنیا کو غلط اور خود کو برحق سمجھتا ہو۔ ایسے لوگ صرف تکفیری گروہ میں ہوتے ہیں۔ مسلمانوں کا کوئی فرقہ ایسی وحشت و درندگی کا مظاہرہ نہیں کر سکتا۔ ہمارے

تمام تفتیشی اداروں کو سیاسی اور روایتی دہشت گردوں کی بجائے، تکفیری نیٹ ورک کی طرف دیکھنا چاہیئے۔ اگر یہ لوگ نہ پکڑے گئے تو پاکستان میں کوئی درگاہ، کوئی مزار محفوظ نہیں رہے گا۔ یہ ایک سلسلے کی ابتداء ہے۔ اسے دہشت گردی کی روایتی مہم سے علیحدہ کر کے دیکھنا چاہیئے۔ جگہ کا انتخاب بھی خالص تکفیری ذہن کی نشاندہی کرتا ہے۔ لاہور پاکستان کا دل ہے اور داتا دربار لاہور کا دل ہے اور یہ دھماکہ ہمارے دل میں کیا گیا ہے۔

(روزنامہ جنگ ۳/جولائی ۲۰۱۰ء)



حالت جنگ کے تقاضے پورے کرنے ہوں گے

محمد عامر خاکوانی

کیا ہم حالت جنگ میں ہیں؟ کیا ہماری ریاست اور حکومتی اداروں کے طرزِ عمل سے اس کی عکاسی ہوتی ہے؟ کیا عوام کے مختلف طبقات اور اہلِ فکر حلقے اس حقیقت کا ادراک کر پائے ہیں؟

پاکستان کو دہشت گردی کے خلاف جنگ جیتنا ہے تو ان سوالات کے جواب حاصل کرنے ہوں گے۔ قومیں آزمائش کی بھٹی میں تپ کر ہی کندن بنتی ہیں۔ چیلنجز ان کے لئے مہمیز کا کام دیتے ہیں۔ ضرورت اس امر کی ہوتی ہے کہ اس قوم کی اشرافیہ اور عوام کمر کس کر کھڑے ہو جائیں اور اپنی پوری قوت سے آن پڑی افتاد کا مقابلہ کریں۔ چرچل سے ایک بار پوچھا گیا کہ دوسری جنگ عظیم برطانیہ عظمیٰ کے لئے تباہ کن ثابت ہوئی کہ جنگ میں ہونے والے نقصان کے ساتھ ساتھ برصغیر پاک و ہند جیسے علاقے اس کے قبضے سے نکل گئے۔ برطانوی مدبر نے برجستہ جواب دیا، ''مقبوضہ علاقے تو تاریخ کے عمل کے تحت نکل ہی جانے تھے مگر اس جنگ نے برطانوی عوام کو ذہنی اور اعصابی اعتبار سے اس قدر مضبوط کر دیا کہ آگے پچاس سو سال تک اس کے اثرات رہیں گے۔ یہ جنگ آنے والی نسلوں کو اپنی قوم کے حوصلے اور قوت برداشت کی یاد دلاتی رہے گی۔'' دہشت گردی کے خلاف جنگ ہماری فطری چوائس نہیں تھی، حالات کے جبر نے یہ ہمارے اوپر مسلط کی لیکن اگر قومی قیادت، انٹیلی جینشیا اور عوام اس آزمائش سے سرخرو

ہو گئے تو آنے والے زمانے ہمیں یاد رکھیں گے۔

لاہور میں داتا دربار میں ہونے والے دہشت گردی کے سفاکانہ واقعے نے جہاں پوری قوم کو ہلا کر رکھ دیا وہاں اس واردات سے ہماری حکمت عملی اور کاؤنٹر ٹیررازم سٹرٹیجی میں موجود خلا کھل کر سامنے آ گئے۔ ہمارے خیال میں اپنی کمزوریوں کا تجزیہ کر کے انہیں دور کرنا ہوگا کہ خود احتسابی ہی کامیابی کی کنجی ہے۔ ریاستی اداروں کی حکمت علمی دو سطحوں پر استوار ہوتی ہے، ایک تصور (Perceptio) کی جنگ ہے، اس کی غیر معمولی نفسیاتی اہمیت ہے۔ اس جنگ کو جیتے بغیر عوام کے دل و دماغ مسخر کرنے ممکن نہیں۔ دوسری سطح (Layer) عملی لڑائی کی ہے، اس کے تین بنیادی حصے ہیں، ہیومن انٹیلی جنس، نیٹ ورک کو توڑنا جبکہ تیسرا سکیورٹی کا انتظام۔

☆...... جہاں تک تصور کی جنگ کا تعلق ہے، تین سال پہلے تک یہ جنگ دہشت گرد ہی جیت رہے تھے، انہوں نے کمال مہارت سے یہ تصور عام کر دیا تھا کہ پاکستانی فورسز اور ریاست امریکہ کی لڑائی لڑ رہے ہیں۔ پچھلے ڈیڑھ دو برسوں کے دوران دہشت گردوں کی مہم کا سحر بڑی حد تک ٹوٹ گیا۔ سوات سے اس کی ابتداء ہوئی اور پھر باجوڑ سے جنوبی وزیرستان تک فورسز کے آپریشن کو بھرپور عوامی حمایت حاصل رہی۔ دہشت گردی کے خلاف جنگ میں اب عوام کا بہت بڑا حصہ یکسو ہو چکا ہے، اس میں میڈیا نے بھرپور کردار ادا کیا۔ میڈیا اور سول سوسائٹی کی بھرپور حمایت کے بغیر آگے بڑھنا ممکن نہیں تھا۔ تاہم تصور کی جنگ اپنے اہم ترین دور میں داخل ہو چکی ہے۔ دہشت گردوں کے حامیوں کا ایک طریقہ کار یہ ہے کہ ان کی وارداتوں کے بارے میں شکوک پیدا کیے جائیں تا کہ ان کی سفاکی کا کچھ جواز فراہم ہو سکے۔ یہ کہنا کہ پنجاب میں دہشت گردی ڈرون حملوں کا ردعمل ہے یا پھر داتا دربار جیسے حملوں کے بعد یہ کہنا کہ یہ مسلمان نہیں ہو سکتے اور ان میں غیر ملکی ملوث ہیں...... دراصل ایسی باتیں کرنا دہشت گردوں کو سپورٹ کرنے کے مترادف ہے۔ یہ سامنے کی حقیقت ہے کہ پاکستانی طالبان یا پنجابی طالبان

کے نام کے گروپ مذہبی جنونیت کو ایکسپلائٹ کر رہے ہیں، ان کی وارداتوں کا ایک خاص سٹائل اور انداز ہے۔ یہ گروپ ان حملوں کی ذمہ داری قطعی قبول نہیں کرتے جن میں عوامی ردِعمل کا خطرہ ہوتا ہے۔ داتا دربار پر حملے کے اگلے روز حزب التحریر کا ایک ٹیکسٹ میسج آیا کہ اس میں بلیک واٹر ملوث ہے۔ ہمیں کسی بلیک یا وائٹ واٹر سے کوئی ہمدردی نہیں مگر اس موقع پر یہ بات کہنا حقیقی دہشت گردوں کو بچانے کے مترادف ہے جس کی شدید مذمت کرنی چاہیئے۔

☆......اس جنگ میں فرقہ وارانہ جنونیت بھی کہیں نہ کہیں پر اپنا کردار ادا کر رہی ہے۔ ہمیں اس عفریت کا بھی مستقل بنیادوں پر کوئی حل ڈھونڈنا ہو گا۔ بڑی نزاکت اور مہارت کے ساتھ فرقہ وارانہ زہر اُگلنے والوں کی بیخ کنی کرنی ہوگی۔ یہ بھی یاد رہے کہ ریاست تصور کو نہیں بدل سکتی۔ اس کی کلید تین ہاتھوں میں ہے۔ دانشوروں اور مذہبی رہنماؤں کو اپنا کردار ادا کرنا ہو گا، اس کے ساتھ ساتھ نصابِ تعلیم میں تبدیلی لانا ہوگی۔ ہمیں اپنی اگلی نسل کو انسانی زندگی کی اہمیت سکھانی ہوگی۔ Pro Life کردار سکھانا ہوگا۔ اسے مسلکوں کی چپقلش سے نکالنا ہو گا۔ ایسا کیے بغیر یہ جنگ فوری طور پر تو جیت لی جائے گی مگر چند برسوں کے بعد دوبارہ فتنہ کھڑا ہو جائے گا۔

☆......جہاں تک عملی جنگ یعنی فیلڈ سٹریٹیجی کا تعلق ہے، یہ تو ثابت ہو گیا کہ ہماری ہیومن انٹیلی جنس بری طرح ناکام ہو چکی ہے۔ دہشت گردی کی جنگ میں انٹیلی جنس اطلاعات سب سے زیادہ اہم ہیں۔ دنیا بھر میں گوریلا تحریکوں اور عسکریت پسندوں کا خاتمہ کر کے لئے ان کی صفوں میں اپنے آدمی گھسانے ہوتے ہیں۔ جس قدر اعلیٰ سطح پر انٹیلی جنس موجودگی ہوتی ہے اتنا ہی دہشت گردوں کے منصوبوں کو پہلے مرحلے میں ہی ناکام بنانا ممکن ہو جاتا ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ ہمیں اپنے انٹیلی جنس سسٹم میں بڑے پیمانے پر ردو بدل کی ضرورت ہے۔ ہمارا روایتی انٹیلی جنس سسٹم سیاست دانوں کی مخبریوں یا ایک آدھ غیر ملکی ایجنسی کی حالیہ جنگ نئے سٹائل سے لڑی جا رہی ہے۔ عسکریت پسندوں

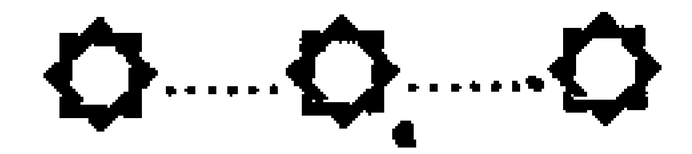
کا ڈھانچہ بھی غیر ملکی ایجنسیوں سے مختلف ہے، ان میں اپنے نظریے سے والہانہ وابستگی رکھنے والے لوگ موجود ہیں۔ ان تک رسائی حاصل کرنے کے لئے بڑے سلیقے سے کام کرنا ہوگا۔ پھر ہماری انٹیلی جنس ایجنسیاں مقامی مخبر تلاش کرنے پر لگتا ہے کچھ زیادہ بجٹ خرچ نہیں کر رہیں۔ اس طرف توجہ دینے کی ضرورت ہے۔ اطلاعات کی فراہمی کے لئے بڑے پیمانے پر مقامی قبائلیوں کی خدمات حاصل کرنی ہوں گی۔ انہیں شامل کیے بغیر کامیابی حاصل نہیں ہوسکتی۔

☆......کاؤنٹر ٹیررازم میں ہیومن انٹیلی جنس کے بعد دوسرا بڑا فیکٹر دہشت گردوں کے نیٹ ورک کو توڑنا ہے۔ جب تک عسکریت پسندوں کو مختلف شہروں میں موجود اپنے حامیوں کی سپورٹ حاصل رہے گی، ان کی کارروائیوں کو روکنا آسان نہیں۔ پچھلے چند ماہ میں یکے بعد دیگرے ہونے والی وارداتوں سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ دہشت گردوں کا نیٹ ورک اگرچہ قبائلی علاقوں میں خاصی حد تک ٹوٹ گیا ہے مگر پنجاب کے شہروں میں ان کے سلیپنگ سیلز موجود ہیں اور خودکش بمباروں کو لاجسٹک سپورٹ فراہم کی جارہی ہے۔ اس نیٹ ورک کو ہر حال میں توڑنا ہوگا۔ اس کے لئے دو کام ضروری ہیں۔ ایک انٹیلی جنس انفارمرز کی تعداد میں کئی گنا اضافہ کرنا ہوگا مگر اس نئے نظام کو جدید سائنسی خطوط پر منظم کرنا ہوگا۔ انہیں جدید ترین الیکٹرانک آلات کی مدد بھی حاصل ہے۔ لاہور، کراچی، پنڈی، فیصل آباد اور ملتان جیسے بڑے شہروں میں ایک بھرپور انٹیلی جنس نیٹ ورک ہی دہشت گردوں کی سرگرمیوں کا مقابلہ کرسکتا ہے۔ اس کے لئے موجودہ بجٹ میں اضافہ کرنے کی ضرورت ہو تو اس سے بھی گریز نہیں کرنا چاہیے۔ اس کے ساتھ ساتھ عوام کی بھرپور شمولیت لازمی ہے۔ ایک ایسا فری ٹول نمبر عوام کو ذہن نشین کرانا ہوگا جس پر وہ پورے اعتماد سے کسی بھی نوعیت کی خبر فراہم کرسکیں۔ نیویارک میں ٹائمز سکوائر کا واقعہ صرف ایک دُکاندار کے پولیس کو اطلاع دینے ہی سے ناکام ہوسکا۔

☆......سکیورٹی نظام کو بھی بہتر بنانا ہوگا۔ ہم ابھی تک پرانے سٹائل سے کام کر

رہے ہیں۔ دہشت گرد اپنی حکمت عملی بدل چکے ہیں، ہمیں بھی کاؤنٹر فورس کو جدید انداز سے منظّم کرنا ہوگا۔ بیک اپ سکیورٹی بہت ضروری ہے۔ واک تھرو گیٹ کے ساتھ ساتھ سکیورٹی کی دو تین پرتیں بنانی ہوں گی تا کہ ایک کونا کام کر کے خودکش بمبار آزادانہ آگے نہ بڑھ سکیں۔ پھر گیٹ یا ریسپشن پر تعینات گارڈز کے لئے بلٹ پروف پورٹیبل دیواریں لگانی چاہئیں تا کہ بلاسٹک کی صورت میں کچھ نہ کچھ تو سدباب ہو سکے۔ ہمیں یاد رکھنا چاہئے کہ پاکستان حالت جنگ میں ہے۔ جنگ ایک خاص انداز کی سرگرمی کا تقاضا کرتی ہے۔ یہ نئے سٹائل کی جنگ ہے جسے نئے انداز ہی سے لڑنا ہوگا، ورنہ ہمیں اس کی مزید بھاری قیمت ادا کرنی پڑے گی۔

(روزنامہ ایکسپریس ۸؍جولائی ۲۰۱۰ء)



انتقام مگر پیار سے

حامد میر

یہ بہت ہی بُری خبر تھی لیکن یہ بُری خبر مجھ گناہگار کو ایک بہت پاکیزہ اور مقدس مقام پر موصول ہوئی۔ جس رات میں مکہ مکرمہ میں عمرہ ادا کر کے مدینہ پہنچا اُسی رات لاہور میں حضرت علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر دو بدبختوں نے خودکش حملے کیے۔ اس انتہائی افسوسناک اور شرمناک واقعے کی خبر ملنے کے بعد میں مسجد نبوی میں بیٹھا سوچ رہا تھا کہ پوری دنیا میں داتا گنج بخش کے نام سے مشہور حضرت علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر ایسا کیا تھا کہ یہاں پر بھی خودکش حملے کر دیئے گئے؟ میں بچپن سے اس مزار پر فاتحہ خوانی کر رہا ہوں اور حسب توفیق مزار سے ملحقہ مسجد میں نماز ادا کرنے کی کوشش کرتا ہوں۔ حضرت علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ صدیوں پہلے افغانستان کے شہر غزنی سے لاہور تشریف لائے تو یہاں اندھیرا ہی اندھیرا تھا۔ انہوں نے اپنے علم کی شمع سے اندھیروں میں روشنی پھیلائی اور اس خطے میں اسلام انہی کی بدولت فروغ پایا۔ صدیوں سے ان کے مزار پر چوبیس گھنٹے قرآن پاک کی تلاوت ہوتی ہے اور غریب لوگوں کو ہر وقت مفت لنگر تقسیم کیا جاتا ہے۔ میں مسجد نبوی میں بیٹھا سوچ رہا تھا کہ حضرت علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کا مزار وہ جگہ ہے جہاں مسلمان ہر قسم کی فرقہ وارانہ گروہ بندیوں سے بالاتر ہو کر اکٹھے ہوتے ہیں اور یہاں شیعہ سنّی اکٹھے نماز پڑھتے ہیں۔ میں ایسے کئی غیر مسلموں کو جانتا ہوں جو اس مزار میں دفن بزرگ سے بہت عقیدت رکھتے ہیں۔ حضرت علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کی ذات اس خطے کے مسلمانوں میں باہمی پیار اور اتحاد و یکجہتی کی علامت ہے۔

اُن کے ساتھ محبت وعقیدت کی ایک وجہ اُن کی مشہور کتاب کشف المحجوب بھی ہے جس میں اس عظیم بزرگ نے شریعت اور طریقت کو یکجا کر کے مسلمانوں کو تقسیم کرنے کی کوشش ناکام بنادی۔ حضرت علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ بزرگوں کے بزرگ ہیں۔ حضرت خواجہ معین الدین چشتی نے اس مزار پر چلّہ کاٹا تھا اور فرمایا تھا:

گنج بخش فیضِ عالم مظہرِ نورِ خدا

ناقصاں را پیرِ کامل ، کاملاں را رہنما

حضرت علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر خودکش حملوں کے لئے جمعرات کی شب کا انتخاب کیا گیا۔ یہ وہ شب ہوتی ہے جب کئی مسلمان یہاں پر تہجد تک عبادت کرتے ہیں اوران مسلمانوں کا تعلق ہر مکتبہ فکر سے ہوتا ہے۔ جمعرات کی شب عبادت کے لئے آنے والے نماز عشاء کے بعد عین اُس جگہ پر اکٹھے ہونا شروع ہوتے ہیں جہاں خودکش حملہ کیا گیا اور مجھے یقین ہے کہ حملے کی منصوبہ بندی کرنے والوں کا اصل ہدف یہی مسلمان ہیں جو ایک دوسرے پر کفر کے فتوؤں کو نظر انداز کر کے داتا دربار سے ملحقہ مسجد میں عبادت کرتے ہیں۔ حملہ آوروں کا اصل ٹارگٹ وہ اتحاد ویکجہتی ہے جو حضرت علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر ہمیشہ موجود تھی، آج بھی موجود ہے اور انشاء اللہ آئندہ بھی موجود رہے گی۔ مسلمانوں کے دشمن ہمیشہ سے اُن کی صفوں میں فرقہ وارانہ انتشار پھیلانے کی کوشش کررہے ہیں اور ہمیشہ سے کچھ گمراہ مسلمان اپنے دشمنوں کے ہاتھوں استعمال ہورہے ہیں۔ ہوسکتا ہے کہ حضرت علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر حملے کی منصوبہ بندی بھی کسی دشمن طاقت نے کی ہو لیکن دشمنوں کے ہاتھوں استعمال ہونے والے ہمارے اپنے ہیں اور ہمیں اپنے آپ کو دھوکہ نہیں دینا چاہیے۔

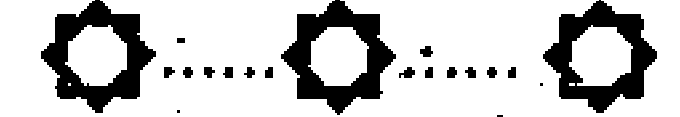
کیا یہ سچ نہیں کہ پچھلے ایک ڈیڑھ سال کے دوران پشاور اور نوشہرہ میں رحمٰن بابا سمیت کئی بزرگوں کے مزاروں پر بم دھماکے کیے گئے اور ان دھماکوں میں ملوث جو بدبخت گرفتار ہوئے اُن کا تعلق خیبر ایجنسی سے تھا؟ کیا یہ سچ نہیں کہ پچھلے کئی سالوں سے

مساجد اور امام بارگاہوں کے علاوہ 12 ربیع الاوّل کے اجتماعات کو بھی خودکش حملوں کا نشانہ بنایا گیا اور ان حملوں میں ملوث افراد تو سی آئی اے اور را کے اہلکار تھے اور نہ ہی انہیں بلیک واٹر نے بھرتی کیا تھا بلکہ یہ سب ہمارے اندر ہی سے تھے اور ان کا تعلق ایسی تنظیموں سے تھا جو ایک دوسرے کے خلاف کافر کافر کے نعرے لگاتے ہیں۔ میرے قارئین گواہ ہیں کہ میں نے پاکستان میں سی آئی اے، را اور بلیک واٹر کی سرگرمیوں پر ہمیشہ تنقید کی ہے لیکن ہر واقعے کی ذمہ داری ان غیر ملکی اداروں پر ڈالنا کوئی بہادری نہیں ہے۔ اصل بہادری یہ ہے کہ ہم اُن آستین کے سانپوں کو تلاش کریں جو پاکستان کے بے گناہ اور نہتے مسلمانوں کا خون بہا کر اسلام دشمن طاقتوں کے ایجنڈے کو آگے بڑھا رہے ہیں۔ مجھے کوئی شک نہیں کہ حضرت علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر حملہ کرنے والے وہی ہیں جنہوں نے جامعہ نعیمیہ میں گھس کر مفتی ڈاکٹر سرفراز نعیمی رحمۃ اللہ علیہ کو خودکش حملے میں شہید کیا، یہ وہی ہیں جنہوں نے پشاور میں مولانا حسن جانؒ کو شہید کیا، یہ وہی ہیں جنہوں نے نشتر پارک کراچی میں سنّی تحریک، جماعت اہلسنّت اور جے یو پی کی قیادت کو نشانہ بنایا۔ مسجد نبوی میں نماز جمعہ کی ادائیگی کے بعد میں سوچ رہا تھا کہ 2003ء میں بغداد میں حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے مزاروں پر بمباری کرنے والی امریکی فوج اور 2010ء میں حضرت علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر خودکش حملہ کرنے والوں میں کیا فرق ہے؟ میں سوچ رہا تھا کہ مسجد الحرام اور مسجد نبوی میں ہر رنگ، زبان، نسل اور فرقے کے مسلمان ایک امام کے پیچھے اکٹھے نماز پڑھتے ہیں۔ کوئی ہاتھ سینے پر باندھ کر اللہ تعالیٰ کے سامنے سر جھکاتا ہے کوئی ہاتھ چھوڑ کر اپنے آپ کو اللہ کے سپرد کر دیتا ہے۔ دنیا بھر کے فتوے باز اپنے فتوے بھول کر اُن سب کے ساتھ مل کر یہاں نماز ادا کرتے ہیں جنہیں وہ کافر کہتے ہیں۔ یہاں کوئی وہابی، بریلوی، دیوبندی اور شیعہ نہیں ہوتا بلکہ سب مسلمان ہوتے ہیں لیکن یہاں سے واپس جا کر نجانے ہم دوبارہ اپنے آپ کو تقسیم کیونکر دیتے ہیں؟ میں مسجد نبوی میں بیٹھا سوچ رہا

تھا کہ نجانے حضرت علی ہجویری کے مزار پر بے گناہوں کا خون بہانے والے پکڑے جائیں گے یا نہیں لیکن اس قسم کے واقعات کے ذریعہ مسلمانوں کو آپس میں لڑانے والوں کا مقابلہ کیسے کیا جائے؟ میرے پاس ایک بڑا سادہ اور قابلِ عمل حل ہے۔ سیاسی قائدین اور علماء اپنے آپ کو بدل دیں۔ ویسا ہی بن جائیں جیسے ہم مسجد الحرام اور مسجد نبوی میں بن جاتے ہیں۔

بریلوی علماء دیوبندیوں، وہابیوں اور اہلِ تشیع کے ساتھ نماز ادا کریں اور اہلِ تشیع بھی دیگر فرقوں کے علماء کو ایک ساتھ نماز پڑھنے کی دعوت دیں۔ وہ علماء جو اپنی مساجد کو مسجد الحرام اور مسجد نبوی جیسا بنا دیں گے وہ ہم میں سے ہوں گے اور جو اپنی مساجد کو صرف اپنے آپ تک محدود رکھیں گے وہ ہم میں سے نہیں ہوں گے۔ یہ کام حکومت کرے نہ کرے ہمیں خود کرنا ہے۔ آیئے ہم آج ہی سے ایک دوسرے کی مساجد میں نمازیں ادا کر کے حضرت علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر حملہ کرنے والوں کو اندر سے کاٹ ڈالیں۔

(روزنامہ جنگ ۵رجولائی ۲۰۱۰ء)



کشف المحجوب

محمد اظہار الحق

میں بھاگتا پھر رہا ہوں اور مجھ سے کوئی نہیں پوچھتا کہ کیا ہوا ہے؟

اس لئے ہر کوئی بھاگتا پھر رہا ہے۔ میں انارکلی کی طرف دوڑتا ہوں کہ سعود عثمانی کا وہاں دفتر ہے لیکن ایک ہنگامہ ہے اور راستہ نہیں ملتا۔

ٹولنٹن مارکیٹ کے سامنے سے ہو کر میں یونیورسٹی میں داخل ہو جاتا ہوں، میرا رُخ اورینٹیل کالج کی سمت ہے۔ فارسی کے شعبے میں معین نظامی کا کمرہ مجھے پناہ گاہ لگتا ہے، لیکن یہاں تو سب کمرے بند ہیں۔ اب میں نابھا روڈ کی طرف چل پڑتا ہوں، جمیل بھٹی ان دنوں اِکاؤنٹینٹ جنرل لگا ہوا ہے اس کے پاس بیٹھوں گا لیکن قدم اٹھ ہی نہیں رہے۔ اس لئے کہ میرے اندر بھی غدر برپا ہے پھر ایک زوردار دھماکہ ہوتا ہے کسی کو کانوں کان خبر نہیں ہوتی یہ دھماکہ میرے اندر ہوا ہے۔ باہر بھی خون ہے، گوشت کے لوتھڑے ہیں، دست و بازو ہوا میں اُڑ رہے ہیں، سب دوڑ رہے ہیں سب چیخ رہے ہیں۔ میرے اندر بھی خون کی ندیاں بہہ رہی ہیں، گوشت کے ٹکڑے اُڑ رہے ہیں، ہاتھ اور بازو کٹ کٹ کر گر رہے ہیں جسم ہوا میں اُچھل رہے ہیں۔

میرے اندر بھی چیخیں ہیں، بھاگنے کی آوازیں ہیں۔ میں جس کے پاس بھی جاتا ہوں، میری بات کوئی نہیں سنتا۔ میں پیاسا ہوں لیکن مجھے دودھ دیتے ہیں تو اِس میں مینگنیاں ڈال دیتے ہیں، پانی دیتے ہیں تو صرف تنکا نہیں، کیڑے مکوڑے نظر آتے ہیں۔ میں بھوک سے نڈھال ہو کر گر پڑتا ہوں، لوگ آتے ہیں عبائیں

اوڑھے، عمامے باندھے، مجھے بخشش میں کھانا عنایت کرتے ہیں لیکن میں دستر خوان کھولتا ہوں تو روٹیوں کی جگہ ہڈیاں ہیں اور پنیر کے بجائے جما ہوا خون نظر آتا ہے۔

شور، ہنگامہ، چیخیں، خون، گوشت، ہڈیاں، لاشے، ماتم، نوحے باہر بھی اور میرے اندر بھی۔ داتا دربار سے انارکلی تک ٹولنٹن مارکیٹ سے نابھا روڈ تک، اورنٹیل کالج سے چیف منسٹر ہاؤس تک، ہاں چیف منسٹر ہاؤس تک کہ وہاں بھی دودھ ہے، لیکن مینگنیاں ہیں، پانی ہے لیکن اس میں کیڑے ہیں، روٹی ہے لیکن ہڈیوں سے پکائی ہوئی، پنیر ہے لیکن منجمد انسانی خون کی شکل میں۔ اندر بھی یہی کچھ ہے، دل سے لے کر رُوح تک، رُوح سے لے کر جان تک، دماغ سے لے کر کلیجے تک، ہر طرف ہُوک ہے اور کسک، کرب ہے اور شکست و ریخت۔ میں آنکھ بند کرتا ہوں تو مجھے اپنا کلیجہ اور دل اور دماغ اور جان اور سب کچھ ہوا میں اُڑتا نظر آتا ہے! میں پبلک لائبریری میں داخل ہو جاتا ہوں اور فارسی شاعری کے گوشے میں دبک کر بیٹھ جاتا ہوں۔ سفید پوشاک میں ملبوس ایک سایہ نمودار ہوتا ہے۔ میرے کاندھے پر ہاتھ دھرتا ہے سبک، نرم ہاتھ، لمس اندر تک سرایت کر جاتا ہے پھر وہ میری گود میں کوئی شے رکھتا ہے اور ہوا میں اُسی نرماہٹ سے تحلیل ہو جاتا ہے جس طرح نمودار ہوا تھا۔ دیکھتا ہوں تو یہ دیوانِ حافظ ہے میں سمجھ جاتا ہوں کہ فال نکالنے کا حکم ہے۔ فال نکالتا ہوں تو سامنے یہ اشعار آ جاتے ہیں......

مشکلِ خویش بر پیرِ مغاں بردم دوش\
کو بتائیدِ نظر حلِ معما می کرد

(میں اپنی مشکل کل پیر مغاں کے پاس لے گیا اس لئے کہ وہ بصیرت کے ساتھ مشکلات حل کرتا تھا۔)

دیدمش خرم خنداں قدحِ بادہ بہ دست\
اندر آن آئنہ صد گونہ تماشا می کرد

(میں نے دیکھا کہ وہ خوش وخرم، ہاتھ میں جامِ شراب لئے تھا اور اس آئینے میں سوطرح کے مناظر دیکھ رہا تھا......)

گفتم ایں جامِ جہان بین بہ تو کی داد حکیم
گفت آن روز کہ این گنبد مینا می کرد

(میں نے پوچھا کہ اے مردِ دانا! قسّامِ ازل نے یہ پیالہ جس میں دنیا نظر آتی ہے، تجھے کب عطا کیا؟ کہنے لگا اس روز جب وہ اس لاجوردی رنگ کے آسمانی گنبد کو بنا رہا تھا!)

میں اشارہ سمجھ گیا، لائبریری سے نکلا اور پیر مغاں کا پتہ پوچھا جس سے بھی پوچھتا تھا ایک ہی بات بتاتا تھا کہ اس شہر میں ایک ہی پیر مغاں ہے، سیّدعلی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ جسے داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کا عوامی لقب ملا ہوا ہے اور وہ استراحت میں ہے۔ گلیوں میں بہتے خون سے گزرتا اور لاشوں میں راستہ بناتا میں وہاں پہنچا جہاں پیرِ مغاں محوِ استراحت تھا۔ ایک سایہ پھر نمودار ہوا اور ایک اور کتاب میری گود میں رکھ کر غائب ہو گیا۔ دیکھا تو کشف المحجوب تھی۔ سیّدعلی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیف کھولی تو اس میں سے سوال نکلے۔ سایہ پھر نمودار ہوا، وہی نرم ہاتھ، وہی خون میں اتر جانے والا لمس، ان سوالوں کا جواب حاصل کرو یہی کلید ہے۔

میں اب ان سوالوں کی پوٹلی سر پر اٹھائے پھر رہا ہوں، دھکے کھا رہا ہوں، جن لوگوں کے بارے میں معلوم ہوتا ہے کہ ان سوالوں کے جواب جانتے ہیں، ان کے پاس جاتا ہوں تو وہ منہ دوسری طرف کر لیتے ہیں۔ میں گلی گلی پھر رہا ہوں، دروازے کھٹکھٹا رہا ہوں آوازے لگا رہا ہوں۔ کوئی ہے جو ان سوالوں کے جواب دے۔

1۔ جو حضرات دھماکہ ہونے کے بعد ایک گھنٹے کے اندر اندر اعلان کرتے ہیں کہ یہ دھماکے بلیک واٹر نے یا ''را'' نے کرائے ہیں انہیں پکڑا کیوں نہیں جاتا؟ آخر انہیں اطلاع کیسے ہوگئی؟ ان حضرات کا ان تنظیموں سے کیا تعلق ہے؟ اور کب سے

ہے؟

2- پوری دنیا کو معلوم ہے کہ دھماکوں کے بعد بہت سے مظلوم پکڑے جاتے رہے ہیں۔ان کا تعلق کن تنظیموں سے ہے؟

3- یہ تنظیمیں ایک خاص مکتبِ فکر سے وابستگی کا دعویٰ بھی کرتی ہیں اور اعلان بھی۔اس مکتب فکر کے سرکردہ اصحاب ان ہلاکت آفریں تنظیموں سے لاتعلقی کا اعلان کیوں نہیں کرتے؟

4- دسمبر 2009ء میں کراچی کی ہلاکتوں کی ذمہ داری ایک تنظیم نے قبول کی اگر کچھ لوگوں کے بقول یہ کارروائی اس تنظیم کی نہیں تھی،تو تنظیم نے یہ اعلان کیوں نہیں کیا کہ ذمہ داری قبول کرنے والے کا ہم سے کوئی تعلق نہیں؟

5- کیا دھماکوں میں شہید ہونے والے لوگ ڈرون حملوں کے ذمہ دار ہیں؟ اگر نہیں تو ایک سیاسی مذہبی جماعت کے رہنما ان دھماکوں کو ڈرون حملوں سے کیوں جوڑتے ہیں؟

6- ٹیلی ویژن پروزیر اطلاعات قمر زمان کائرہ نے ایک مذہبی سیاسی جماعت کے (بظاہر) ریٹائرڈ لیڈر سے بار بار پوچھا کہ دھماکوں میں پکڑے جانے والے ملزمان کون ہیں؟ اور ان کا کن تنظیموں سے تعلق ہے؟ ریٹائرڈ لیڈر ہر بار ایک ہی جواب دیتے تھے کہ یہ جنگ ہماری نہیں۔کیا یہ بزرگ اونچا سنتے ہیں؟

7- خودکش حملوں میں مارے جانے والے پاکستانیوں سے امریکہ کو کیا نقصان پہنچ رہا ہے؟

8- اگر غیر مسلم،مسلمانوں کے بچوں اور عورتوں کو قتل کر رہے ہوں تو کیا مسلمانوں کے لئے غیر مسلم بچوں اور عورتوں کا قتل جائز ہو جاتا ہے؟

9- اگر مسلمانوں کے لئے غیر مسلموں کے بچوں اور عورتوں کا قتل بھی جائز نہیں تو

مسلمان عورتوں اور بچوں کا قتل کس طرح جائز ہو جاتا ہے؟

10- اور سب سے بڑا سوال یہ کہ امریکہ کے یہ "دشمن" نہتے پاکستانی شہریوں کو قتل کرنے کے بجائے امریکیوں پر کیوں نہیں حملے کرتے؟

میں ان سوالات کی پوٹلی سر پر اٹھائے پھر رہا ہوں کوئی ہے جو جواب دے؟

☆☆☆☆

آپریشن اور مذاکرات: قطعی ناممکن؟

تنویر قیصر شاہد

حضور داتا گنج بخش کی زبردست روحانی طاقتوں کا اعزاز ہے کہ دہشت گردوں، معصوم انسانوں کے گلے کاٹنے، صوفیا کے مقابر کو پامال کرنے اور اسلام کے نام پر خودکش حملے کر کے ''جنت'' کمانے والوں کے خلاف وفاقی اور پنجاب کی حکومتیں متفقہ فیصلے کر رہی ہیں۔ وفاقی حکومت نے اعلان کیا ہے ''دہشت گردوں سے مذاکرات ہوں گے نہ پنجاب میں آپریشن ہوگا۔'' اُسی روز میاں شہباز شریف کی حکومت نے فیصلہ کیا ''پنجاب میں نام بدل کر کام کرنے والی 69 کالعدم تنظیموں پر پابندی عائد کر دی گئی ہے'' اہلِ پاکستان کی زندگیوں میں زہر بھرنے والوں کے خلاف آنے والے ان دونوں تازہ فیصلوں کی تحسین کی گئی ہے۔ اگرچہ کہیں کہیں شبے اور شک کا دھواں بھی فضا میں تیرتا نظر آتا ہے مثلاً مرکزی رویتِ ہلال کمیٹی کے سربراہ حضرت مولانا مفتی منیب الرحمٰن نے وزیرِ داخلہ رحمٰن ملک سے ملاقات کے بعد ارشاد فرمایا ''پنجاب حکومت پر یقین نہیں، ہم اُن کے وعدوں کا ایفا دیکھیں گے۔'' یہ حیرت خیز بات ہے کہ ابھی چند ماہ قبل تک پنجاب حکومت کو پاکستان کے چاروں صوبوں کی سب سے ممتاز اور مستحکم صوبائی حکومت کہا جاتا تھا، آج اِس کے استحکام اور کریڈیبلٹی کے بارے میں منہ زور افواہوں کا طوفان ہے کہ تھمنے کا نام نہیں لے رہا۔ لگتا ہے پنجاب حکومت کو کسی کی نظر لگ گئی ہے اور قانون شکنی کا وہ عالم ہے کہ گلیاں، کوچہ، بازار اور عبادت گاہیں خون میں نہلا دی گئی ہیں۔

جناب شہباز شریف بوجوہ اِس حقیقت کو ماننے کے لئے تیار نہیں کہ جنوبی پنجاب کے بعض حصے دہشت گردوں کی آماجگاہ بن چکے ہیں لیکن یہ واقعہ ہے۔ اس سلسلے میں بہت سے شواہد بھی پیش کیے جاسکتے ہیں لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں لینا چاہئے کہ جنوبی پنجاب کے مغلوب اور متاثرہ حصوں کو دہشت گردوں سے محفوظ اور پاک کرنے کے لئے ایسے آپریشن کا آغاز کر دیا جائے جیسا آپریشن ہماری جانباز سکیورٹی فورسز نے جنوبی وزیرستان میں کیا۔ ہماری سکیورٹی فورسز بھی یہ نہیں چاہیں گی۔ اس میں شک نہیں ہے کہ پنجاب کی بہت سی جہادی تنظیمیں، جنہوں نے طالبان کے افغانستان اور مقبوضہ کشمیر میں اپنا اپنا کردار ادا کیا، وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ شومئی قسمت سے شک سے بالا نہیں رہیں، اُن کے اپنے کئی اقدامات کی بدولت اُن پر سوالیہ نشان لگ چکا ہے لیکن اس سب کے باوصف خصوصاً جنوبی پنجاب میں اُن کے خلاف آپریشن نہیں کرنا چاہئے۔ بہت احتیاط سے قدم اٹھانے ہوں گے۔ اگر خدانخواستہ آپریشن کی نوبت آ بھی جاتی ہے تو اس کے لئے پنجاب پولیس پر اعتبار کرنا مہلک ثابت ہوگا۔ اس سلسلے کا ایک تجربہ چند برس قبل پنجاب کے (سابق) گورنر میاں محمد اظہر کے زمانے میں کیا گیا تھا۔ میاں اظہر صاحب نے فیصلہ کیا تھا کہ گوجرانوالہ، شیخوپورہ، نارنگ منڈی اور پسرور کے درمیانی علاقے، خصوصاً ''واہنڈو کے'' نامی علاقے کو سماج دشمن عناصر سے پاک کیا جائے لیکن مبینہ طور پر یہ منصوبہ پولیس کے اندر چھپے قاتلوں، رہزنوں اور منشیات فروشوں کے مخبروں نے ناکام بنا دیا تھا۔ کیا اب جنوبی پنجاب میں اتنے حساس اور بڑے آپریشن کے لئے پنجاب پولیس پر اعتبار کیا جاسکتا ہے؟

پھر اس بات کی بھی کیا یقین دہانی ہے کہ اس آپریشن کے دوران مطلوبہ عناصر اور اُن کے ساتھی فرار ہو کر جنوبی یا شمالی وزیرستان میں اپنے سرپرستوں اور دوستوں کی پناہ میں نہ چلے جائیں گے؟ اور یہ بھی کہ آپریشن کے زور پر کب تک مذکورہ علاقے کو اپنی گرفت میں رکھا جاسکے گا؟ پاکستانی سکیورٹی فورسز فاٹا کی بعض ایجنسیوں میں جس تیزی

سے مطلوبہ مقاصد حاصل کرتے ہوئے دنیا سے تحسین حاصل کر رہی ہیں وہ بھی یہ نہیں چاہیں گی کہ ایک اور ''کتا'' کھول دیا جائے۔ اس کے لئے کسی نئی سٹرٹیجی کا ڈول ڈالنا ہوگا اور ہمارا خیال ہے کہ اس کے لئے پنجاب حکومت پر اعتبار کر کے اسے ہی جملہ ذمہ داریاں سونپی جانی چاہئیں۔ پنجاب حکومت اِس سے سرخرو ہو سکے گی اور اسے یہ موقع بھی مل جائے گا کہ وہ اپنے دامن پر لگنے والا یہ داغ بھی دھو سکے گی کہ مبینہ طور پر اس کے شدت پسندوں سے تعلقات ہیں۔ داتا صاحب کے مزار پر حملے کے بعد پنجاب حکومت پر یہ الزام مزید شدت سے عائد کیا گیا ہے۔ داتا صاحب کے مزار شریف پر خونی حملے کے بعد ایک مسلک پر بے پناہ دباؤ آیا ہے۔ انہی دنوں بعض سنگین غلطیاں بھی سرزد ہو رہی ہیں جو اس امر کا مظہر ہیں کہ حضرت داتا گنج بخش کے مزار شریف کے سامنے بہنے والے خون پر بعض جماعتوں اور شخصیات کو اپنی سیاست چمکانے کا موقع مل گیا ہے۔ ایک کالعدم جماعت کی طرف سے مسلم لیگ (ن) کو 25 ارکان اسمبلی کی فہرست فراہم کرنا بھی اسی طرح ایک سنگین غلطی ہے جس میں یہ ''انکشاف'' کیا گیا ہے کہ مذکورہ کالعدم جماعت کی حمایت سے ہی یہ 25 لوگ اسمبلیوں کے رکن بن سکے تھے۔ ہمارا خیال ہے کہ یہ فہرست فراہم کرنے سے پیپلز پارٹی کو نقصان پہنچا ہے نہ مسلم لیگ نون کو فائدہ ہوا ہے۔ ہاں اتنا ضرور ہوا ہے کہ اس کالعدم تنظیم نے یہ فہرست جس کی سچائی بھی مشتبہ ہے، فراہم کر کے دراصل خود کو ایکسپوز اور ننگا کر لیا ہے۔ اب اس کے خلاف کاؤنٹر فورسز بھی آگے آئیں گی۔

اچھی اور مستحسن بات یہ ہے کہ حکومت اور اپوزیشن کی اہم شخصیات دہشت گردی کے بڑھتے ہوئے طوفان کا منہ موڑنے کے لئے مل بیٹھنے کا عندیہ دے رہی ہیں۔ آج آٹھ جولائی ہے اور آج ہی لاہور میں داتا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے مزارِ اقدس کو خون کا غسل دینے والوں اور اُن کے سرپرستوں کے خلاف ایم این اے صاحبزادہ فضل کریم کی قیادت میں علماء و مشائخ کا ایک جلسہ ہو رہا ہے۔ داتا کے دیوانے اور بریلوی مسلک

کے پروانے اس جلسے میں جوق در جوق شریک ہوکر اپنی طاقت کا اظہار کریں گے۔ یقیناً اس سے صوبائی حکومت پر دباؤ آئے گا لیکن ہمارا خیال ہے کہ گزشتہ روز جناب فضل کریم نے وزیر اعلیٰ پنجاب سے جو خصوصی ملاقات فرمائی ہے اس میں کچھ یقین دہانیاں بھی کرائی ہوں گی۔ جناب شہباز شریف نے بھی تو ''سنی اتحاد کونسل'' کے مطالبات پر بارہ رکنی کمیٹی تشکیل دے دی ہے جس کے سربراہ ذوالفقار کھوسہ ہیں یہ کمیٹی سنّی اتحاد کونسل اور پنجاب حکومت کے چھ چھ ارکان پر مشتمل ہے۔ (لیکن معاف کیجئے گا، کھوسہ صاحب مولویوں کے معاملات احسن طریقے سے سنبھالنے اور سلجھانے کا کوئی تجربہ نہیں رکھتے۔ چند ماہ قبل انہیں وزیر اعلیٰ ہاؤس میں برپا کیے گئے علماء کے اجلاس میں ایک مخصوص مسلک نے مبینہ طور پر جو دھمکی دی تھی، اس کے بعد تو وہ بالکل ہی خاموش ہو گئے ہیں)۔

لیکن اس کے باوجود حکومت اور اپوزیشن کے فہمیدہ اور سنجیدہ لوگ کوشش کر رہے ہیں کہ اتحاد اور اتفاق کی کوئی صورت نکل آئے۔ لاہور کے سی سی پی او نے فراخدلی سے لاہور ہائیکورٹ میں اعتراف کیا ہے کہ داتا دربار میں سکیورٹی ناقص تھی۔ مطلب یہ کہ آئندہ زیادہ احتیاط برتی جائے گی۔ جناب نواز شریف نے دہشت گردی کے خلاف بلائی گئی مجوزہ قومی کانفرنس کی خاطر اپنا دورہ برطانیہ ملتوی کر دیا ہے۔ انہوں نے ایک انٹرویو میں اس کانفرنس میں سارے سٹیک ہولڈروں کو بلانے کی بات بھی کی ہے۔ ایک ناقد نے (جو معروف اینکر پرسن بھی ہیں) ان کے اس بیان کو ''ہوائی باتیں'' قرار دیا ہے لیکن ہم کہتے ہیں کہ میاں صاحب کی نیت پر شک نہیں کرنا چاہئے۔ اس ملک کے استحکام کی خاطر ہمارے جملہ سیاستدانوں اور مولویوں کو طنز و تعریض اور ''مہنوں'' سے اب گریز کرنا ہوگا۔ ہاں، مجوزہ قومی کانفرنس اور آج لاہور میں سنّی اتحاد کونسل کے پرچم تلے ہونے والی علماء و مشائخ کانفرنس میں یہ قرارداد متفقہ طور پر منظور ہونی چاہئے کہ دہشت گردوں سے کسی بھی شکل میں مذاکرات نہیں کریں گے۔

(روزنامہ ایکسپریس ۸ر جولائی ۲۰۱۰ء)

مرکز مہر و محبت لہولہو کیوں؟

ڈاکٹر علی اکبر الازہری

وطن عزیز کا چہرہ آج کل اپنے ہی خون سے لت پت ہے۔ اپنے پاؤں پر کلہاڑے مارنے کا محاورہ تو سنا تھا مگر حالات نے یہ منظر بھی دکھائے ہیں کہ ہر روز اپنے وجود کو لہولہو کرنے والے اسی دھرتی کے پروردہ نکلتے ہیں۔ ملک دشمنی کی یہ لہر کیوں اٹھی؟ اس کو ہوا دینے والے کون لوگ ہیں؟ اور اس خون خرابے کا علاج کیسے ممکن ہے؟ یہ تین سوال آج ہمارے پیش نظر ہیں۔ سیّدِ ہجویر مخدومِ اُمم محسنِ اسلامیانِ پاک و ہند حضرت داتا گنج بخش علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کے احاطۂ مزار میں ہونے والا سانحہ اب تک کے سانحات میں کئی اعتبار سے سنگین ترین اور تکلیف دہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس کا شدید ردعمل نہ صرف پاکستان بلکہ پوری دنیا میں دیکھا جا رہا ہے۔ یہ وہ عظیم خانقاہ ہے جہاں سے حقیقی اسلام کا پیغام امن و محبت پورے برعظیم میں پھیلا۔ لاہور اسی بزرگ ہستی کے طفیل قطب البلاد کہلاتا ہے۔ حکیم الامت علامہ اقبال کے بقول خاکِ پنجاب انہی کے دم قدم سے دینی جذبوں کی امین ٹھہری اور زندہ و تابندہ ہوئی۔ اس مرکزِ مہر و محبت اور علامتِ ایمان و احسان کو دہشت گردی کا نشانہ بنانے والوں نے پوری انسانیت اور خصوصاً امتِ محمدی کو خطرناک پیغام دیا ہے، اس لئے مذکورہ بالا تینوں بنیادی سوالات پر غور و خوص کرنا از بس ضروری ہو چکا ہے۔

اس موقع پر میں اپنے الفاظ کے بجائے دو مذہبی دانشوروں کے احساسات و نظریات کا سہارا لوں گا۔ ان دونوں کا تعلق لاہور سے ہے مگر دونوں بوجوہ وطن عزیز کی فضاؤں سے دور جا بسے ہیں۔ دونوں اگرچہ مختلف مکتبہ ہائے فکر کی نمائندگی کرتے ہیں

لیکن عجیب بات ہے کہ اس اندوہناک واقعہ پر ردِعمل ظاہر کرتے ہوئے مختلف TV چینلز پر دونوں نے کم وبیش بنیادی مرض کی نشاندہی ایک ہی انداز میں کی ہے اور علاج بھی ایک ہی تجویز کیا۔ قارئین دونوں سے بخوبی آگاہ ہیں ان میں سے ایک شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری ہیں اور دوسرے جاوید غامدی۔ دونوں حضرات دہشت گردی پر واضح موقف رکھتے ہیں اول الذکر نے تو اس موضوع پر 600 صفحات پر مشتمل تحقیقی فتویٰ بھی جاری کر دیا ہے جو اپنی نوعیت کی ایک تاریخی کاوش ہے۔

دہشت گردی کی اس خوفناک لہر کے اسباب اور وجوہات پر ڈاکٹر طاہر القادری نے ایک معاصر ٹی وی چینل کی خاتون اینکر کے جواب میں کہا ''ہمیں ملک وملت کی نیک نامی کسی ایک مذہب ومسلک سے زیادہ عزیز ہونی چاہئے، عالمی سطح پر دہشت گردی کے اسباب بلاشبہ توسیع پسندانہ استعماری عزائم ہیں مگر ہمارے وطن عزیز میں یہ اسباب تلاش کیے جائیں تو ان کے ڈانڈے بدقسمتی سے ان دینی اداروں اور شخصیات سے جا ملتے ہیں جنھوں نے گزشتہ کئی دہائیوں سے شرک وبدعت کے نام پر نفرت وحقارت کی فصل بوئی ہے۔ دینی مدارس جن کو اسلام کے پیغام امن ومحبت کے فروغ کا ذریعہ اور سرچشمہ ہونا چاہئے تھا وہی جب کفر سازی کی نرسریاں بن گئیں ہیں تو یہ طوفان کیسے تھمے گا۔ جن درس گاہوں میں قرآن وحدیث کی تشریح کے نام پر نوجوان نسل اپنے اساتذہ سے صبح شام تکفیر اور نفرت کے درس لے گی وہاں امن وآشتی کا پیغام کیسے موثر نتائج پیدا کر سکے گا۔ اگر ہم ان نفرتوں کو ختم کرنا چاہتے ہیں اور موجودہ خون خرابے کا دیرپا حل چاہتے ہیں تو ضروری ہے کہ ان دینی مدارس کے نصاب پر نظر ثانی کریں۔ اس میں ضرور تبدیلیاں لائیں جدید دور کے چیلنجز سے نوجوانوں کو روشناس کرائیں۔ موجودہ دنیا کے گلوبل ویلج میں امن اور بقائے باہمی کے ساتھ میل جول پیدا کرنے اور انسانیت نواز اسلامی اصولوں کو نصاب کا حصہ بنائیں۔ ہمارے ملک میں پڑھایا جانے والا درس نظامی کا نصاب آج سے تین سو سال پرانے حالات میں مرتب ہوا تھا۔ اس وقت کی فضاء،

ماحول اور تقاضے وہ نہیں تھے جو آج ہیں۔ کمپیوٹر ٹیکنالوجی کے برق رفتار دور میں ہم پاپیادہ دور کی باتیں پڑھا رہے ہیں۔

دنیا تیز رفتاری سے ترقی کی منازل طے کرتے ہوئے زمین سے دوسرے سیاروں پر جا رہی ہے ہم ہیں کہ ابھی تک ایک دوسرے کو برداشت کرنے کو تیار نہیں۔ ہر فرقہ دوسرے کو کافر، مرتد اور اسلام کا باغی سمجھتا ہے۔ جو علماء ایک دوسرے کے پیچھے نماز پڑھنے کو جائز نہیں سمجھتے، ایک دوسرے کے مدارس اور مساجد میں داخل نہیں ہو سکتے اور نہ دوسرے کو داخل ہونے کی اجازت دیتے ہیں وہ غیر مسلموں کے ساتھ کیسے معاملات طے کر سکتے ہیں۔"

اسی طرح غامدی سے بھی ایک اور ٹی وی چینل کی خاتون اینکر نے پوچھا کہ مذہبی شخصیات دہشت گردی کی مذمت تو کرتی ہیں مگر عملاً دیکھا جائے تو اس کی شدت میں روز بہ روز شدت آتی جا رہی ہے۔ ایسا کیوں ہے؟ غامدی نے اس حساس سوال کا جواب دیتے ہوئے کہا: "امن بھائی چارہ سب کہنے کی باتیں ہیں مجھے ان شخصیات اور اداروں کا طویل تجربہ ہے میں وثوق کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ آج جس عذاب میں ہم پھنس چکے ہیں اور جو پھل ہم کھا رہے ہیں اس کے بیج ہم نے خود بوئے ہیں۔ کیا یہ حقیقت نہیں کہ ہمارے دینی اداروں اور مساجد میں شرک و بدعت کی مذمت کے بہانے کلمہ گو مسلمانوں کو کافر و مشرک بنایا جا رہا ہے۔ جو بچہ چھوٹی عمر میں اپنے محترم و مکرم استاد سے قرآن و حدیث کی روشنی میں شرک و بدعت کی تعلیم حاصل کرے گا' بڑا ہونے تک اسے پورے معاشرے میں پھیلے ہوئے عوام الناس کے متعلق حد درجہ متنفر کر دیا جائے گا تو وہ آخر انسان ہے اس کا اثر بھی لے گا اور دوسروں کو کافر سمجھ کر ان پر بم نہیں گرائے گا تو اور کیا کرے گا؟

جہاں تک ان لوگوں کا تعلق ہے جو اس دہشت گردی کو ہوا دیتے ہیں یا اسے اپنے سیاسی اور مالی مفادات کے لئے استعمال کرتے ہیں۔ ڈاکٹر طاہر القادری صاحب نے

ان کی نشاندہی کرتے ہوئے بڑی دلچسپ صورتحال بیان کی۔ انہوں نے کہا کہ ہمارے ملک کے دینی سیاسی رہنما ہوں یا غیر مذہبی سیاسی قائدین دونوں کو عوام کے دکھ درد یا مسائل کی بجائے اپنے اپنے حلقوں کے ووٹ سب سے عزیز ہیں۔ اقتدار کے لئے وہ امریکہ دشمنی کا کارڈ بھی استعمال کرتے ہیں اور سادہ لوح عوام کو جمہوریت' قرآن اور نفاذ اسلام کے نام پر بھی دھوکہ دیتے ہیں لیکن بارہا اسمبلیوں میں آنے کے باوجود انہوں نے کبھی نہ امریکی ''عنایات'' سے انکار کیا ہے اور نہ ہی نفاذ اسلام کے لئے آواز اٹھائی ہے۔ نہ انہیں عوام کے مسائل سے دلچسپی ہے اور نہ اس ملک کا مستقبل انہیں عزیز ہے۔ انہوں نے کہا میں نے ذاتی طور پر دو سال تک اس حقیقت کا مشاہدہ اسمبلی میں جا کر قریب سے کیا ہے۔ جب تک ہم عوام کو اپنے سیاسی اور مسلکی مفادات کی بھینٹ چڑھاتے رہیں گے پاکستان میں نہ امن اور خوشحالی آسکتی ہے اور نہ حقیقی جمہوریت جڑ پکڑ سکتی ہے۔ یہ کتنی تکلیف دہ بات ہے کہ ہمارے سیاستدان اور حکومتی عہدیدار سب کچھ جانتے ہیں انہیں دہشت گردی کے اڈوں کا بھی علم ہے اور ان کے پروردہ لوگوں کی بھی پہچان ہے لیکن سیاسی مفادات حاصل کرنے کے لئے عوام کا خون بہایا جا رہا ہے اور وہ خود ایوانوں میں سر جوڑ کر بیٹھے عوام کو بے وقوف بنا رہے ہیں۔''

یہ حقیقت ہے کہ دہشت گردی کی جڑیں کاٹے بغیر پولیس، فوج، ایجنسیاں اور خود حکومتی شعبے کچھ نہیں کر سکتے۔ مرض کا علاج مرض کی علامات ختم کر کے نہیں ہو سکتا بلکہ مرض کے اسباب اور وجوہات کو جڑ سے ختم کر کے ممکن ہوتا ہے۔ حکومت اور مذہبی قائدین کو پاکستان کے حال پر رحم کرتے ہوئے سنجیدہ کاوش کرنی چاہئے۔ دینی مدارس میں نصاب کی تجدید اور یکسانیت ازبس ضروری ہے۔ ایسے علماء کی تقریر و تحریر پر پابندی ہونی چاہئے جس سے نفرتیں اور فسادات جنم لیں۔ مساجد میں منبر رسول ﷺ کی حرمت کا تقاضا ہے کہ ہرا ایرا غیرا اس پر بیٹھ کر قرآن و حدیث کی من پسند تشریحات نہ کرے بلکہ یہ منصب ذمہ دار اور اہل لوگوں کو دیا جانا چاہئے۔ اس سلسلے میں حکومت اور علمائے کرام

اپنی ذمہ داری سمجھیں اور فرقہ پرست لوگوں کو نفرت کے بیج بونے کا موقع نہ دیں ورنہ موجودہ حالات ہمیں یا تو سیکولر معاشرے کی طرف دھکیل دیں گے یا پھر ہم ایک دوسرے کو ختم کر کے دم لیں گے۔

(روزنامہ نوائے وقت ر جولائی ۲۰۱۰ء)

۞......۞......۞

اس زخم کا بھرنا سہل نہیں

نذیر ناجی

داتاؒ دربار کی مسجد پر حملہ طبل جنگ کے مترادف ہے۔ اگر ہم اسے بھی نہ سن سکے تو اپنی داستان، داستانوں میں ڈھونڈا کریں گے۔ یہ ایک عہد یا ایک نسل پر حملہ نہیں۔ صدیوں میں پھیلے روحانی اثاثوں اور آنے والی نسلوں کے یقین اور اعتقاد پر حملہ ہے۔ بے شک عوام میں شدید ردّعمل سامنے آیا۔ لیکن روایتی بدنظمی اور عدم اتفاق کی جھلکیوں کے ساتھ۔ شاید اجتماعی طور پر ہم ابھی تک اس صدمے کی تاب نہیں لا سکے۔ یا ہم سکتے کے عالم میں ہیں۔ یا شدت غم سے ہمارے احساسات جامد ہو گئے ہیں۔ یا ہم خطرات کو سمجھنے کی صلاحیت کھو بیٹھے ہیں۔ آخری بات مجھے زیادہ موزوں لگتی ہے۔ جو قوم مشرقی پاکستان کا سانحہ بھلا کر، دو مزید آمریتیں برداشت کر سکتی ہے، اس سے کیا توقع رکھی جا سکتی ہے؟ ہمیں تو ترجیحات کا تعین کرنا بھی نہیں آتا۔ ہم بے لباس ہونے کا خطرہ بھول کر اترے ہوئے کپڑوں کے داغ دھبے دھونے میں لگے ہیں۔ مستقبل کو فراموش کر کے، ماضی کی زینت و آرائش پر زور دے رہے ہیں۔ آج کے پوائنٹ سکور کرنے کے لئے آنے والے کل کے سوالوں کا جواب ڈھونڈنا بھول چکے ہیں۔ گھاس میں چھپے سانپوں سے نظر ہٹا کر، بندروں کی طرح ایک دوسرے کی جوئیں نکال رہے ہیں۔ پاکستان کے قلب میں گہرا گھاؤ لگانے والے ہاتھ کو ڈھونڈنے کے بجائے یہ کہہ کر اپنی تسلی کر رہے ہیں کہ اس سانحہ میں بیرونی دشمنوں کا ہاتھ ہے۔ کون سے بیرونی دشمن؟ سب کچھ ہمارے ملک کے اندر ہو رہا ہے۔ مارنے والے بھی یہیں کے ہیں اور شہید ہونے والے بھی۔

میں بار بار کہتا ہوں جب تک سیاست و اقتدار کے کھیل سے، ملائیت کو نہیں نکالا جائے گا، ہمارا یہی حشر ہوتا رہے گا بلکہ اس سے بھی برا ہو گا۔ حکومتیں اور علماء کرام کے درمیان مذاکرات سے کوئی نتیجہ نکلنا معجزے سے کم نہیں ہو گا۔ کیونکہ بیشتر علمائے کرام اندر ہی اندر اس بات پر خوش ہیں کہ دہشت گردی نے ان کی اہمیت بڑھا دی ہے۔ حکومت ہر وار کے بعد ان کی ناز برداریوں پر مجبور ہے۔ وہ اسلام کے نام پر دہشت گردی کرنے والوں کو اپنے مستقبل کی طاقت تصور کر رہے ہیں۔ کھل کر دہشت گردوں کی مذمت نہیں کر سکتے۔ پروفیسر ڈاکٹر طاہر القادری کی طرح ان کے مجرمانہ افعال کو غیر اسلامی قرار نہیں دیتے۔ ہر بیان اور ہر مشترکہ ردعمل میں وہ درمیانہ موقف اختیار کر سکتے ہیں۔

باغباں بھی خوش رہے، راضی رہے صیاد بھی

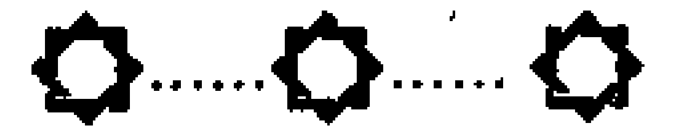
ہوسکتا ہے میرا تاثر غلط ہو، مگر بیشتر علمائے کرام دل ہی دل میں خوش ہو رہے ہوں گے کہ دہشت گردی کی ہر واردات کے بعد ریاست کے حوصلے پست ہو رہے ہیں۔ سیاسی رہنماؤں کی ہمتیں جواب دے رہی ہیں اور وہ بہت جلد ان کی خدمت میں پیش ہو کے، ہاتھ جوڑتے ہوئے یہ کہنے والے ہیں کہ ''حضور آپ ہی آگے بڑھیے اور نظام اسلام نافذ کر کے دہشت گردوں کے ہاتھ روکیے۔'' کچھ پتہ نہیں کہ اندر سے کون کون سا مذہبی سیاستدان، دہشت گردوں کو خفیہ پیغام بھیج رہا ہو گا کہ'' لگے رہو مجاہدو۔ فتح مبین قریب ہے۔'' جتنے مذہبی سیاستدان، علماء کرام کے روپ میں اربابِ اقتدار سے ملاقاتیں کرتے ہیں، وہ یہ بھی جانچتے رہتے ہیں کہ حکمرانوں کے حوصلے کہاں تک پست ہوئے اور ان کی ہمتیں کب تک ان کا ساتھ دیں گی؟

عراق اور افغانستان کے بعد عالمی کھلاڑیوں کی نظریں پاکستان پر جمی ہیں۔ عراق کے انتہا پسند مذہبی گروہوں کے ساتھ ڈیل کر کے امریکیوں نے اپنے معاشی مفادات کے تحفظ کا انتظام کر لیا ہے۔ اب اس انتظام کو مستحکم کرنے کا عمل جاری ہے۔ طالبان سے مذاکرات کے لئے سلسلہ جنبانی ہو رہی ہے۔ ان کے کچھ نمائندوں، افغان صدر حامد

کرزئی اور ہمارے چیف آرمی سٹاف جنرل اشفاق پرویز کیانی کے درمیان مذاکرات کے لئے دو نشستیں ہو چکی ہیں۔ بات آگے بڑھنے کے امکانات روشن ہونے لگے تھے۔ اس موقع پر داتا دربار مسجد کا سانحہ ایک الگ تھلگ واقعہ نہیں۔ اس کے ساتھ بے شمار تاریں جڑی ہوئی ہیں۔ امریکہ، افغانستان میں اپنی مصیبتوں کا ذمہ دار پاکستان کو سمجھتا ہے۔ بے شک یہ بات سرکاری سطح پر نہ کہی جاتی ہو لیکن امریکی میڈیا اور تھنک ٹینکس میں کھل کر کہا جاتا ہے کہ اگر پاکستان افغانستان میں کارروائیاں کرنے والوں کی مدد نہ کرتا، تو اتحادی فوجوں کے خلاف اس قدر شدید کارروائیاں نہیں ہو سکتی تھیں۔ فوجی کمانڈروں نے تو یہ رپورٹیں بھی دی ہیں کہ پہلے دو سالوں میں وہ افغانستان پر اپنی گرفت مضبوط کر چکے تھے لیکن پاکستان نے عمدہ تربیت اور اسلحہ دے کر افغان مجاہدین کو طاقتور بنایا۔ اصل میں انہیں پاکستان کے خلاف جنگ کرنا پڑ رہی ہے۔ بارہا امریکی قیادت براہِ راست فوجی مداخلت کے امکانات پر غور کر چکی ہے۔ ڈرون حملے درحقیقت پاکستان پر امریکی جارحیت کا حصہ ہیں۔ ان کے بم ہماری سرزمین پر برس رہے ہیں اور بوٹ اتارنے کے امکانات پر غور کیا جا رہا ہے۔ یہ بھی الگ تھلگ سوچ نہیں، خطے کی مجموعی صورتحال سے منسلک ہے۔ ایران کے خلاف فیصلہ کن اقدام کی تیاریاں تیزی سے جاری ہیں۔ عین اس موقع پر داتا صاحب مسجد میں ہونے والے دھماکے کی ایک تار، ایران دشمن مہم سے بھی جڑی لگتی ہے۔ مسلمانوں میں درگاہوں اور مزارات کے احترام و تقدیس کے سوال پر اتفاق رائے نہیں پایا جاتا۔ کئی انتہا پسند گروہ اسے قبر پرستی اور بعض شرک سمجھتے ہیں۔ دوسری طرف بزرگوں اور اولیائے کرام سے عقیدت رکھنے والے جنون کی حد تک ان متبرک ہستیوں سے محبت کرتے ہیں۔ داتا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے مزار کی مسجد میں دہشت گردی کا یہ سانحہ دلوں کو کتنے گہرے زخم لگا گیا، اس کا فی الحال اندازہ کرنا مشکل ہے۔ مگر ایک بات بتا دوں کہ یہ زخم بھولنے والا نہیں۔ انتقام کا جذبہ بہت طاقتور ہوتا ہے۔ انسانی تاریخ میں رونما ہونے والے بڑے واقعات کا شمار کیا جائے، تو ان میں 80

فیصد انتقام کے نتیجے میں ہوئے اور 20 فیصد محبت کے۔ اس شرح میں کوئی کمی ہوئی تو وہ محبت کے جھاتے میں ہو گی۔ لال مسجد کا سانحہ زیادہ پرانا نہیں۔ اس کے نتیجے میں جتنی دہشت گردی اب تک ہو چکی ہے، اس کا کسی کو اندازہ نہیں تھا، یہ تو داتا دربار ہے۔ محبت کرنے والے لوگوں کا مرکز۔ مگر جو زخم ان محبت کرنے والوں کی روحوں پر لگایا گیا ہے، دعا کریں کہ وہ خون کے بغیر مندمل ہو جائے۔ ورنہ مجھے ڈر ہے کہ داتا کے ملنگ اگر جوابی کاروائی پر اتر آئے تو خدا جانے کیا سے کیا ہو جائے؟ ایک اور بات ذہن نشین رہے کہ اسلام کے نام پر ہونے والی دہشت گردی کی موجودہ لہر سے صرف اہلسنّت والجماعت متاثر نہیں ہوئے تھے۔ دہشت گردوں میں ہر فرقے کے لوگ نظر آتے رہے ہیں۔ میں صرف طالبان کی بات نہیں کر رہا، ہر طرح کے دہشت گردوں کا حوالہ دے رہا ہوں۔ فرقہ واریت پر مبنی دہشت گردی بھی اس میں شامل ہے۔ متعدد فرقوں کے خلاف دہشت گردی کی لیکن تحریک اہلسنّت یا دوسرے الفاظ میں پیروں فقیروں اور بزرگوں سے عقیدت رکھنے والے بندگان خدا، کبھی خونریزی کی طرف راغب نہیں ہوئے۔ خدانخواستہ تحریک اہلسنّت سے تعلق رکھنے والے مشتعل ہو گئے تو پھر بات کہیں سے کہیں پہنچ سکتی ہے۔ ہمارے ایک طرف روشن اور تابناک مستقبل ہے، جس کی میں اکثر خبریں دیتا رہتا ہوں۔ میں اب بھی پاکستان کے مستقبل سے مایوس نہیں۔ مگر دوسری طرف یہ بھی اندیشہ ہے کہ ہماری سیاسی، مذہبی اور انتظامی قیادتوں نے ہوشمندی سے کام نہ لیا تو تباہی کا خطرہ بھی کچھ کم نہیں۔

(روزنامہ جنگ ۳ رجولائی ۲۰۱۰ء)



پیر کامل کا آستانہ لہولہو

چودھری خادم حسین

حضرت علی ہجویری المعروف داتا گنج بخشؒ کا مزار مرجع خلائق ہے۔ آپ نے اسی مقام پر رشد و ہدایت کا فیض جاری کیا جب تک کائنات میں موجود رہے پیغام الٰہی اور تعلیماتِ رسول عربی کو عام کرتے رہے۔ حضرت علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ سے عقیدت رکھنے والوں میں صرف مسلمان ہی نہیں بلکہ دوسرے مذاہب کو ماننے والے بھی ہیں آپ کے وصال سے گزشتہ جمعرات تک کبھی بھی مزار کو نقصان پہنچنے کی کوئی کوشش نہیں کی گئی۔ یہاں کئی ادوار گزرے ہیں۔ مغلوں کے بعد سکھوں اور انگریزوں نے حکومت کی ان کے ادوار میں اہلِ اسلام کو بے حد تکلیفیں برداشت کرنا پڑیں وہ ظلم و ستم کا شکار رہے لیکن مزار علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کی طرف کوئی میلی آنکھ نہ اٹھی حتیٰ کہ مہاراجہ رنجیت سنگھ اور ان کے وارثوں کے دور میں بھی یہاں بے حرمتی کا کوئی ایک بھی واقعہ پیش نہیں آیا حالانکہ ان سکھوں نے بادشاہی مسجد تک کی توہین کو عار نہیں جانا تھا۔ حضرت علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ سے کئی کرامات بھی منسوب ہیں، بہرحال ان کی سب بڑی کرامت تو یہی تھی کہ وہ یہاں مخالفانہ فضا اور تھپیڑوں کے باوجود درس و تدریس کا سلسلہ جاری رکھے رہے اور ان کی کاوشوں اور محنت سے یہاں کے بہت سارے لوگ دائرہ اسلام میں بھی داخل ہوئے۔ آج کے پرآشوب دور میں مزار پر لنگر خانہ جاری رہتا ہے یہاں سینکڑوں بھوکے پیٹ بھرتے اور مجبور کھانا کھالیتے ہیں۔

جمعرات کو اس دربار میں 3 دھماکے ہو گئے 40 کے قریب شہادتیں اور ڈیڑھ سو کے قریب لوگ زخمی بھی ہوئے ہیں ادھر حسب سابق یہ حملہ خودکش قرار دیا گیا اور 2 حملہ آوروں کے سر بھی مل گئے ہیں۔ یوں یہ حملہ بھی خودکش ہی تھا اتنے بڑے نقصان کے بعد وہی روایتی سلسلہ دُہرایا گیا اور ہر طرف سے مذمت کی گئی، اس کے علاوہ ہائی الرٹ بھی کر دیا گیا۔ بقول انتظامیہ، قانون نافذ کرنے والے ادارے حرکت میں آ چکے ہیں۔ اب اگر کوئی یہ پوچھے کہ یہ ہائی الرٹ کیا ہے جو ہر حادثے کے بعد از خود نافذ ہو جاتا ہے تو اس کا کوئی جواب نہیں ملے گا کہا جا رہا ہے کہ دربار پر ہر ممکن حفاظتی انتظامات کیے گئے تھے لیکن عینی شاہدین کچھ اور ہی بتاتے ہیں ان کے مطابق حفاظت پر مامور پولیس کے جوان اپنے فرائض چوکس ہو کر ادا کرنے کے بجائے آرام فرما رہے تھے یا پھر قریب کی دکانوں سے کچھ کھا پی رہے تھے۔ اگر چہ خودکش بمبار کو روکنا بہت مشکل ہے اس کے باوجود ان کو نظر انداز تو نہیں کیا جا سکتا کم از کم نقصان تو کم سے کم ہوتا ہے لیکن اس دھماکے کے لئے تو باقاعدہ جنگی حکمت عملی اختیار کی گئی لگتی ہے۔ واک تھرو گیٹ اور میٹل ڈی ٹیکٹروں کو ہی غالباً حفاظتی شیلڈ سمجھ لیا گیا اس کے باوجود بھاری مقدار میں بارود اندر پہنچایا گیا اور دھماکے بھی کیے گئے یہ از خود کارکردگی پر سوالیہ نشان لگاتا ہے۔ اس واقعہ پر دکھ کا جتنا بھی اظہار کیا جائے کم ہے۔ قیمتی جانیں ضائع ہوئیں اور بے حرمتی بھی ہوئی لیکن ایسے حادثے غور کا پیغام بھی تو دیتے ہیں۔ حالات سے ظاہر ہے کہ اس مرتبہ بھی سوچ بچار کے بعد ہدف تلاش کیا گیا ہے۔

بجٹ کے بعد اس حادثے تک عوام کے پاس مہنگائی سب سے بڑا موضوع تھا لیکن یہ حادثہ ذہنوں پر اپنا تسلط جما چکا تھا اور اس کے مختلف پہلوؤں پر غور ہو رہا تھا ایک بات پر اتفاق رائے تھا کہ یہ نام نہاد دہشت گرد کیسے مسلمان ہیں اور کیسا اسلام لا رہے ہیں کہ بے گناہ عقیدت مند مسلمانوں کا خون بہانے سے دریغ نہیں کرتے اور بزرگ ہستیوں کی تضحیک سے بھی باز نہیں رہتے۔

اس حادثے پر غور کرتے ہوئے ذہن اس طرف بھی جاتا ہے کہ دہشت گردی کی آڑ میں یہ ہمسایہ ملک کی خفیہ ایجنسی ہی کا کام نہ ہو حالیہ تاریخ شاید ہے کہ جب بھی کبھی پاک، بھارت مذاکرات بہتری کی طرف جاتے ہیں تو دہلی کی پارلیمینٹ پر حملہ یا ممبئی جیسے واقعات ہوتے ہیں اور جواب میں پاکستان کے اندر دھماکے شروع ہو جاتے ہیں۔اس پہلو کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ اگ حکومتی انتظامات کو بھی شدید تنقید کا نشانہ بنا رہے ہیں وہ کہتے ہیں کہ ہر حادثے کے بعد مو ‥ اور سخت حفاظتی انتظامات کا دعویٰ کیا جاتا ہے اس کے باوجود یہ سب ہو جاتا ہے اور بار بار ہوتا ہے۔ اب تو اس پہلو پر بھی سوچا جا رہا ہے کہ یہ فرقہ وارانہ فسادات کی سازش تو نہیں یہ تو بریلوی مسلک کے اکابرین کی دانش مندی ہے کہ وہ اسے فرقہ واریت کا رنگ نہیں دے رہے اور اس کارروائی کو پاکستان مخالف قوتوں کی کارستانی قرار دے رہے ہے ہیں لیکن حکمران اور انتظامیہ بہر صورت ہدفِ تنقید ہیں کیونکہ امن وامان ان کی بنیادی ذمہ داری ہے۔

جہاں تک عوام کا تعلق ہے تو ان کے دل دکھوں سے بھرے پڑے ہیں۔ اتنی کثیر تعداد میں لوگوں کو موت کے منہ میں جاتا ہوا دیکھ کر کون خاموش رہ سکتا ہے۔ اب تو لوگ مجموعی طور پر سیاسی رہنماؤں اور جماعتوں کو ہدفِ تنقید بھی بنا رہے ہیں ان کے مطابق دہشت گردی اور مہنگائی جیسی لعنت پر قابو پانے کے لئے اتفاق رائے کی ضرورت ہے اور یہی صحیح اقدام ہے۔ یہ نہیں کہ یہ سیاسی جماعتیں اور سیاستدان آپس میں الجھتے رہیں اور قومی مسائل پس پشت ڈال دیئے جائیں۔ ہر نئے حادثے کے ساتھ یقین دہانیاں کرائی جاتی ہیں اور پھر ان کا حشر بھی پہلے جیسا ہی ہوتا ہے۔ عوام کی عمومی رائے یہ ہے کہ سیاسی جماعتوں اور رہنماؤں کو سر جوڑ کر بیٹھنا چاہئے اور اہم فیصلے کرنا چاہئیں کہ کس طرح اس پریشانی سے نجات مل سکتی ہے یہ مصیبت کی گھڑی ہے۔ پریشانی کے دن ہیں دشمن تاک میں ہے اس لئے اس سے بچ کر چلنا فرض ہے لیکن یہاں ایسا نہیں ہو رہا۔

حکمران طبقات تک عوامی جذبات پہنچانا فرض ہے۔ نچلے طبقے نے ایک وقت کا

کھانا چھوڑ دیا ہے کہ ان کی آمدنی میں اب گزر ممکن نہیں رہی وہ پاؤں ڈھکیں تو سر ننگا ہو جاتا ہے اور سر ڈھک لیں تو پیر ننگے ہو جاتے ہیں کیا ان حالات میں اب پھر وقت نہیں آ گیا کہ ہم خود سنبھل جائیں۔ دہشت گردی اور عوام کو درپیش سنگین تر مسائل کی خاطر اکٹھے ہوں، سر جوڑ کر قومی معاملات پر حقیقی قومی اتفاق رائے پیدا کریں تا کہ یہ بے یقینی کی کیفیت ختم ہو اور عوام کے مسائل حل ہوں۔ اب عوام کی مشکلات اس نہج پر پہنچ گئی ہیں کہ عوام خودکشیوں سے بڑھ کر اگلے قدم کی تیاری بھی کر سکتے ہیں۔ ہمارے حکمرانوں سے یہ گزارش بھی ہے کہ وہ سچ بولیں اور عوام کو حقائق سے آگاہ کریں جہاں تک نام نہاد دہشت گردوں کا تعلق ہے تو وہ جان لیں کہ بے گناہوں کا لہو رنگ ضرور لاتا ہے یہ کوئی جہاد نہیں جو وہ کر رہے ہیں ان کے حصے میں عوامی نفرت ہی آ رہی ہے۔"

(روزنامہ پاکستان ۳؍جولائی ۲۰۱۰ء)

ننگا ہے یارسول اللہ ننگا ہے!!

اطہر مسعود

یااللہ ہم پر رحم فرما، اھدنا الصراط المستقیم۔ ہمیں سیدی راہ دکھا ہمیں ہدایت دے، ہمارے اہلِ سیاست، اہلِ حکومت، اہلِ عدالت اور اہلِ صحافت کو سمجھ دے، انہیں احساس ہو جائے کہ اِس ملک کے مسئلے اٹھارہویں ترمیم، این آر او رکیس، بابر اعوان اور رحمان ملک کے علاوہ کچھ اور بھی ہیں، ان سے بہت زیادہ اہم، بہت زیادہ بنیادی۔ ہمارا ملک خطرے میں ہے، ہم تباہی کی طرف دوڑ رہے ہیں۔ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نظر کرم فرمایئے۔ ننگا ہے یارسول اللہ ننگا ہے!!

سیّدِ ہجویر مخدومِ اُمم
مرقد او پیر سنجر را حرم

اگر سیّدِ ہجویر، کشف المحجوب والے سیّد علی علیہ الرحمتہ اسی طرح اسلام پھیلاتے جس طرح آج کل پھیلایا جا رہا ہے تو آج تک ہم شاید سارے کے سارے ہندو ہی ہوتے اور ہندوؤں میں بھی اچھوت۔ لاہور کو داتا کی بستی کہلانے کا اعزاز اور شرف انہی داتا گنج بخشؒ کے نام سے ہی ہے جن کی چوکھٹ پر کھڑے ہو کر تاجدارِ ہند نظام الدین اولیا رحمۃ اللہ علیہ کے منظور خاص سیّد معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا تھا:

گنج بخش فیضِ عالم مظہرِ نورِ خدا
ناقصاں را پیرِ کامل، کاملاں را راہنما

کوئی دن ایسا نہیں گزرتا جس میں ہزاروں لوگ ان کے درِ دولت پر حاضری نہیں

دیتے، کوئی رات ایسی نہیں گزرتی جس میں لاتعداد لوگ داتا کے گدا بن کر لنگر نہیں سمیٹتے۔ سب لنگر خانے بند ہو جائیں داتا کا لنگر کھلا رہتا ہے، نہ کوئی ذات پوچھتا ہے، نہ پات، نہ فرقہ، نہ عقیدہ، جو جھولی پھیلاتا ہے اس کا دامن خالی نہیں رہتا۔ جو ہاتھ اٹھاتا ہے من کی مراد پاتا ہے...... کیا وہ واقعی مسلمان تھے جنہوں نے لاہور کے سرتاج کی درگاہ کو لہولہان کر دیا؟ جنہوں نے نبیؐ کی نشانی کی قبر کو مسلمانوں کے خون سے نہلا دیا؟ جمعرات کی رات جہاں پھولوں کی برسات ہوتی تھی وہاں خون کے فوارے چھوٹ رہے تھے......

اس درگاہ پر تو کسی فرقے کی بھی تفریق نہیں کی جاتی، سنی، شیعہ، دیوبندی، اہلحدیث سبھی یہاں دعا کے لئے آتے ہیں کوئی انہیں داتا مانے نہ مانے، داتا کا برگزیدہ بندہ ضرور مانتا ہے جو کھیر یا نیاز کا چڑھاوا نہیں بھی چڑھاتا دعا کی نذر ضرور پیش کرتا ہے اس مرکز تجلی کی بے حرمتی کرنے والے کون تھے اور ان کے پشت پناہ کون؟

جس معاشرہ میں سارے لوگ سیاست بازی میں مصروف ہوں، الزام تراشی اور Blame Game جن کا وطیرہ ہو اُن کے ساتھ ایسے ہی ہوتا ہے۔ اب یہ بحث ہوگی کہ امن وامان کس کی ذمہ داری ہے، وفاق کی یا صوبے کی؟ پنجاب میں طالبان ہیں یا نہیں؟ حملے کی اطلاع ملی تھی یا نہیں؟ حفاظتی انتظامات درست تھے یا نہیں؟ حکمرانوں کے آگے پیچھے چلنے کے لئے ہزاروں کی تعداد میں پولیس والوں کی ڈیوٹی ہوتی ہے، ملت کے اس نگہبان کے مزار کی حفاظت پر کتنے لوگ مامور تھے؟ دنیا کے کتنے ممالک ہیں جہاں حفاظتی انتظامات اور آلات بھی ٹی وی شوز اور خبروں میں دکھائے جاتے ہیں اور اُن پر تبصرے ہوتے ہیں؟ بطور معاشرہ ہم زندہ بھی ہیں یا مَر مُرا چکے ہیں؟ عبادت گاہیں اور قبرستان تو غیر مسلموں کے بھی ہوں ان کی تعظیم کی جاتی ہے کیا اسلام کا کوئی ادنیٰ نام لیوا بھی ایسی حرکت کر سکتا ہے؟ کیا پانچ پانچ لاکھ اور پچاس ہزار روپے ملنے سے مردے زندہ ہو جائیں گے اور زخم بھر جائیں گے؟

نہ ہمارے عوام یعنی ہم لوگ سدھرنے والے ہیں نہ حکمران طبقوں کو شرم آنے والی

ہے نہ اسلام کے ٹھیکیداران دہشت گردوں کے دل میں خدا کا خوف آنے والا ہے۔ ہم میں سے کسی کو اپنی دنیا کی فکر نہیں عاقبت کی کیا ہوگی؟ نہ جانے ہم لوگ کس طرح اپنے ربّ کے روبرو پورے قد سے کھڑے ہوسکیں گے؟ کس منہ سے اپنے نبیؐ کے سامنے حاضری دے سکیں گے؟ اُن کی نظر سے نظر ملا سکیں گے؟ جب قبر میں پوچھا جائے گا کہ یہ کون ہیں؟ تو آپ کو کس طرح پہچان پائیں گے؟ آپؐ سے اپنا کیا رشتہ ظاہر کرسکیں گے؟...... مان لیں کہ تخریب کاری کرنے والوں کو ہمارے دشمنوں کی پشت پناہی حاصل ہے اُن کی تربیت کار غیر ملکی ہیں اور ان کو اسلحہ بیرون ملک سے ملتا ہے لیکن یہ لوگ کہاں پلتے ہیں؟ کہاں سے آتے ہیں؟ کن کے گھروں میں ٹھہرتے ہیں؟ کن مدرسوں میں قیام کرتے ہیں؟ کن عبادت گاہوں کے حجروں میں پلتے ہیں؟ یہ اداکار ہیں، لیکن ہدایتکار کون ہیں؟ اور ہم نے بطور قوم ان سب باتوں سے آنکھیں کیوں بند کر رکھی ہیں؟ کیا اس طرح ہم بچ جائیں گے؟ دوسروں کی بے گناہ موت پر چپ رہنے والے کیا خود اس انجام سے محفوظ رہ سکیں گے؟ اور اِن حالات میں جب ملک خطرے میں ہے، بطور قوم ہم آخری ہچکیاں لے رہے ہیں ملت نام کی کوئی چیز باقی نہیں رہی، ایسے موقعے پر ہم جن بحثوں میں پڑے ہوئے ہیں جن مسائل میں الجھے ہوئے ہیں، کیا یہی ہماری اصل بحثیں ہیں؟ اور کیا یہی ہمارے اصل مسائل ہیں؟

نگاہے یا رسول اللہ ؐ نگاہے!!

(روزنامہ خبریں ۳رجولائی ۲۰۱۰ء)

آدم خور درندے

محمد طارق چودھری (سابق سینیٹر)

سید ہجویری رحمۃ اللہ علیہ صدیوں سے لاہور کی بستی میں راوی کے کنارے تہہ خاک آسودہ ہیں۔ ان کے مبارک قدموں نے اس بے نام شہر کو وہ عظمت و رفعت عطا کی کہ انہیں کے فیض سے آج یہ عالم اسلام کا عظیم علمی اور روحانی مرکز ہے ان بزرگوں کی عظمت کردار اور فیضان عام سے اللہ تعالیٰ نے وہ عزت و توقیر بخشی کہ یہاں امت کے ازلی دشمن بھی سر جھکائے حاضری دیتے ہیں۔ انسان تو کیا آدم خور درندے بھی ان آستانوں کے قریب نظر نیچے کیے دبے پاؤں گزرتے ہیں مگر یہ کون سفاک تھے جن کے مقابل وحشی درندے معزز ٹھہریں اور رحم دل قرار پائیں۔ کوئی مجسم ابلیس ہی ہوں گے جو بارود و آہن لئے گنج بخش فیضِ عالم رحمۃ اللہ علیہ کے صحن میں اترے اور ان کے ہزاروں معزز مہمانوں سے بھرے صحن کو مقتل بنا ڈالا۔

سید ہجویریؒ کے نیک دل سادہ فطرت پینتالیس مہمان شہید ہوئے اور دو سو سے زیادہ زخموں سے چور ہسپتالوں میں جا پہنچے، اپنے عزت دار مہمانوں کی اس بے بسی پر فیاض میزبان پر کیسی قیامت گزری ہوگی حضرت لاکھوں بھوک کے ستائے دوستوں کا پیٹ پالتے اور رات کو سو رہنے کے لئے اپنے پہلو میں بستر فراہم کرتے ہیں وہ ذمہ داری جو اسلام کے نام پر حاصل ریاست کے حکمرانوں اور معاشرے کے صاحبِ ثروت انسانوں کی تھی کہ وہ مفلوک الحال لوگوں کا سہارا بنیں ان کے پیٹ میں بھڑکتے دوزخ کی آگ بجھا کر خودکشی کی حرام موت سے بچائیں وہ آسودہ خاک بزرگ رحمۃ اللہ علیہ

کے عقیدت مندوں نے سنبھال رکھی ہے۔

اب اس مملکت 'مذہب اور سماج کے دشمنوں کی خون آشامی امن و محبت کے پیغامبر درویشوں کی چوکھٹ تک آ پہنچی......

درویش شاعر صاغر صدیقی نے کہا تھا...... :

جس دور میں لٹ جائے فقیروں کی کمائی
اس دور کے سلطان سے کچھ بھول ہوئی ہے

یہاں فقیروں کی کمائی تو کیا ان کے آستانے دھواں اوران کے مہمان دوستوں کے جسم قیمہ بنا دیئے گئے۔ اب درویشوں کی پناہ میں آئے بے سہارا بھی جماعتوں کی سیاست اور بین الاقوامی سازشوں کا ایندھن ہیں۔ عوام کی خدمت اور حفاظت کا حلف اٹھانے والے حکمرانوں نے اپنے گرد آہنی دیوار اور انسانی حصار اٹھا رکھے ہیں اور خلق خدا کو باولے کتوں کے آگے ڈال دیا گیا ہے۔ ان کے خونِ ناحق پر کس سے منصفی چاہیں اور کس کا گریبان پکڑیں؟

یہ بے رہرو قاتل کون ہیں؟ زہریلی فطرت کے بچھو، آگ اگلتے اژدھے بے شک ان کے نام اور شکل مسلمانوں سی ہو، دیکھنے میں بھی انسان ہی لگتے ہوں لیکن یہ ناموس مصطفیٰ کے دشمن، چادرِ زہرہ بیچ کھانے والوں کو کوئی نام دے کر حکومتیں اپنی ذمہ داریوں سے پہلوتہی نہ کریں۔ تخریب کاروں کو امریکی حکمت کاروں، اسرائیلی سازشوں بھارتی خفیہ ایجنسیوں کے ایجنٹوں میں بھی تلاش کریں۔ یہ بلیک واٹر اور زی سروسز کے کارندے بھی ہو سکتے ہیں۔

کیا ایرانی انقلاب کے بعد سے امریکہ اور یورپ شیعہ سنّی فسادات کروانے اور تضادات ابھارنے میں کوشاں نہیں رہے۔ جب 1989ء میں ایران نے کشمیر کے مسئلے پر پاکستان سے بڑھ کر پاکستان کی وکالت کی تو عین انہی دنوں حق نواز جھنگوی کا قتل، امام بارگاہوں اور دیوبندی مساجد کو تواتر سے نشانہ بنا کر فرقہ وارانہ ہم آہنگی ختم کرنے کی

کوششیں نہیں ہوئیں؟

عراق کی آبادیوں کو انہی بنیادوں پر تقسیم کر کے قبضہ مستحکم کرنے کی کوشش نظر انداز ہو سکتی ہے لبنان میں حزب اللہ اور فلسطین کی حماس کو اسی طریقے ایک دوسرے سے دور کرنے کا عمل مسلسل جاری نہین ہے؟ جب سے سعودی عرب نے کچھ آزاد روش اختیار کی اور امریکہ کو اپنی سرزمین جارحانہ مقاصد کے لئے استعمال کرنے سے روکا اس دن سے وہابی اسلام کی رٹ شروع نہیں کر دی گئی۔ پختونستان کا شوشا، بنگلہ دیش کا قبضہ' آزاد بلوچستان، سندھودیش کی آوازیں کہاں سے اٹھیں؟ کس نے ہوا دی؟ پشت پناہ کون تھا؟ سندھی مہاجر تنازعہ، کراچی میں لسانی فسادات، بلوچستان میں غیر بلوچوں کا قتل عام، سوات کے بعد وزیرستان میں کن ملکوں کا اسلحہ پکڑا گیا؟ کون ان کو مالی اعانت اور دہشت گردی کی تربیت دیتا رہا۔ ہماری حکومتیں امریکہ کی آلہ کار بن کر اصل مجرموں کی تلاش سے گریزاں ہیں۔

بلاشبہ آج عوام کو اندھیرے میں رکھا جا رہا ہے مگر جلد ہی خود امریکی اس راز کو عام کر دیں گے کہ افغانستان کے ایک ہی احاطے میں امریکی سی آئی اے، بھارتی را، اسرائیلی موساد اور افغانستان کی خفیہ ایجنسی کے دفاتر کیوں قائم کیے گئے تھے اور وہ کیا گل کھلاتے رہے۔ پاکستان میں دہشت گردی نئی چیز نہیں۔ قیام پاکستان کے ساتھ ہی تبادلہ آبادی کے وقت ملک کے دونوں حصوں کو کئی لاکھ لاشوں کا تحفہ دیا گیا تھا پھر مشرقی پاکستان میں یہ کھیل 1970ء تک جاری رہا۔

کشمیر میں پچھلے تریسٹھ برس سے بھارتی فوج کی طرف سے خونریزی جاری ہے۔ افغانستان پر روسی قبضے کے بعد اس نے بھی افغانستان کی خاد اور بھارتی ایجنسیوں کی مدد سے پاکستان پر دباؤ ڈالنے کے لئے بم دھماکوں کا سلسلہ شروع کیا تھا، اس وقت کی حکومت نے دلی اور ماسکو کو برابر کا جواب دیا تو ان کے ہاتھ رک گئے۔

افغانستان میں امریکی مداخلت کے بعد پاکستان میں دہشت گردی کی لہر اٹھی جو

روز افزوں ہے۔ امریکہ نے پاکستان مخالف شمالی اتحاد کو کابل سونپ دیا اور اپنی مدد کے لئے انڈیا کو خفیہ کارروائیوں کے لئے کھلی چھوٹ دے دی، اسرائیل کو بھی اپنے تعاون کے لئے طلب کرلیا تو ان پاکستان دشمن ملکوں نے امریکہ کے علم یا اس سے بالا روس کی خفیہ والوں کا بھی تعاون حاصل کرلیا جو افغانستان میں شکست پر پاکستان کے خلاف ادھار کھائے بیٹھا ہے۔ ان سب دشمنوں نے باہم مشورے سے خطے کو غیر مستحکم کرنے کا کھیل رچا رکھا ہے۔ ہماری حکومتیں پچھلے دس برس سے سازشوں کا ادراک ہونے کے باوجود ذاتی مفاد اور اقتدار کے لئے ان اصل دشمنوں پر ہاتھ ڈالنے یا انہیں بے نقاب کرنے سے پہلو بچا رہی ہیں۔ قومی سلامتی کے اداروں کی درست تربیت کی جارہی ہے نہ صحیح رخ پر ان کی رہنمائی کی جارہی ہے۔ ہم زہریلے درخت کی جڑ کاٹنے کی بجائے اس کے سوکھے پتے جلا کر مرض کا علاج چاہتے ہیں۔ ہم چھوٹے مگر زہریلے آپریٹرز کو تلاش کر رہے ہیں لیکن ان کی پناہ گاہوں، تربیتی مراکز اور وجوہات کو ختم کرنے کی کوشش نہیں کرتے۔

امریکہ، برطانیہ، سپین نے ایک ایک بڑی واردات کے بعد دوسرے سانحہ کا موقع ہی نہیں دیا حتیٰ سعودی عرب جیسی مملکت ہونے کے باوجود مامون چلی آرہی ہے۔ ان ملکوں نے اپنی حفاظت کے لئے خفیہ ایجنسیوں اور سول انتظامیہ کو متحرک کرنے کے علاوہ کوئی قدم نہیں اٹھایا نہ ہی اندرونی امن وامان کے لئے فوج یا اس کے معاون اداروں کا تعاون حاصل کیا نہ ہی حکمرانوں نے ذاتی حفاظت کے خصوصی اور غیر معمولی انتظامات کیے۔ انہوں نے قومی سلامتی اور امن وامان کی واضح پالیسی بنا کر اس پر سنجیدگی اور مہارت سے عمل کیا قومی تحفظ حاصل ہوتے ہی عوام کے ساتھ حکمران بھی محفوظ ہو گئے وہاں حکمران اشرافیہ نے اپنے لئے الگ حفاظتی حصار نہیں بنائے ہمارے یہاں حکومتیں کوئی ذمہ داری قبول کرنے کو تیار نہیں۔

ذاتی حفاظت کے متعدد حصار قائم کر کے عوام کو قتل عام کے لئے بوچڑوں کے

حوالے کر دیا گیا ہے جو جب چاہیں جہاں چاہیں اپنی ضرورت کے مطابق انہیں لاشوں میں بدل لیں۔ فوج نے سول حکومتوں کی مدد کر کے جن علاقوں کو دہشت گردوں سے پاک کر دیا وہاں بھی جمہوری حکومتوں کی سول انتظامیہ ذمہ داریاں سنبھالنے کو تیار نہیں۔ ذمہ داری قبول نہ کرنے والی حکومتوں کی مہنگی عیاشی کس لئے جاری رکھی جائے۔ ناکام حکومت کی نااہل انتظامیہ کو لوٹ مار جاری رکھنے کی اجازت دیئے رہنے کی بجائے نئے انتخابات کے ذریعے عوام کو نیا موقع فراہم کیا جائے کہ وہ زیادہ اہل لوگوں کو اپنی امانت سونپ سکیں۔ اس کے لئے عوام کی مرضی اور پشت پناہی چاہیے جو صرف نئے انتخابات سے ہی حاصل کی جا سکتی ہے۔

(روزنامہ نوائے وقت ۶ جولائی ۲۰۱۰ء)

اللہ والوں کی درگاہوں کے بعد ملک کی ممکنہ تباہی

سعادت خیالی

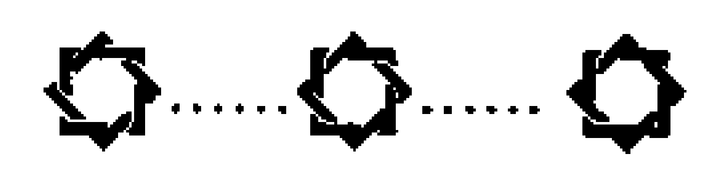
پنجابی میں جب ظلم بربریت اور سفاکی حد سے گزر جائے تو بڑے بوڑھے ''جا تیرا ککھ نہ روے'' کہہ کر دل کی بھڑاس نکالا کرتے ہیں۔ اردو میں آپ اسے ''جا تیرا کچھ نہ بچے'' بھی اکثر کہتے ہوں گے۔ حضرت داتا گنج بخش ؒ کے مزارِ مبارک پر کہ جہاں دردمند اللہ لوگ اور حاجت مند، نورِ خدا سے دل کی مرادیں حاصل کرنے کے لئے جایا کرتے ہیں اور پرانے لاہوریوں کا تو یہ بڑا ہی پرانا قول ہے کہ پنجاب کا دورہ کرنے والا اگر لاہور نہیں گیا تو وہ سمجھ لو کہ پیدا ہی نہیں ہوا اور لاہور جا کر اگر اس نے داتا گنج بخش علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کے مزار مبارک کی زیارت کر کے من کی وادی سے اپنا دامن نہیں بھرا تو سمجھ لیں وہ خالی آیا' اور خالی ہی واپس چلا آیا اور پھر اگر اس عظیم روحانی ہستی پر بارود کا دھماکہ کرنے کا ارادہ لے کر جائے اور اس کا ککھ نہ رہے بدبخت ''دوزخ'' پہنچے اس کے لئے مسلمان یا اسلام کے دامن کا دعویٰ تو ایک طرف اسے سرے سے انسانی مخلوق ہی قرار نہیں دیا جاسکتا۔ ایسے ہولناک شرمناک دھماکوں میں سرکاری طور پر حفاظتی اقدامات کے ذکر کی تو ضرورت اس لئے بھی نہیں کہ انگریز نے حفاظتی اقدامات صرف انگریز حاکموں کی حفاظت کے لئے بنائے تھے۔ پاکستان جو اسلام کے پاک نام پر حاصل کیا گیا تھا۔ پاکستان اس لحاظ سے خوش قسمت ہے کہ اسے پہلے ہی روز سے اپنا لائحہ عمل قرآن پاک کے دیئے ہوئے منشور کو چھاتی سے لگانے کا بھرپور اور مکمل موقع میسر آجائے گا اور ہم اسلامی آئین کی روشنی میں اپنے وطن کو دارالسلام بنا کر مملکت خداداد

پاکستان کی صورت میں سینے سے لگا کر دنیا کی سب سے بڑی مذہبی مملکت بن جائیں گے اور ہمیں انسانوں کی بجائے اللہ پاک کی طرف سے صدیوں پہلے دی ہوئی ہدایات کو حرز جاں بنا کر ملک کو قابلِ تقلید اور جنت نظیر بنانے کی راہ میں کسی دوسری ہدایت کو سدِّ راہ بننے کی زحمت برداشت نہ کرنا پڑے گی لیکن وقت نے بتا دیا کہ ہم اس کے برعکس کس قدر سنگدل اور سفاک ہیں اپنی روایات ہی کو روندر ہے ہیں۔ داتاؒ دربار پر ایک نہیں، دو نہیں، تین سنگدلانہ بزدلانہ اور جگر خراش آتشیں دھماکوں کے علاوہ وہاں اللہ کے ان پیاروں کی بے رحمانہ اموات کے مناظر بھی برداشت کرنا پڑے کہ جن کا دیکھنا تو بعد کی بات ہے اس کا ذکر تک ایک عام مسلمان کا کلیجہ شق کر دینے کے لئے کافی ہے۔ اس سے قبل ہمارے دشمنوں ہندوؤں، قادیانیوں، صیہونیوں اور دوسری مسلم دشمن اقوام نے بلا شک وشبہ دنیا بھر کے ممالک میں سب سے زیادہ! اکثریتی قوم مسلمانوں کا نام تک مٹانے کے لئے ایٹم بم جیسے ہلاکت خیز ہتھیار استعمال کرنے کا پروگرام بنا رکھا تھا۔ یہودی مملکت اسرائیل جو امریکہ کی امداد سے ایک علیحدہ وطن حاصل کر کے دنیا کی سب سے زیادہ طاقت اور من مانی تباہیاں کر کے اپنے علاقہ کے اصل باسیوں تک کو بے وطن کرنے تک کامیاب ہو کر فلسطین پر اپنا جھنڈا لہرا چکی تھی۔ آج ایران جیسا اللہ کا دیا ہوا وطن سامنے نہ ہوتا تو وہ سارے عالم اسلام کا سرمہ بنا چکی ہوتی۔ امریکہ جیسی دنیا کی سب سے بڑی طاقت آج اس کے دم قدم سے زندہ ہے اور وہاں طاقت کے تمام سرچشمے ایٹمی تنصیبات اور اسلحہ ساز کارخانوں سمیت دوسرے تمام اثر انداز ہونے والے بلیک واٹر اس کے زور بازو سے چل رہے ہیں۔ ذکر داتا گنج بخشؒ ایسی عظیم ہستی کے مزار مبارک میں ہونے والے بدبختوں کے دھماکوں کا ہو رہا تھا اور جو کہتے ہیں کہ بات میں سے بات نکلتی ہے۔ ہندو اور یہودی لابی کا ذکر بھی لازماً اس پر ''پردہ زنگاری'' میں آنا ناگزیر تھا۔

جمعرات کو داتا دربار میں دعائیں اور من کی مرادیں حاصل کرنے والوں کا بڑا رش ہوتا ہے ان میں دور دراز سے اپنی نعمتیں حاصل کرنے کے لئے آنے والے زائرین کا

بہت رش ہوتا ہے اور وہ ساری رات دربار میں دعاؤں کا سلسلہ شروع کر کے اگلے روز نماز جمعۃ المبارک تک وہاں قیام کر کے اپنے اور اپنے خاندان کے لئے اللہ کے اس نیک بندے کی دی ہوئی نعمتیں لے جایا کرتے ہیں۔ داتا دربار سے باکل ملحقہ کربلا گامے شاہ کا دربار کے اندر جا نکلنے والا دروازہ ہے۔ دہشت گردوں نے اس دروازہ کو جو اتفاق سے اس وقت صفائی کے لئے بند تھا توڑنے کی بڑی کوشش کی لیکن وہ اس میں کامیاب نہ ہو سکے اور ان کا یہ پروگرام تشنہ رہ گیا جس کے تحت وہ داتا صاحب اور کربلا گامے شاہ دونوں کو خودکش حملوں سے اڑانے کا پروگرام بنا کر آئے تھے تاکہ شیعہ اور سنّی دونوں ان دھماکوں کا الزام ایک دوسرے پر لگا کر خوفناک فسادات کے منصوبہ کے پروگرام کو عملی جامہ پہنا دیتے اور اس طرح جہاں اسلام کے نام تک سے دور رہنے والے دہشت گردوں نے کہ جن سے متعلق ہندو اور یہودی لابی کے مشترکہ مذموم ملی بھگت کا نام لیا جا رہا ہے اس مقصد میں ناکام رہ کر پچاس سے زائد اللہ والوں کی شہادت اور دوسو سے زائد زخمیوں پر ہی اکتفا کرنا پڑا۔

(روزنامہ دن ۸/جولائی ۲۰۱۰ء)



داتا کے بھی روضے پہ ہیں انوارِ مدینہ

پروفیسر حسن ناصر

توحید اور شرک کی غلط تشریح کرنے والے یہ نہیں جانتے کہ شریعت اور طریقت ایک ہی منزل کے دو راستے ہیں۔ شریعت عوام کے لئے ہے۔ طریقت خواص کے لئے ہے، تصوف کیا ہے؟ طریق کیا ہے؟ اس بے مثال ہستی کا ہاتھ تھام کر سوئے منزل چل پڑنا۔ کائنات کی بے مثال ہستی وہی ہے جسے خالق کے مطابق تمام جہانوں کے لئے رحمت بنا کر بھیجا گیا ہے۔ حیرت ہے...... افسوس ہے ان پر جو خالق کی عبودیت میں پیش پیش ہیں مگر اس کے پیامبر کے پیغام کو نظر انداز کر کے میرے وطن کا امن تباہ کرنے پر تلے ہوئے ہیں۔ پاکستان تقسیم سے قبل اس خطے کا حصہ تھا جسے برصغیر پاک و ہند کہا جاتا تھا۔ اس خطے میں کفر و الحاد کی طاغوتی قوتیں اور سائے پوری طاقت سے جلوہ فگن تھے۔ داتا گنج بخشؒ...... خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمۃ اللہ علیہ...... نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ...... بابا فرید رحمۃ اللہ علیہ...... سلطان باہو رحمۃ اللہ علیہ...... سخی شہباز قلندر رحمۃ اللہ علیہ...... جیسی ہستیاں اس خطہ سرزمین میں اپنے فرائض سرانجام نہ دیتیں تو نورِ خدا کبھی کفر کی حرکت پہ خنداں زن نہ ہوتا۔ پاکستان کا دوسرا نام شاید پنجاب ہے اور پنجاب کے سینے میں لاہور دل کی مانند دھڑکتا ہے۔ اس دل کی جان داتا سرکار کا مزار اقدس ہے۔ پنجاب حکومت کا ہر خاص و عام اسے بیرونی عناصر کی کارروائی قرار دے رہا ہے مگر سنی اتحاد کونسل سے مذاکرات اور پھر وزیر اعلیٰ کو پیش کیے گئے مطالبات سے یہ واضح ہو گیا ہے کہ بات بیرونی عناصر کی نہیں بات اندر کے لوگوں کی ہے۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ کمشنر لاہور خسرو پرویز قادیانیوں پر حملے والے دن

بھی ٹی وی سکرین پر بیرونی عناصر کا راگ الاپ رہے تھے۔ داتا سرکار کے مزار پر دہشت گردوں کی کارروائی کے روز بھی محترم کمشنر یہی بات دُہرا رہے تھے۔

سوچنے کی بات ہے، قابلِ فکر، قابلِ غور بات ہے کہ پنجاب حکومت کا ہر ترجمان اس بات کو ماننے کے لئے کیوں تیار نہیں ہے کہ پنجاب میں ان کی جڑیں بہت گہری ہو گئی ہیں جو اپنے سوا ہر ایک کو مشرک اور کافر قرار دیتے ہیں۔ شریعت اور طریقت کی بات تو علم اور معرفت کی بات ہے اگر اسلام اور مسلمانوں کے مابین فرقہ وارانہ اور نظریاتی اختلاف کا ذکر بھی کیا جائے تو یہ طے شدہ بات ہے کہ اسلام کے بنیادی ارا کین جن پر سب کا اتفاق ہے۔ اختلاف کے مقامات کچھ اور ہیں۔ پاکستان کی آبادی میں جو نمایاں فرقے ہیں ان میں اہلسنّت، اہلِ حدیث، اہلِ دیوبند اور پھر اہلِ تشیع ہیں۔ پاکستان کے قیام سے قبل یہ سارے مکتبہ ہائے فکر موجود تھے ان کے علماء کرام اور ان کی پیروی کرنے والے بھی موجود تھے۔ پاکستان بننے کے بعد مذہبی گروہوں نے سیاسی جماعتیں بنائیں تو سیاسی اختلاف کے باوجود فرقہ ورانہ تفاوت اور اختلاف کا زیادہ پتہ نہیں ہوتا تھا۔ پاکستان کی سیاسی تاریخ بتاتی ہے کہ سیاسی مقاصد کے لئے نظریاتی (مذہبی) اختلاف کو ہوا دینے کا کام جنرل ضیاء کے منحوس عہد سے شروع ہوا۔ قلم جلتا ہے یہ لکھتے ہوئے کہ انقلابِ ایران سے یہ خدشات تھے کہ ایران کی مذہبی انقلابی قوتیں کہیں یہ انقلاب خطے کے دوسرے ممالک میں ایکسپورٹ نہ کر دیں۔ دوسرا فیکٹر جس نے جنرل ضیاء کے عہد کو سیاہ کر دیا وہ افغانستان میں جہاد کی سرپرستی تھی۔ ایک پڑوسی ملک (ایران) میں مذہبی انقلاب طلوع ہو رہا ہے۔ دوسرے پڑوسی ملک (افغانستان) میں جہاد شروع ہو رہا ہے۔ ایک ملک (ایران) کا امریکہ شدید مخالف ہے، دوسرے ملک (افغانستان) میں امریکہ جہاد کی سرپرستی کر رہا ہے۔ پاکستان کی سرپر خاکی عقاب (جنرل ضیاء) بیٹھا ہے۔ عراق، امریکہ اور ایک اسلامی ملک (نام نہیں لیتا) یہ نہیں چاہتے کہ انقلاب ایران کے اثرات پاکستان پر پڑیں۔ مقامی جہادی بریگیڈ تیار کیا جاتا ہے، اس کے فرائض؟ پاکستان کے

اندر ایسے تمام عناصر کی بیخ کنی جن پر یہ شبہ بھی ہو کہ وہ ایک خاص مذہبی لائن سے انحرف کے مرتکب ہوں......اور وغیرہ وغیرہ......؟

آج 2010ء میں مشرف کا عہد گزار کر بات بہت دور پہنچ گئی ہے۔ ایک خاص مکتبہ فکر ہے جس کے لٹریچر سے اردو بازار اور بیشتر کتب خانے بھرے ہوئے ہیں۔ حکومت پنجاب کی رٹ میں آتا ہے سب کچھ......مگر؟ اس مگر کا جواب حکومت پنجاب کے پاس ہے یا پھر رانا ثناء اللہ اینڈ کمپنی کے پاس ہے۔ یہاں نہ کوئی سچ لکھتا ہے......نہ سچ بولتا ہے اور نہ ٹی وی پر اپنے مہمان کو سچ بولنے دیتا ہے۔ آج بات یہاں تک پہنچ گئی ہے کہ مزارات پر حاضری دینے والوں کو مشرک قرار دینے والوں نے بقول سرکار دستانے پہنے ہوئے ہیں۔ مزارات مقدسہ پر دہشت گردی کرنے والے بیرونی عناصر ہوتے تو سنی اتحاد کونسل رانا ثناء اللہ کی برطرفی کا مطالبہ نہ کرتی۔ اگر یہ یہود و ہنود کی سازش ہوتی تو حکومت پنجاب سے یہ مطالبہ ہرگز نہ کیا جاتا کہ نہ صرف کالعدم تنظیموں کے خلاف کریک ڈاؤن کیا جائے بلکہ......جی ہاں...... بلکہ ان کی سرپرستی سے علیحدگی بھی اختیار کی جائے۔ سرپرستی ہوتی ہے تو علیحدگی ہوتی ہے۔ ایسا کیوں ہوتا ہے؟ اس میں کیا سیاسی مصلحت پوشیدہ ہے، اس پر نہ تو میں لکھ سکتا ہوں نہ ہی لکھنا چاہتا ہوں۔

میرے سامنے درویشوں کی لڑی کے ایک تابدار موتی حضرت واصف علی واصف رحمۃ اللہ علیہ کے سالانہ عرس کا دعوت نامہ مجھے مسلسل تک رہا ہے۔ یہ عرس ایسے موقع پر ہو رہا ہے جب لاہور کیا پورے وطن کی فضا سوگوار ہے۔ داتا سرکار کے زائرین کی شہادت پر ہر آنکھ نم ہے اور ہر دل گرفتہ ہے۔ بابا جی (واصف صاحب) داتا سرکار سے انتہائی عقیدت رکھتے تھے اور داتا سرکار سے ان کی عقیدت اور محبت ظاہری انسانی آنکھ سے آگے کی بات تھی۔ آپ نے داتا سرکار کی شان میں جو کہا وہ آپ کی نذر ہے۔

داتا کی گلی کافی غریبوں کے لئے ہے!
داتا کے بھی روضے پہ ہیں انوارِ مدینہ

پاکستان کے تمام مسلمانوں کے لئے بابا جی کا یہ شعر خاص طور پر قابلِ غور ہے:

جس دل میں بسی رہتی ہو ولیوں کی محبت
رہتے ہیں اسی دل میں ہی سرکارِ مدینہ

توحید اور شرک کی غلط تشریح کرنے والے یہ نہیں جانتے کہ شریعت اور طریقت ایک ہی منزل کے دو راستے ہیں۔ شریعت کا مرکز و محور آقائے دو جہاں کا اسوۂ حسنہ ہے۔ طریقت، تصوف اور معرفت کیا ہے؟ آقائے دو جہاں کا ہاتھ تھام کر دنیا اور مادے سے ماورا ہو جانا۔ جو ولیوں سے محبت کرتے ہیں انہیں آقائے دو جہاں کی محبت اور توجہ حاصل ہو جاتی ہے۔ یہ دنیا کا واحد ملک ہے جہاں آقائے دو جہاں سے اتنی عقیدت اور محبت کے مظاہر دیکھنے کو ملتے ہیں۔ بابا جی کہا کرتے تھے جو پاکستان سے محبت نہ کرے اس پر سکون حرام ہے......اور یہ بھی کہ پاکستان نور ہے اور نور کو زوال نہیں......

الٰہی واسطہ رحمت کا تجھ کو
خطائیں بخش دے ساری الٰہی
ہر اک سینے میں دل گھبرا رہا ہے
کہ شیرازہ بکھرتا جا رہا ہے
حوادث پر حوادث آ رہے ہیں
کیے پر اپنے ہم پچھتا رہے ہیں
محافظ دین کے پیرانِ جعلی
لبادے اوڑھ کر بیٹھے ہیں خالی
خدایا اپنی رحمت عام کر دے
بہت بگڑا ہوا ہے کام کر دے
الٰہی بخش دے سب کی خطا کو!
قبولیت ملے میری دعا کو!

(روزنامہ دن ۷؍جولائی ۲۰۱۰ء)

داتاؒ دربار میں دھماکے پنجاب حکومت کے لئے چیلنج

ادیب جاودانی

سفاک دہشت گرد ایک مرتبہ پھر لاہور میں خون کی ہولی کھیل گئے۔ اس بار انہوں نے ایک ایسے مقدس مقام کو اپنی درندگی کا نشانہ بنایا ہے جو صدیوں سے امن و امان کی علامت اور انسانوں میں صلح جوئی اور اتحاد و یگانگت کا پیغام پہنچا رہا ہے لاہور میں داتا صاحب کا مزار برصغیر میں اسلام کی آمد اور مسلمانوں کی حکومت کے قیام کی علامت ہے۔ حضرت علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ افغانستان سے اسلام کا پیغام لے کر سرزمین ہند تشریف لائے تھے اور لاہور کو اپنا مرکز بنایا تھا اس وقت سے لاہور اسلامی تاریخ وتہذیب کا عظیم مرکز اور اسلام کے آفاقی اور عالمگیر پیغام کی علامت ہے۔ شیخ علی بن عثمان ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کی سرزمین افغانستان آج صلیبی وصیہونی اور مغربی ملحد فوجوں کے مشترکہ قبضے میں ہے۔ انہی قابض قوتوں کے آلہ کاروں نے اب پاکستان میں علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کے مزار کو بھی ہدف بنایا ہے تا کہ مساجد اور عبادت گاہوں کے ساتھ مزاروں اور خانقاہوں کو بھی زائرین کے لئے غیر محفوظ بنا دیا جائے۔ لاہور میں محوخواب اس عظیم روحانی شخصیت کے مزار پر لاکھوں عقیدت مند حاضری دے کر روحانی فیض حاصل کرتے ہیں اور یہ بات ریکارڈ پر ہے کہ اس عظیم روحانی شخصیت کے مزار کی سکیورٹی انتہائی ناقص تھی۔ کچھ عرصہ پہلے تک تو یہ تصور بھی محال تھا کہ آگ اور خون کے اس کھیل میں مساجد، امام بارگاہوں، مزارات اور دیگر عبادت گاہوں کو بھی نشانہ بنایا جا سکتا ہے لیکن اب ایسا ہو رہا ہے۔ یہ سب کچھ کون کر رہا ہے اور کون کروا رہا

ہے یہ ایک ایسا سوال ہے جو پوری قوم کو پریشان کیے ہوئے ہے۔ لاہور میں جنوری 2008ء سے لے کر اب تک دو درجن سے زائد دہشت گردی کی وارداتیں ہو چکی ہیں۔ دہشت گردوں نے ہر واردات میں مختلف طریقہ اختیار کیا۔ سکیورٹی اداروں کی تین عمارتوں کو ملبے کا ڈھیر بنا دیا گیا۔ روزمرہ کے کاموں میں مشغول درجنوں بے گناہ لوگوں کی جان لے لی گئی اور اب دہشت گردوں نے اپنی کارروائیوں کا رخ عبادت گاہوں اور مزاروں کی طرف موڑ دیا ہے۔ داتا دربار پر دہشت گردی سے ثابت ہوگیا ہے کہ کوئی جگہ محفوظ نہیں رہی ایک عرصہ سے یہ بات واضح ہے کہ پاکستان کے طول و عرض میں دہشت گردی، تخریب کاری، علماء، سیاست دانوں اور معروف شخصیات کو چن چن کر کے قتل کر دینے کی وارداتوں کا تسلسل پاکستان کے خلاف عالمی سازشوں کا نتیجہ ہے۔ جب سے پاکستان دہشت گردی کے خاتمے کے نام پر امریکی جنگ کا آلہ کار بنا ہے اس وقت سے پاکستان مسلسل دہشت گردی کا شکار ہے۔ انسداد دہشت گردی کے نام پر پاکستان کی خفیہ ایجنسیوں اور قانون نافذ کرنے والے اداروں نے انسانی حقوق کی پامالی کے اختیارات بھی حاصل کر لئے ہیں۔ لیکن آج تک دہشت گردی کی کسی واردات کو روکنے میں کامیاب نہیں ہو سکے۔

حیرت انگیز امر یہ ہے کہ پیشگی اطلاع اور الرٹ کی حالت میں بھی اس طرح کے واقعات کی روک تھام میں کامیابی نہیں ہوتی اور تمام کی تمام تیاریاں دھری کی دھری رہ جاتی ہیں۔

پنجاب میں دہشت گردی ختم کرنے کے لئے خادم اعلیٰ پنجاب کو بھرپور توجہ دینی چاہئے۔

(روزنامہ نوائے وقت ۷رجولائی ۲۰۱۰ء)



داتا نگری پر حملہ نے ابرہہ کی یاد تازہ کر دی

کرنل (ر) اکرام اللہ

حضرت علی ہجویری رحمتہ اللہ علیہ کا مزار مبارک جو پوری دنیائے اسلام میں گنج بخش فیضِ عالم مظہر نورِ خدا کی شہرت رکھتا ہے اس پر جمعرات کی شام دہشت گردی کی جس بربریت کا چند خودکش بمباروں نے جو شرمناک مظاہرہ کیا اس کی بازگشت چھ روز گزر جانے کے باوجود پورے پاکستان میں احتجاجی جلسوں، جلوسوں اور قومی غم و غصے کی عکاسی کرنے والے ہر مکتب فکر کے سیلاب کی طرح پھیلتے ہوئے عوامی ردعمل کی ریلیوں سے ظاہر ہے۔ پاکستان کی تاریخ میں حزب اقتدار اور حزب اختلاف کی تمام سیاسی و دینی جماعتوں میں دہشت گردی کے خلاف اس یکجہتی اور فکری اتحاد کا ایسا مظاہرہ پہلے کبھی دیکھنے میں نہیں آیا جو سانحہ داتاؒ دربار کے حوالے سے ایک قومی مفاہمت وجود میں آنے کے امکان سے پیدا ہوا ہے کہ دہشت گردوں کو ان کی جڑوں تک ختم کرنے کے لئے قوم کے تمام وسائل متحدہ طور پر بروئے کار لائے جائیں گے۔ وزیر اعظم نے چیف منسٹر پنجاب کی تجویز پر فوری طور پر قومی کانفرنس طلب کر لی ہے ہر مکتب فکر کے علماء کرام جن میں سنی اتحاد کونسل، صوفیاء کرام، انتہائی قابلِ احترام سجادہ نشین سب نے داتا کے دربار اور ملحقہ مسجد کی بے حرمتی کرنے والے دہشت گردوں ان کے ساتھیوں کو پناہ دینے والوں، مالی مدد دینے والوں اور دہشت گردی کے مرتکب مجرموں کو دائرہ اسلام سے خارج قرار دیا ہے۔

راقم اس قومی یکجہتی کو حضرت داتا گنج بخشؒ کے فیض عام کی ایک برکت قرار دیتا ہے جو دہشت گردی کے خاتمہ کے لئے ایک سنگ میل ثابت ہو سکتی ہے۔ تنظیم المدارس

اہلسنت پاکستان کے صدر اور چیئرمین مرکزی رویت ہلال کمیٹی مفتی منیب الرحمٰن نے مذہبی جماعتوں کی آل پارٹیز کانفرنس طلب کی ہے تاکہ دہشت گردی میں ملوث مجرموں کو نشان عبرت بنانے کا متفقہ روڈ میپ تیار کیا جاسکے۔ سب سے خوش کن اور اصلاح احوال کے لئے امید کی کرن یہ ہے کہ اعلیٰ عدلیہ نے دہشت گردی کے خاتمہ کے لئے ایک موثر قدم اٹھایا ہے یعنی چیف جسٹس لاہور ہائیکورٹ جناب خواجہ محمد شریف نے حضرت داتا گنج بخشؒ کے آستانہ عالیہ اور ملحقہ مسجد میں جمعرات کے روز ہونے والی دہشت گردی کا ازخود نوٹس لیا ہے جو دہشت گردی کے خلاف اعلیٰ عدلیہ کی طرف سے پہلا تاریخ ساز اقدام ہے۔

چونکہ راقم کو بھی حضرت علی ہجویری کی غلامی کا شرف حاصل ہے اور میرا ذاتی تجزیہ ہے کہ 1965ء کی جنگ میں جبکہ راقم برکی کے محاذ پر 12 پنجاب رجمنٹ کمانڈ کر رہا تھا 3 گنا زیادہ برتری کے باوجود بھارتی فوج کو شکست کا سامنا کرنا پڑا۔ بھارتی فوج کے کمانڈر انچیف جنرل چوہدری نے بڑے گھمنڈ سے ''پھڑ'' ماری تھی کہ وہ 6 ستمبر کی شام جمخانہ کلب لاہور میں فتح کا جام نوش کرے گا۔ بی بی سی لندن سے ریڈیو اور ٹیلی ویژن پر بھارتی فوج کو انارکلی بازار پر فتح کا مارچ کرتے دکھایا تھا لیکن انارکلی اور جمخانہ کلب تو درکنار بھارتی فوج بی آر بی کی چھوٹی سی نہر کو بھی کراس نہ کرسکی یہ سب کچھ داتا کی برکت تھی کہ خداوند کریم نے داتا کی نگری کو محفوظ رکھا۔ پاکستان کی فتح لاہور سیکٹر پر علی ہجویری داتا گنج بخشؒ کی کرامت کا نتیجہ تھی اور میرا ایمان ہے کہ جس طرح زمانہ جاہلیت میں کفار کے ہاتھیوں کا لشکر کعبہ کو گزند نہ پہنچا سکا اسی طرح دہشت گردی کا خاتمہ بھی انشاء اللہ حضرت داتا گنج بخشؒ کی دعاؤں اور تجلیات سے ممکن ہو جائے گا کیونکہ اس رحمت و برکت کے سرچشمہ پر دہشت گردوں نے حملہ کر کے خدائے ذوالجلال کے غضب کو چیلنج کیا ہے پاکستانی قوم جاگ اٹھی ہے اور دہشت گردوں کو بالآخر پہچان گئی ہے اور جب دشمن یعنی دہشت گرد قومی سطح پر پہچان لئے جائیں تو جس قوم نے انگریز اور ہندو و یہود کی سازشوں کا مقابلہ کر کے قائداعظم کی قیادت میں پاکستان حاصل کیا تھا اور 1965ء کی جنگ میں اسی پرانے دشمن کے دانت کھٹے کر کے شکست دی تھی وہ قوم انشاء اللہ موجودہ دہشت

گردی کی سازشوں کو بھی ناکام بنا دے گی:

باطل سے ڈرنے والے اے آسماں نہیں ہم

سو بار کر چکا ہے تو امتحاں ہمارا

''ہاتھیوں والوں'' کا انجام تو تاریخ نے دیکھ لیا اب داتا گنج بخش'' کے مزار پر حملہ آور اپنے انجام کو جلد دیکھ لیں گے۔

(روزنامہ نوائے وقت ۷ رجولائی ۲۰۱۰ء)

لاہور داتا صاحب کی وجہ سے روشن ہے

تنویر ظہور

حضرت داتا گنج بخشؒ نے جو کہا، اس پر عمل بھی کیا۔ یہی وجہ ہے کہ وہ غیر مسلموں کو مسلمان کرنے میں کامیاب ہوئے۔ کردار کا گہرا اثر پڑتا ہے۔ آپ کے پیروکار اور غیر مسلم جو بھی نذرانہ پیش کرتے تھے، وہ حاجت مندوں میں تقسیم کر دیتے تھے۔ اپنے پاس کچھ نہیں رکھتے تھے۔ آپ نے علم کے خزانے دونوں ہاتھوں سے لٹائے اور کوئی تفریق روا نہ رکھی۔ آپ نے اخوت کا درس دیا۔ آپ دوسروں کے لئے ایثار کرتے تھے اور ایثار کرتے وقت یہ نہیں دیکھتے تھے کہ یہ ادنیٰ ملازم ہے یا صاحب حیثیت۔ آپ کا درس یہی تھا کہ مسلمانوں کے قول و فعل میں تضاد نہیں ہونا چاہئے۔ ہم کیسے مسلمان ہیں کہ ایسے عظیم صوفی بزرگ کی درگاہ کو لہولہان کر دیا۔ یہ سانحہ دماغ شل کر دینے والا ہے۔ ہمارا آبائی مکان حضرت علی ہجویری داتا گنج بخشؒ کے عقب میں واقع ہے جسے محلہ ہجویری کہتے ہیں۔ پیدائش کے بعد زندگی کے 35 سال میں نے اسی محلے میں بسر کیے۔ میرا کمرہ اوپر کی منزل پر تھا۔ جب میں کمرے کی کھڑکی کھولتا تو حضرت داتا گنج بخشؒ کے مزار مبارک کے سبز گنبد کو دیکھتا رہتا۔ شاید یہ اس کا اعجاز ہے کہ دو مرتبہ خواب میں حضرت علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کی زیارت ہوئی۔ اس دور میں مزار کے اردگرد چار دیواری تھی نہ دروازے، نہ رکاوٹیں اور نہ کسی قسم کی پابندی۔ کیا وہی دور لوٹ کر نہیں آ سکتا؟ ہم کیسے دور سے گزر رہے ہیں۔ حضرت داتا گنج بخشؒ فرماتے ہیں کہ فرقہ واریت وہ لوگ پیدا کرتے ہیں جو اغراض کے بندے ہوتے ہیں۔ جس شخص میں اغراض نہ ہوں اس میں عاجزی اور

انکساری پیدا ہو جاتی ہے۔

آج مسلمانوں کو جتنی اتحاد کی ضرورت ہے، اس سے پہلے کبھی نہ تھی۔ فرقہ واریت سے نجات حاصل کرنے کے لئے حضرت سیّد علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کی تعلیمات کو سامنے رکھنا ہوگا۔ جن کے در پر اولیاء اور صوفیاء آتے ہیں۔ اللہ کے شب زندہ دار آتے ہیں۔ کوسوں کا سفر کرتے ہیں۔ آبلہ پائی اختیار کرتے ہیں۔ درویش اتنے چراغ جلا گئے کہ ابھی تک لاہور داتا صاحب کی وجہ سے روشن ہے۔ ابھی تک خدا کی خدائی کا یقین آرہا ہے۔ یہ انہی صوفیا اور اولیاء کی وجہ سے ہے۔ یہ درویش ہمارے لئے ہماری یاددہانی اور نئی نسل کو تربیت دینے کے لئے بھیجے گئے۔ مسلمان، مسلمانوں سے لڑ رہے ہیں۔ یہ لوگ اپنے رب، اپنے رسول کو کیا جواب دیں گے۔

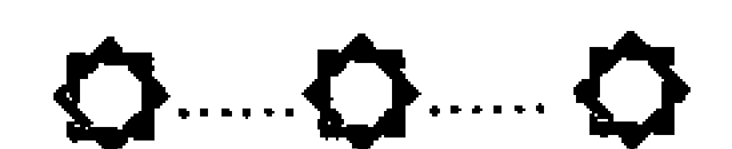
صوفیا اور اولیاء نے اپنے عمل سے لوگوں کی کایا پلٹ کر رکھ دی۔ ہم میں سے کوئی شخص برا نہیں، صرف جذباتی ہیں۔ جوش میں آتے ہیں تو ہوش سے بے گانے ہو جاتے ہیں۔ جب ہوش آتا ہے تو اپنے بے گانے ہو جاتے ہیں۔ ہماری نوجوان نسل بری نہیں، انہیں رہنمائی کرنے کی ضرورت ہے۔

ہم 'بے خدا' ہوتے جا رہے ہیں مگر اب ہمیں 'با خدا' ہونا پڑے گا۔ اس وقت جو ہمہ جہتی معاشرتی بحران ہمیں درپیش ہے اس کو جتنی جلدی گہرائیوں میں دفنایا جائے اتنا ہی بہتر ہے۔ جدید زندگی کو جو خوبصورت انداز ہمیں دینا چاہئے تھا، ہم اس میں ناکام کیوں رہے۔ اس کی بے شمار وجوہات اور عوامل ہیں مگر اس سارے عمل کو جب میں اپنی آنکھ سے اپنے تہذیبی تناظر میں دیکھتا ہوں تو احساس زیاں کے جاتے رہنے کا نتیجہ سمجھتا ہوں۔ اس بنجر پن اور کھوکھلے پن کو ختم کرنا ہوگا۔ مجھے یقین ہے کہ میرا ربّ نوجوان نسل کو یہ توفیق ضرور دے گا وہ صوفیائے کرام کی تعلیمات کو مشعل راہ بنائے گی اور خوبصورت سماج ضرور تخلیق کرے گی۔ شاید یہ وقت زیادہ دور بھی نہیں ہے۔ میں مضطرب ہوں مگر مایوس نہیں۔ میرا ربّ مجھے مایوس نہیں ہونے دیتا۔

حضرت داتا گنج بخشؒ فرماتے ہیں۔علم نافع چاہیے،علم غیر نافع نہیں چاہیے۔علم غیر نافع فرقہ واریت پیدا کرتا ہے۔صوفیائے کرام نے مشاہدے کو بڑی اہمیت دی ہے۔ قرآن میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے مشاہدات ہیں۔جس شخص نے ایمانیات کو سب سے زیادہ فروغ دیا وہ مولانا رومیؒ ہیں۔ان کی مثنوی عرفان کا ایک سیلاب ہے جو قاری کو بہائے لئے جاتا ہے۔مولانا رومی فرماتے ہیں کہ جب آدمی حقیقت میں خدا کا دین کا اور رسول کا عاشق ہو جائے تو صرف ایک ہی فرقہ قائم ہو جاتا ہے، باقی سارے فرقے ختم ہو جاتے ہیں۔اس لئے صوفیا نے صرف ایک ہی فرقہ قائم کیا تھا۔صوفیا کا تعلق خدا سے ہے۔آج بھی اولیاء اور صوفیا کی قبروں پر لوگ اتنے زیادہ کیوں جاتے ہیں۔جب وہ پریشان ہوتے ہیں، جب ان میں اضطراب ہوتا ہے۔زندگی کے معاشی اور معاشرتی مسائل نے ان کے حلیے بگاڑ دیے ہوتے ہیں۔ان مزارات پر جا کر سکون ملتا ہے۔یہی وہ جگہیں ہیں جہاں انسان کا تعلق خدا سے قائم ہوتا ہے۔خدارا ان جگہوں کا تقدس مجروح نہ ہونے دو۔

بستی یہ ہجویری کی
جس میں پل پل میری جان
اپنے داتا پر قربان

(روزنامہ آجکل ۷؍جولائی ۲۰۱۰ء)



داتا صاحب رحمۃ اللہ علیہ......ہم شرمندہ ہیں

ریحان اظہر

اس وقت پورے پاکستان اور دنیا کے دوسرے حصوں میں حضرت داتا گنج بخش علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کے عقیدت منداور چاہنے والے غم میں ڈوبے ہوئے ہیں۔ داتا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کولاہور کا رکھوالا کہا جاتا ہےاور یہ انہی کے مزار مبارک کی برکت ہے کہ لاہو شہر میں کوئی بھوکا نہیں سوتا۔ داتاؒ دربار کا لنگر چوبیں گھنٹے متحرک رہتا ہے اور زائرین باقاعدہ فرمائش کرتے ہیں کہ انہیں چنا پلاؤ کے بعد زردہ چاہیئے۔ دال روٹی کے رسیا، دال روٹی سے پیٹ بھرتے ہیں۔ جمعرات داتاؒ دربار میں عقیدمندوں کے ہجوم کا دن، سالہا سال سے حضرت داتا بخش علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ سے فیض حاصل کرنے والے دربار پر حاضری دے کر اللہ کے اس ولی کوان کی اسلام کے لئے خدمات پر خراج عقیدت پیش کرتے ہیں۔ اس مزار مبارک سے ملحق ایک وسیع وعریض مسجد ہے جہاں پانچ وقت کی نماز ادا کی جاتی ہے اس لئے جولوگ یہ کہتے ہیں کہ وہاں (نعوذ باللہ) مزار مبارک کو سجدہ کیا جاتا ہے تو یہ سراسر غلط ہے کیونکہ سجدہ تو اللہ تعالیٰ کے حضور نماز کے دوران مسجد میں کیا جاتا ہے۔ ہوسکتا ہے کچھ ان پڑھ لوگ وہاں مزار پر فاتحہ پڑھتے وقت ایسی غلطی کرتے ہوں جو شرک کے مترادف ہے تو ایسے لوگوں کو سمجھانے کی ضرورت ہے، منع کرنے کی ضرورت ہے۔

حضرت داتا گنج بخش نے برصغیر میں نوے ہزار سے زیادہ غیر مسلمانوں کو دائرہ اسلام میں داخل کیا۔ آج اتنے برس گزرنے کے بعد بھی ان کی تعلیمات سے مسلمان

فیض یاب ہورہے ہیں۔شاید ہی کوئی ہو جو کہیں سے بھی لاہور آئے اور داتاؒ دربار پر حاضری نہ دے۔داتا صاحب رحمۃ اللہ علیہ ہم لاہوری لوگوں کی شان ہیں اوران کا دربار ہمارا سرمایہ۔

اس مزار مبارک پر دہشت گردوں کا حملہ دراصل ایک ڈرون حملہ تھا جس میں میزائل کی جگہ خودکش حملہ آور مزار پر پھینکے گئے۔کسی بھی ذی شعور پاکستانی کے لئے یہ سمجھنا مشکل نہیں کہ وہ کون لوگ ہیں جو صوفی بزرگوں کے مزاروں پر حملے کررہے ہیں۔یقیناً یہ نہ تو مسلمان ہوسکتے ہیں اور نہ ہی محب وطن پاکستانی۔یہ جہنمی لوگ پاکستان اوراسلام کے دشمنوں کے ایجنٹ ہیں۔کچھ لوگ کہہ رہے ہیں کہ داتاؒ دربار پر حملہ قادیانیوں کی طرف سے اپنی عبادت گاہوں پر حملے کا جواب بھی ہوسکتا ہے(واللہ عالم بالصواب)اس سانحے کے بعد ہماری حکومت،سیاست دانوں اور دینی علماء اورشیوخ کی آنکھیں کھل جانی چاہیں اورایک دوسرے پر کیچڑ اچھالنے کی بجائے مل جل کر دہشت گردوں سے نمٹنے کا لائحہ عمل ترتیب دینا چاہیے۔داتاؒ دربار لاہور کی آن بان شان،ہمارا فخر ہے،آخر ہم نے اس کی حرمت کی پاسبانی میں غفلت کیوں برتی اوراتنی آسانی سے بھاری جیکٹوں میں ملبوس دہشت گردوں کو دربار میں داخل کیوں ہونے دیا؟ ہماری سکیورٹی ایجنسیاں اور پولیس کیا کررہی تھی؟اگر ہماری پولیس اورانٹیلی جنسوں کا یہی غیر مناسب رویہ رہا تو پھر وہ وقت دور نہیں جب یہ دہشت گرد گھر گھر گھس کر حملے کریں گےاور ہم ان کا کچھ نہ کرسکیں گے۔

اس وقت انڈیا کی پاکستان کے خلاف اس غیراعلانیہ جنگ میں فتح ہورہی ہے کیونکہ وہ اپنی مکارانہ مسکراہٹ اور نام نہاد دوستی کی آڑ میں اپنے افغانستان میں بیٹھے دہشت گردوں کے ذریعے پاکستان میں تباہی مچارہا ہے۔وہ یہ سب کچھ اس طریقے سے کرتا ہے کہ ہم اس پرالزام تک نہیں لگاسکیں۔

ایک طرف انڈیا سندھ طاس معاہدے کی خلاف ورزی کرتے ہوئے پاکستان کے

دریاؤں کا پانی روک رہا ہے تو دوسری وہ پاکستان میں کوئی ڈیم بھی نہیں بننے دے رہا۔ان حالات میں جو لوگ انڈیا سے دوستی کے راگ الاپتے رہے وہ دراصل انڈیا کے فائدے کی بات کر رہے ہیں۔اس طرح کی مہم چلا کر ہم انڈیا کو اپنے غیر قانونی ڈیمز مکمل کرنے کے لئے وقت دے رہے ہیں۔یاد رکھیں انڈیا پاکستان سے برابری کی بنیاد پر کبھی دوستی نہیں کرے گا اور دوستی کا ڈرامہ وہ اپنے میڈیا اور اداکاروں کے ذریعے پاکستان کو اُلجھانے کے لئے کرتا رہے گا۔پاکستان میں دہشت گردی کا جو بھی نیٹ ورک ہے اس کی پشت پناہی انڈیا کر رہا ہے اور اس بات میں کسی کو شک نہیں ہونا چاہئے کیونکہ انڈیا کو پاکستان کی ہر Achievement بری لگتی ہے۔

اب ہمارے وزیراعظم یوسف رضا گیلانی نے بیانگ دہل امریکہ سے کہہ دیا ہے کہ امریکہ اب پاکستان کو ڈومور کہنے کا رویہ ترک کر دے۔اس کا مطلب ہے وزیراعظم کے اس بیان کے بعد امریکہ اور بھارت اپنے پاکستان میں پالے ہوئے لوکل ایجنٹوں کے ذریعے مزید حملہ کروائے گا تاکہ پاکستان میں انتشار پھیلے اور یہ ملک غیر مستحکم ہو جائے۔مزاروں پر حملے کروانا اسی سازش کا حصہ ہے۔وہ وقت آن پہنچا جب ہم نے ایک قوم بن کر دشمنوں کی اس سازش کو ناکام بنانا ہے۔آخر میں ہم اتنا کہیں گے "حضرت داتا گنج علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ:

ناقصاں را پیرِ کامل، کاملاں را رہنما

ہم شرمندہ ہیں! بے حد شرمندہ ہیں!

(روزنامہ ڈان ۵/جولائی ۲۰۱۰ء)



تاریخ کا فیصلہ

سلمان بٹ

دھماکے، چیخ و پکار، خون آلود چہرے اور کنکریوں کی مانند بکھرے انسانی اعضاء۔ بالآخر دہشت گرد داتا دربار کو بھی نشانہ بنانے میں کامیاب ہو گئے۔ دہشت گرد کون تھے؟ پس پردہ مقاصد کیا تھے؟ اور ماسٹر مائنڈ کیا نتائج حاصل کرنا چاہتے تھے؟ ساری کڑیوں کو ملائیں تو ایک ہی تصویر بنتی نظر آ رہی ہے۔ "پاکستان کی تباہی۔"

ایک ایسے وقت میں جبکہ افغان پالیسی پاکستان کے حق میں جانے والی ہے۔ ایڈمرل مائیک مولن پاکستانی جوہری ہتھیاروں کو تاج سے تشبیہ دے چکے ہیں۔ جنرل ڈیوڈ پیٹریاس افغانستان میں پاکستانی کردار بڑھانے پر مصر نظر آ رہے ہیں۔ بھارت دہشت گردی کی بیخ کنی پر پاکستانی کوششوں کا عالمی سطح پر اعتراف کر چکا ہے حتیٰ کہ حامد کرزئی تک اپنا لب و لہجہ تبدیل کرتے ہوئے پاکستانی فوجی سربراہ جنرل کیانی پر اعتماد کا اظہار کر چکے ہیں۔ ایسے وقت میں دہشت گردوں کی طرف سے بڑے اہداف کا چناؤ یقیناً انتہائی تشویش ناک پہلو ہے۔

موجودہ حالات میں بڑے اہداف کیا ہیں؟ ہر وہ جگہ جسے مقدس، مقدم یا معتبر گردانتے ہوئے لوگ وہاں کثیر تعداد میں اکٹھے ہوں۔ داتا دربار سانحے میں بھی یہی ہوا۔ حملہ آوروں نے نہایت ہی شفاف منصوبہ بندی کے تحت چند منٹوں کے وقفے والی تکنیک استعمال کی۔ ایک کے بعد دوسرا دھماکہ۔ پچاس افراد لقمہ اجل، سینکڑوں زخمی۔ اس حملے کی صورت میں بنیاد پرستوں نے پاکستانی ریاست کو کھلا پیغام پہنچایا ہے کہ وہ کسی صورت اپنا ایجنڈہ ادھورا چھوڑنے پر آمادہ نہیں۔ خودکش حملوں میں عارضی وقفوں کا ہرگز

مطلب نہیں تھا کہ دہشت گرد تتر بتر ہو چکے ہیں۔ ان کی قوت کمزور پڑ چکی ہے یا وہ ریاستی اداروں سے چھپتے پھر رہے ہیں۔ دہشت گردی بدستور مضبوط اور موجود ہیں۔ وہ نہ صرف اپنی کارروائیوں میں تیزی لائیں گے بلکہ عالمی طاقتوں کو کمزور پاکستانی ریاست کے بارے میں ناامیدی پر مبنی پیغام بھی پہنچائیں گے۔

ایک طرف ریاست ہے۔ دوسری طرف جہالت میں گندھے بوسیدہ اذہان۔ ایک طرف اٹھارہ کروڑ انسان، دوسری طرف چند ہزار جنونیوں پر مشتمل ٹولہ۔ اس جنونی ٹولے سے کس طرح نمٹا جائے گا؟ یہ وہ سوال ہے جس کے جواب کی خاطر گزشتہ نو برسوں سے پاکستانی اور عالمی برادری اندھیرے میں ٹامک ٹوئیاں مار رہی ہے۔ عالمی برادری فرمان جاری کرتی ہے کہ پاکستان کو کسی طور دہشت گردوں کے ہاتھوں یرغمال نہیں بننے دیا جائے گا۔ پاکستانی ریاست نعرہ لگاتی ہے کہ دہشت گردی کو جڑ سے اکھاڑ کر رکھ دیا جائے گا۔ دونوں اپنے دعووں میں ناکام ہو چکے ہیں۔ ریاست یرغمال بن چکی ہے اور دہشت کی پنیری ایک تناور درخت۔ اگر اس معاملے کا حل اتنا ہی آسان ہوتا تو حکومتوں کے تختے الٹنے والی سی آئی اے کب کی کامیاب ہو چکی ہوتی۔ اگر یہ مسئلہ اتنا ہی سادہ ہوتا تو مشرق سے مغرب تک پنجے گاڑنے والی آئی ایس آئی کب کی فتح کے شادیانے بجا چکی ہوتی۔ گزرے سال اس امر کی گواہی دیتے ہیں کہ مذہب کی آڑ میں رینگتا نفرت کا اژدہا پاکستانی سماج کو اپنی گرفت میں لے چکا ہے۔ نو برسوں میں بہنے والا بے گناہوں کا خون چیخ چیخ کر دہائی دے رہا ہے۔ مسلکی برتری کا جلاد لاشوں کے انبار لگا رہا ہے۔ کئی پھٹی لاشیں خاموشی کی زباں میں نوحہ کناں ہیں۔ اب یہ سماج وحشیوں کے رحم وکرم پر ہے اور عام پاکستانی حکومتوں اور اداروں سے صورت سوال ہیں کہ آخر کب تک انہیں ڈھونڈ ڈھونڈ کر موت کی بدصورتیوں کی جانب دھکیلا جاتا رہے گا؟

بڑے اور کلیدی فیصلوں کی قوت سے محروم پاکستانی ریاست مرحلہ وار موت سے ہمکنار ہو رہی ہے۔ کسی سربراہ یا قائد میں اتنی جرأت نہیں کہ ان اداروں، گروپوں اور

تنظیموں پر ہاتھ ڈال سکے، جنہوں نے طویل عرصے سے پوری پاکستانی قوم کو یرغمال بنا رکھا ہے۔ بے پناہ وسائل، کروفر، قیمتی گاڑیاں، آتش گیر ہتھیار اور محافظوں کی فوج۔ کیا ان چیزوں کے ہوتے ہوئے کوئی تنظیم دین کی خدمت کا دعویٰ کر سکتی ہے؟ بظاہر یہ گروپ دین کی ترویج کی خاطر قائم کیے گئے۔ لیکن آج یہ برتری اور بقا کی خاطر نہ صرف آپس میں مورچہ زن ہو چکے بلکہ ریاست کی بھی اینٹ سے اینٹ بجانے پر کمر بستہ نظر آ رہے ہیں۔ ان گروپوں اور تنظیموں نے سماج کی اکثریت کو ایسے نفرت انگیز بحث مباحثوں میں الجھا رکھا ہے جس میں ہر کوئی اپنے آپ کو سچا اور فاتح دیکھنا چاہتا ہے۔ ان کی دین سے دوری کا یہ عالم ہو چکا ہے کہ خودکش حملہ آور پورے اعتقاد کے ساتھ اپنے ہی کلمہ گو بھائیوں کو منافق قرار دیتے ہوئے جسموں کے پرخچے اڑا رہا ہے۔

ہر مسئلے کی مانند اس مصیبت کا بھی حل موجود ہے۔ لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے آگے کون بڑھے گا؟ کس میں اتنا حوصلہ ہے جو دین کی آڑ میں نفرت پھیلانے والوں کو پابند سلاسل کر سکے۔ کس میں اتنی جرأت ہے جو عرب ریاستوں کی طرح شتر بے مہار مذہبی گروپوں اور جماعتوں کو ریاستی کنٹرول میں لے سکے۔ کس میں اتنی ہمت ہے جو روزانہ ہزاروں کی تعداد میں منعقد ہونے والی تربیتی نشستوں میں پھیلائی جانے والی نفرت اور برین واشنگ پر کریک ڈاؤن کر سکے۔ اور کس میں اتنی سکت ہے جو انسان اور اللہ تعالیٰ کے درمیان حائل ہونے والے شرپسندوں کو کچل سکے؟ اگر کسی میں اتنی ہمت نہیں تو واویلا مچانے، حلق پھاڑنے اور ٹسوے بہانے کی کوئی ضرورت نہیں۔ خودکش حملے اسی طرح جاری رہیں گے۔ خون میں لتھڑے لوگ اسی طرح آہ و بکا کرتے رہیں گے۔ حتیٰ کہ ایک وقت ایسا آئے گا جب پاکستان بھر کے شہر اور قصبے نوگو ایریا بن جائیں گے۔ کم از کم تاریخ یہی درس دیتی ہے۔ حالت ہمیشہ ان کی بدلتی ہے جو سچائی پر کاربند رہتے ہیں۔ اور آج کے پاکستان کی سب سے بڑی سچائی ان نفرت کے دیوتاؤں کی توڑ پھوڑ ہے جو پاکستان کا مستقبل نوچنے کے لئے بے چین نظر آ رہے ہیں۔

(روزنامہ آج کل ۵ جولائی ۲۰۱۰ء)

چندی جمعرات

رزاق شاہین

چندی جمعرات کو تمام مزارات پر بے پناہ رش ہوتا ہے لیکن داتا صاحب کی ہر جمعرات چندی جمعرات ہوتی ہے۔ کئی سال پہلے جب ہیپاٹائٹس سی کی وبا پھیلی تھی تو میں کسی قریبی عزیز کے لئے دعا کروانے جمعرات کے روز داتا صاحب گیا، نوافل ادا کیے، دعائیں مانگیں اور عقیدت کا اظہار کیا۔ اسی اثناء میں میری ملاقات ایک بزرگ سے ہوئی جو جنوب کی طرف کھلنے والے دروازے کی سائیڈ پر وضو خانے کی طرف اترنے والے زینے کی جانب تشریف فرما تھے۔ مجھے کسی دوست نے بتایا کہ یہ بزرگ ہر جمعرات کالے لباس میں دربار پر آتے ہیں اور ان کے ساتھ دس پندرہ باریش جانشین بھی ہوتے ہیں۔ کئی برسوں سے ان کا یہی طریقہ ہے کہ اجتماعی دعا جو عموماً 11 بجے کے لگ بھگ ہوتی ہے اس دعا سے فراغت کے بعد سے تہجد کے وقت تک یہ بزرگ سائلین اور اپنے چاہنے والوں میں لنگر تقسیم کرتے رہتے ہیں۔ مصافحہ کرتے ہیں، 10 کا نوٹ، جوس کا ڈبہ، مکھانے، ٹافی یا اسی طرح کی کوئی نہ کوئی چیز مصافحہ کرنے والے کے ہاتھ پہ رکھتے ہیں اور پھر Next کی آواز کے ساتھ اگلا بندہ ہاتھ ملانے آتا ہے یہ سلسلہ کافی عرصہ سے جاری ہے۔

میں یہ منظر کافی دیر تک دیکھتا رہا، رش ختم ہونے کا انتظار کیا لیکن بے سود، رات کے 3 بج رہے تھے۔ آہستہ آہستہ چلتا ہوا داتا صاحب کے مزار کی طرف بڑھا جہاں پانی کا چشمہ بنا ہوا ہے۔ وہاں تک پہنچا پھر خیال آیا کہ شاید پھر کبھی آنا نصیب ہو یا نہ ہو آج ہی

باباجی سے ملتے ہیں۔ واپس آتے ہی میری باری آگئی مصافحہ کیا تو باباجی نے میری کمر پر تھپکی دی اور بہت ہی آہستہ سی آواز میں کہا: بچے بندہ بن جا، جب پریشانی ہوتی ہے تو آپ لوگ دوسروں کو اپنی ٹینشن بتا کر پریشان کرتے ہو، سر پر بازو رکھ لیتے ہو، غم کے جھنڈے لہراتے ہوئے، اللہ کو پکارتے ہو، عزیزوں، رشتہ داروں اور فقیروں کو اپنے دکھ بیان کرتے ہو اور جب خوشی ملتی ہے سب کچھ بھول جاتے ہو۔

میں نے سر اٹھایا تو باباجی کی آنکھیں لال سرخ ہو رہی تھیں ان کے دائیں ہاتھ کی پانچوں انگوٹھیاں چمک رہی تھیں۔ انہوں نے میرے ہاتھ کو اس طرح جھٹکے سے چھوڑا کہ مجھے بجلی کا کرنٹ محسوس ہوا، ایک سیکنڈ کے لئے پلکیں جھپکیں اور میرا دماغ فریش ہو گیا۔ عجیب سی کیفیت طاری ہو گئی یہ سارا پراسس زیادہ سے زیادہ ایک منٹ کا ہوگا لیکن میری دنیا ہی بدل گئی۔ اگلے روز صبح میں نیند سے بیدار ہوا تو مجھے ایسے محسوس ہو رہا تھا جیسے کوئی گمشدہ چیز مل گئی ہو۔ وقت گزرتا رہا، اسے مصروفیت سمجھ لیں یا سستی پورا مہینہ داتا صاحب کی طرف جانا نہیں ہوا۔ بلال گنج سے بندر روڈ اور بندر روڈ سے آفس کئی مرتبہ چکر لگے لیکن ایک دن اچانک دبئی چوک کے قریب اقبال ٹاؤن میں جوس کارنر کے باہر رکھی پلاسٹک کی کرسی پر باباجی بیٹھے تھے اور کم و بیش 8 سے 10 نوجوان لڑکے چاروں طرف گھیرا ڈالے ہوئے سب کے سب خوشحال باریش اور خوش لباس تھے۔ میں نے بڑی کوشش کی کہ بزرگوں سے مصافحہ ہو سکے لیکن بات صرف سلام تک ہی رہی اور قافلہ روانہ ہو گیا۔

میرے اندر کا انسان مجھے مجبور کر رہا تھا کہ میں باباجی کا ٹھکانہ تلاش کروں آہستہ آہستہ میں نے ان کا پیچھا کرنا شروع کر دیا۔ اقبال ٹاؤن میں ہی ایک بڑے ڈیپارٹمنٹل سٹور کے سامنے والی گلی تک میں پیچھے پیچھے چلتا رہا، پہلا موڑ دائیں پھر ڈونگی گراؤنڈ سے چکر کاٹ کر نرگس بلاک کی طرف چلتے چلتے فلم سٹوڈیو کے عقب سے ہوتے ہوئے مسجد کے ساتھ والی گلی مین باباجی ایک کالے رنگ کا گیٹ کھول کر اندر داخل ہو گئے جبکہ باقی

تمام نوجوان ان کو گھر تک چھوڑنے کے بعد سامنے والی گلی میں چلے گئے، جس میں مظفر وارثی صاحب کا گھر ہے، وہی مظفر وارثی جنہوں نے لکھا اور نصرت فتح علی خان نے پوری دنیا کو سنایا کہ "کوئی تو ہے جو نظامِ ہستی چلا رہا ہے، وہی خدا ہے۔"

اگلے روز عصر اور مغرب کے درمیان میں اسی کالے گیٹ کے آگے تھا جس کی تختی پر لکھا ہوا تھا۔ "عبرت سرائے دہر ہے" 412، نرگس بلاک، علامہ اقبال ٹاؤن لاہور۔ میں نے کانپتے ہوئے ہاتھوں سے ڈور بیل بجائی تو وہی بزرگ ململ کا لباس، بڑی تسبیح، انگوٹھیوں سے بھرے ہاتھ، چٹی سفید داڑھی سے پانی کے قطرے موتیوں کی طرح ٹپک رہے تھے جس سے اندازہ ہوتا تھا کہ نماز کا وضو کر کے آئے ہیں۔ السلام علیکم جی! بسم اللہ اندر آجائیں، میں پریشان ہو گیا، پورا گھر خالی تھا، بیڈ روم میں ایک طرف کتابوں کا ڈھیر، دوسری طرف بھی کتابوں کا ڈھیر۔ نہ تعارف ہوا نہ سوال جواب نہ حال چال۔ بابا جی نے فرمایا: مجھے پتہ ہے آپ کیوں آئے ہو؟ اس کو بھی ساتھ لے آنا تھا۔ مگر بابا جی کس کو؟ میں نے سوال کیا۔ بچہ! میرے ساتھ بھی تکلف وہی جس کو ہیپا ٹائٹس سی ہے، تمہاری بیگم جس کی وجہ سے تم پریشان ہو۔ وہ سامنے فریج پڑی ہے جو دل کرتا ہے کھاؤ پیو، یہ تمہارا اپنا گھر ہے لیکن ایک بات یاد رکھنا مجھ سے کتاب مفت نہ مانگنا، عورت کتاب اور روٹی اپنی اپنی......

کچھ دیر بعد اچانک بابا جی متوجہ ہوئے اور مجھے ڈانٹنے لگے، اوہ جاہل انسان کیوں ادھر ادھر بھٹک رہا ہے؟ کیوں حکیموں اور ڈاکٹروں کو فضول پیسہ لٹا رہا ہے۔ کیا تمہیں آج تک کسی نے یہ نہیں بتایا کہ لاہور میں ایک ایسی ہستی ہے اور پھر انہوں نے بلند آواز میں پڑھنا شروع کیا......

گنج بخش فیضِ عالم مظہر نورِ خدا
ناقصاں را پیرِ کامل کاملاں را رہنما

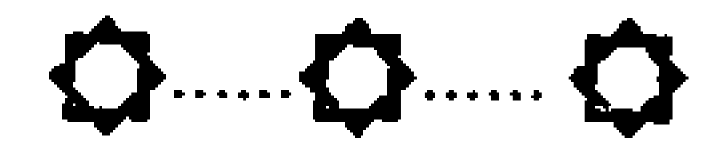
میری طرف گھور کے دیکھا اور اشارہ کیا کہ جا بھاگ جا سیدھا داتا صاحب کے

مزار پر جا، کوئی خالی بوتل ساتھ لے کر جانا، مزار کے قریب جو چشمہ ہے اس کی شمال کی طرف بیٹھ جانا، کچھ آدمی قرآن کی تلاوت کر رہے ہوں گے، اس چشمے سے پانی بھر لینا اور انہیں درخواست کرنا کہ اس پانی پر پھونک مار دیں، یہ پانی جا کر مریض کو پلاؤ، انشاء اللہ شفا ہوگی اور ہاں چندی جمعرات کو پھر مجھے مزار پر ملنے آنا۔

اس وقت میں نے وعدہ تو کر لیا لیکن ہم اگر اتنے قول و فعل کے پکے ہو جائیں تو اور کیا چاہئے۔ میری دوبارہ باباجی سے جب ملاقات ہوئی لاہور کی تمام لیبارٹریاں جنہوں نے HCV+ کا رزلٹ دیا تھا۔ انہوں نے ہی دوبارہ HCV نیگیٹو کی پرچی تھما دی۔ کئی مہینوں سے میرا اترا ہوا چہرہ پھر سے کھل اٹھا۔ تیسری مرتبہ کراچی ائیرپورٹ پر ان سے ملاقات ہوئی، باباجی سے میری آخری ملاقات اس وقت ہوئی جب ضیا شاہد صاحب شیخ زید ہسپتال میں زیر علاج تھے، ان کی صحت یابی کے لئے دعا کرانے اور لنگر تقسیم کرنے کے لئے داتا صاحب گیا، اس وقت باباجی سے میں نے ان کا موبائل نمبر بھی لیا، کئی مرتبہ بات بھی ہوئی لیکن گزشتہ کئی روز سے میرا دل پھر پریشان ہے کیونکہ جب سے داتا صاحب کے مزار پر دھماکہ ہوا ہے باباجی کا موبائل نمبر آف مل رہا ہے۔

پیارے پڑھنے والو، ہمارا آپ کا رشتہ جو بھی ہے، سچا اور پکا رشتہ ہے، پورے ملک میں اور بیرون ملک جتنے بھی دوست احباب اور پڑھنے والے ہیں سب سے عاجزانہ درخواست ہے کہ اس کالم بارے کوئی بھی حتمی رائے قائم کرنے سے پہلے ایک مرتبہ ضرور سوچئے گا کہ بم دھماکے کرنے والے کیا ہم میں سے ہیں۔

(روزنامہ خبریں ۹ رجولائی ۲۰۱۰ء)



لاہور اداس و مغموم تو ہے مگر خائف و مضمحل نہیں

علامہ چودھری اصغر علی کوثر وڑائچ

پاکستان کو عوامی سطح پر خائف و مضمحل کر دینے کے لئے دشمنان پاکستان نے دہشت گردی اور قتل و غارت گری کی جو مہم چلائی ہوئی ہے اس کا ایک مہلک وار یکم جولائی 2010ء بروز جمعرات رات کو تقریباً پونے گیارہ بجے پیکر شریعت اسلامیہ و مبلغ رشد و ہدایت احکام قرآن و سنت، حضرت علی بن عثمان ہجویری المعروف حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کے دربارِ درخشاں پر اس طرح کیا گیا کہ جیسے دہشت گردوں نے اسے اپنے محاصرے میں لیا ہوا تھا کیونکہ دربار کے اندر مختلف مقامات پر یکے بعد دیگرے تین ایسے تباہ کن دھماکے کیے گئے جن میں خودکش حملہ آوروں نے اپنے اپنے جیکٹ میں 20 سے 25 کلوگرام تک دھماکہ خیز مواد اور تباہ کن مواد مخفی رکھ کر دربار کے تمام حفاظتی انتظامات کو عبور کر کے اندر چلے جانے میں کامیابی حاصل کر لی اور دربار کے طلائی دروازے یعنی سونے کے گیٹ کے قریب ایک ایسا دھماکہ کیا جس کو ہلکی شدت کا دھماکہ تصور کیا گیا اور اس کے فوراً بعد داتا دربار کی انتظامیہ نے لاؤڈ سپیکر پر اعلان کیا کہ زائرین کو گھبرانے کی ضرورت نہیں تھی کیونکہ وہ دھماکہ جنریٹر کے اچانک پھٹ جانے سے وقوع پذیر ہو گیا تھا مگر ابھی اس اعلان کی گونج باقی تھی کہ چند لمحات کے بعد ہی وضو گاہ اور لنگر خانے کے قریب ایک خودکش حملہ آور نے ایک خوفناک دھماکے سے اپنے آپ کو اڑا لیا۔ اس دھماکے کی آواز اتنی زیادہ تھی کہ دور دور تک سنی گئی مگر دہشت گردوں کا کوئی منظم منصوبہ اس

کامیابی تک پہنچ چکا تھا کہ پہلے دو دھماکوں سے پیدا ہونے والی آہ و بکا اور چیخ و پکار کے دوران ہی ایک اور خودکش حملہ آور نے مزار حضرت داتا گنج بخشؒ کے بالکل قریب زائرین کے عین درمیان میں خودکش دھماکہ کر دیا، اس وقت لوگ مسجد کے صحن اور مزار داتا گنج بخش کے آس پاس عبادت یادالٰہی میں مصروف تھے اور سکیورٹی انتظامات کے باعث کسی کے خواب وخیال میں بھی نہ تھا کہ اچانک داتاؒ دربار کا سفید و مرمریں فرش خونِ انسان کی ارزانی سے لالہ وگل کی طرح سرخ و رنگین ہو جائے گا۔ ان دھماکوں کے بعد دربار میں ہر طرف لاشیں بکھر گئیں اور عقیدت گزاران واردات مندان کے جسمانی اعضا اندوہناک وجگر پاش انداز میں ہر جگہ نظر آنے لگے۔ ہم سعید آسی اور دیگر ایسے فرزندانِ اسلام کے لواحقین کے حزن وملال میں دلی طور پر شریک ہیں جو اظہار عقیدت کے لئے داتاؒ دربار آئے ہوئے تھے مگر اپنے منتظر گھرانوں میں زندہ خوش وخرم واپس جانے کے بجائے داتاؒ دربار میں ہونے والے ان دھماکوں میں لقمۂ اجل بن گئے۔ اس المناک سانحہ کے وقوع پذیر ہوتے ہی تمام سرکاری انتظامی مشینری حرکت میں آگئی اور امدادی کام میں اتنی برق رفتاری کا مظاہرہ کیا گیا کہ پولیس کی بھاری نفری، ریسکیو 1122، ایدھی ایمبولینس نظام، فائر بریگیڈ، بم ڈسپوزل سکواڈ اور دیگر امدادی ٹیمیں فوری طور پر حرکت میں آگئیں، کمشنر لاہور اور ڈی سی او لاہور بھی فوراً موقع پر پہنچ گئے۔ پرنٹ اور الیکٹرانک میڈیا کی ٹیمیں بھی فوراً جائے سانحہ پر پہنچ گئیں اور لائیو کوریج شروع ہو گئی چنانچہ تمام ایسے لوگ اپنے اپنے گھروں میں دل تھام کے رہ گئے جن کے افراد یا کوئی نہ کوئی فرد ان کے رابطے میں نہیں تھا وہ گھر سے باہر تھا۔ جمعرات کو داتاؒ دربار خصوصی طور پر ارادت کیش اور عقیدت گزار لوگوں کا مرکز بنا ہوا ہوتا ہے۔ پاکستان بھر سے جو لوگ لاہور آتے ہیں وہ بھی حضرت داتا گنج بخشؒ کے مزار و دربار پر حاضری دیئے بغیر لاہور سے لوٹ جانا خلافِ سعادت وعقیدت تصور کرتے ہیں مگر اس سانحہ کا ایک المناک پہلو وہ بھی تھا کہ کچھ عناصر نے مشتعل ہو کر پولیس، انتظامیہ کے دیگر کارگزاروں اور میڈیا کی

گاڑیوں اور شخصیات کو اپنے احتجاجی پتھراؤ کا ہدف بنانے کی کوشش کی چنانچہ وقت نیوز کی اور بی وین پر بھی حملہ کیا گیا اور اس طرح میڈیا کی کوریج اور دیگر امدادی سرگرمیوں میں مزاحم ہونے کی غلطی کی گئی مگر بعداز سانحہ ہر شعبۂ زندگی سے مربوط شخصیات نے جن خیالات کا اظہار کیا اور زندہ دلان لاہور نے مون مارکیٹ کے ناقابلِ فراموش دہشت گرد دھماکے، جامعہ نعیمیہ میں ہونے والے خودکش حملے، ہائیکورٹ لاہور کے باہر پولیس جوانوں کو دہشت گردی کا نشانہ بنائے جانے کے حادثے اور لاہور میں وقوع پذیر ہونے والے دیگر دہشت گردانہ سانحات کے بعد داتا دربار میں ہونے والے دھماکوں سے جانی نقصان پر جس صبر وتحمل کا اظہار کیا ہے وہ اس حقیقت کا آئینہ دار ہے کہ آج لاہور اداس و مغموم تو ہے مگر دشمن کے تمام تر بزدلانہ اور خفیہ حملوں کے باوجود خائف و مضمحل نہیں ہے، اہلِ پاکستان کو یاد رکھنا ہوگا کہ پاکستان حالتِ جنگ میں ہے لہٰذا ایک جنگ کے واقعات ونتائج کے مطابق اپنے حوصلے بلند رکھنا ہوں گے اور پوری بہادرانہ قوتِ مدافعت سے کام لیتے رہنا ہوگا۔

(روزنامہ نوائے وقت ۳ رجولائی ۲۰۱۰ء)



ہمارے یقین اور اُمید کو نشانہ بنایا ہے

طاہر سرور میر

لاہور میں حضرت داتا گنج بخشؒ کے مزار پر کی گئی دہشت گردی دراصل عقیدے کے ساتھ ساتھ اُمیدوں اور دعاؤں پر بھی حملہ ہے۔ 1009 برس سے لاہور میں علی بن عثمان ہجویری رحمۃ اللہ علیہ ہر مذہب اور ہر عقیدے کو ماننے والوں کے لئے یکساں معتبر اور بزرگ ہستی ہیں۔ خطے میں بعض درگاہیں اور آستانے سب مذاہب اور عقیدوں کو ماننے والوں کے لئے خیر و سلامتی کا پیغام دیتی ہیں۔ گزشتہ 25 سال میں میرا ذاتی مشاہدہ رہا ہے کہ بھارت، بنگلہ دیش اور بعض دیگر ممالک سے آنے والے فنکاروں اور دیگر شخصیات نے وہاں حاضری دی۔ 1996ء میں جب بھارتی گلوکار دلیر سنگھ مہدی پہلی بار لاہور آیا تو انہوں نے شہر میں قدم رکھتے ہی داتا علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کی درگاہ پر متھا ٹیکنے کی استدعا کی تھی۔ 1996ء میں ہی بھارتی موسیقار اے آر رحمٰن (اللہ رکھا رحمان) جب اپنے آڈیو البم ''وندے ماترم'' کے لئے استاد نصرت فتح علی خان کی آواز ریکارڈ کرنے دو دن کے لئے لاہور آئے تھے تو داتا صاحب رحمۃ اللہ علیہ جانے کی خواہش کا اظہار کیا تھا۔ مجھے یاد ہے کہ اے آر رحمٰن نے نماز جمعہ مزار داتا صاحب کی مسجد میں ادا کی تھی۔ اے آر رحمٰن سنّی العقیدہ مسلمان ہیں جنہیں بھارتی شہر چنائی (مدراس) میں آباد قادریہ چشتیہ سلسلہ کے بزرگ نے کلمہ توحید پڑھایا تھا۔ لاہور کو داتا کی نگری بھی کہا جاتا ہے۔ درویش، فقراء اور صوفی منش رجحانات رکھنے والے احباب کا کہنا ہے کہ

حضرت علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے اس شہر پر امن کا سایہ کر رکھا ہے۔ دشمنوں نے یہاں حملہ کر کے ہمارے یقین اور امید کو نشانہ بنایا ہے۔ حکومت سمیت ہر ذمہ دار ادارے اور فرد کو اس یقین اوز امید کو بچانا ہوگا۔

(روزنامہ ایکسپریس ۴ر جولائی ۲۰۱۰ء)

✿.....✿.....✿

داتا دربار...... محبت' پاکیزگی اور صلح کا استعارہ

شاہد ندیم

داتا کی نگری پر گزشتہ جمعرات جو قیامت ڈھائی گئی اس پر ماتم کیا جائے یا سوگ منایا جائے۔ مرکز تجلیات میں جو تباہی مچائی گئی، اس پر سینہ کوبی کی جائے یا نعرہ زنی۔ لاہور کے پیٹرن سینٹ (Patron Saint) کے مزار پر روحانی تسکین کے لئے منتیں ماننے کے لئے، سلام کرنے کے لئے آنے والوں کے خون کی ہولی کھیلی گئی، اس پر احتجاج کیا جائے، ٹائر جلائے جائیں یا کاروں کے شیشے توڑے جائیں۔ اس بربریت کا ذمہ دار شہری انتظامیہ کو قرار دیا جائے، صوبائی حکومت کو یا مرکزی حکومت کو۔ پتھر پولیس پر مارے جائیں، خفیہ ایجنسیوں پر یا داتاؒ دربار انتظامیہ پر۔ شہید ہونے والوں کے نقصان کا معاوضہ کیسے طے کیا جائے۔ زخمیوں کے زخم بھرنے کے لئے مناسب رقم کیا ہو...... مگر سوال یہ ہے کہ کیا تحقیقات کا حکم جاری کرنے، معاوضوں کا اعلان کرنے، مذمتی بیانات جاری کرنے سے اس نفسیاتی، جذباتی اور روحانی صدمے کا اثر زائل ہو سکتا ہے جو اس حادثے سے پاکستان کے عوام اور داتا گنج بخشؒ کے پرستاروں کو پہنچا ہے۔ افراد کی شہادت کا دُکھ زیادہ ان کے اہلِ خانہ کو ہوتا ہے اور وقت گزرنے کے ساتھ وہ اس دُکھ کے ساتھ زندہ رہنا سیکھ لیتے ہیں مگر صدیوں سے تجلیاں بکھیرنے والے، دُکھی انسانوں کو تسکین بخشنے والے، گمراہوں کو راستہ دکھانے والے اس مرکز سے عوام کی وابستگی کی بنیاد محض عقیدہ یا روایت نہیں اور نہ ہی یہ ضعیف العقیدہ، روایت پسند لوگوں تک محدود ہے۔

داتا گنج بخش لاہور کی علامت ہیں، لاہور کا وقار ہیں، اس کی روح ہیں۔ وہ روشنی کا ایسا مینار ہیں جو گھپ اندھیرے میں، مایوسی کی تاریکیوں میں بھی روشنی بکھیرتا ہے۔ وہ برصغیر میں اسلام پھیلانے والی قوتوں کا استعارہ ہیں، محبت، پاکیزگی اور صلح کا استعارہ۔

جنونیوں نے داتاؒ دربار کو نشانہ بنا کر پاکستان کے عوام کی روح کو چھلنی کرنے کی کوشش کی ہے، ان سے سکون اور امید کا یہ سہارا چھیننے کی جسارت کی ہے۔ رحمٰن بابا کا مزار ان بدبختوں کا نشانہ بن چکا ہے اور سوات اور دوسرے علاقوں میں بھی مزارات کی بے حرمتی کی گئی ہے مگر داتاؒ دربار پر حملہ نہ صرف سنگینی میں سب سے بڑھ کر ہے بلکہ اس کے پیچھے کارفرما حکمتِ عملی بھی غور طلب ہے۔ اب یہ جنگ صرف پاکستانی حکومت، پاکستانی افواج یا سیاسی قیادت کے خلاف نہیں رہی بلکہ اب یہ جنگ پاکستان کے عوام، ان کے روحانی مراکز اور ان کی غیرت وحمیت کے خلاف ہے۔ اب اس جنگ میں ہر مرد وزن کو شریک ہونا ہے، سر پر کفن باندھ کر۔ اب کسی "اگر مگر" کسی "لیکن"، کسی تذبذب کی گنجائش نہیں رہی۔ وہ جو تماشائی بنے ہوئے ہیں، انہیں اب میدان میں کودنا پڑے گا، وہ جو نوشتہ دیوار کو پڑھنے سے انکاری ہیں، انہیں فیصلہ کرنا پڑے گا اور وہ جو سیاسی مفاد کی خاطر، حکومت سے دشمنی کے سبب دہشت پسندوں کے لئے سافٹ کارنر رکھتے ہیں، انہیں اپنی وفاداریوں کا اعلان کرنا پڑے گا۔

وقت آ گیا ہے کہ ہمارے ملک کے عوام جو طاقت کا سرچشمہ ہیں اور اس مملکت خداداد کے اصل حکمران ہیں، اپنی طاقت کا اظہار کریں۔ ہمارے حکمران اور اسٹیبلشمنٹ انتہا پسندوں اور جنونیوں سے ہر طرح کا تعلق توڑ لیں اور اپنی صفوں کو چھپے ہوئے طالبان سے پوری طرح پاک کر لیں۔ ہمارا میڈیا، ہماری عدلیہ، ہمارے رہنما اس حقیقت کو تسلیم کریں کہ انتہا پسندوں اور جنونیوں سے جنگ ہی اس وقت اولین ترجیح ہے۔ ملک رہے گا تو صحافت یا عدلیہ کی آزادی رہے گی، نظام رہے گا، جائیداد یا دولت رہے گی، عزت اور تحفظ رہے گا، مستقبل محفوظ ہو سکے گا۔ ڈگریاں ضرور چیک کریں، کرپشن کو بصد شوق ختم

کریں، پارلیمان کے پر اگر کترنا ضروری ہے تو بسر و چشم کتریں، روٹی، بجلی اور پٹرول اگر سستا کر سکتے ہیں تو کریں، لاپتہ کا پتہ چلائیں، بار ایسوسی ایشنوں کی سرپرستی کریں، اپنی مرضی اور اپنے چیمبر کے جج لگائیں...... مگر خدارا دہشت پسندوں کا قلع قمع کرنے والی قوتوں کو کمزور نہ کریں، دشمن کو یہ پیغام نہ دیں کہ پاکستانی قوم اس جنگ میں متحد اور پُرعزم نہیں۔

ہمیں داتاؒ دربار پر شب خون مارنے والوں کو یہ بتانا ہے کہ اب یہ جنگ حتمی فتح تک جاری رہے گی۔ ان بدبختوں کے معاون، ان کے سرپرست، ان کے ہمدرد، ان کے زرخرید جہاں کہیں بھی ہیں، انہیں بے نقاب کرنا ہوگا۔ ہمیں چوکس رہنا ہوگا اور متحد۔ داتا کا وہ دربار جو صدیوں سے محبتیں بانٹ رہا ہے، ناامیدوں کو اُمید، بھوکوں کو لنگر اور ہدایت کے متلاشیوں کو ہدایت دے رہا ہے، جس نے ہر بحران میں عوام کو سکون اور حوصلہ بخشا ہے، اب ہماری طرف دیکھ رہا ہے۔ آج ہمیں داتا کی ضرورت تو ہے ہی، مگر آج داتا کو ہماری ضرورت بھی ہے۔ ہمیں داتا کے دربار، داتا کی نگری، داتا کے وطن کی حفاظت کرنا ہے۔ ہمیں صدیوں سے واجب محبت اور عقیدت کا قرض لوٹانا ہے تاکہ مرکزِ تجلیات کی تجلیاں پھیلتی رہیں، رشد و ہدایت کے چشمے جاری رہیں، لنگر چلتا رہے، منتیں پوری ہوتی رہیں، دُعائیں قبولیت حاصل کرتی رہیں، قوالی ہوتی رہے، دھمال پڑتی رہے، سکون ملتا رہے۔ نفرت، تعصب، فرقہ پرستی، دہشت کی زہر آلود ہوائیں پسپا ہوتی رہیں۔

جُگ جُگ جیے نگری داتا کی

(روزنامہ آج کل ۳؍جولائی ۲۰۱۰ء)



داتا سرکار رحمۃ اللہ علیہ

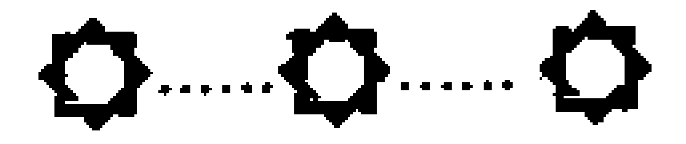
فاروق عادل

وہ عجب رات تھی، ہمارے بزرگ قبلہ شاہ صاحب، آصف فاروق اور میں سوہنے شہر لاہور میں کوچہ گردی کرتے کرتے تھک گئے تو وہاں جا پہنچے جہاں کسی خواہش کے بغیر آنے والا بھی نہال ہو جاتا ہے اور میں وہاں سے نہال ہو کر لوٹا۔ عجب بے چینی، بے کاری اور بے روزگاری کے دن تھے، دولت مندوں پر بے وجہ اور بے پناہ غصہ آتا تھا اور میں اس شہر میں غصہ اتارتا پھرتا تھا۔ شاہ صاحب نے کہا، آؤ تانگے پر بیٹھتے ہیں، ہم تانگے پر بیٹھے، شاہ عالمی اور مسجد شب بھر سے ہوتے ہوئے بھاٹی دروازے جا پہنچے، اس کے بعد راستے کھل جاتے ہیں یا بند ہو جاتے ہیں، یہ اپنی اپنی سمجھ کی بات ہے، بات صرف اتنی ہے کہ بھاٹی دروازے پر ایک مقام ایسا بھی ہے جہاں تانگہ گھوڑا پہنچ تو جاتا ہے لیکن قدم آگے نہیں بڑھا سکتا، انسان کیا کرتے ہیں؟ یہ ان کی تربیت، ظرف اور برداشت کا معاملہ ہے، شاہ صاحب عجیب بزرگ ہیں، ان کے جلال اور جمال کی پیش گوئی آسان نہیں، تھوڑی دیر پہلے وہ اچھرہ میں تھے تو لوگ نماز پڑھ رہے تھے اور وہ ایک قبر کے سرہانے بیٹھے ورد کر رہے تھے، اب یہاں جیسے ہی سبز پٹکوں، سفید مکھانوں اور روح تک میں خوشبو اتار دینے والے لال سرخ پھولوں والا بازار آیا تو ان کی حالت عجیب ہوگئی، وہ ننگے پاؤں چلتے چلتے بھیڑ میں جانے کہاں گم ہوگئے، اس بے ادب نے اپنی زندگی میں مقام حیات سرگودھا کے سینکڑوں برس قدیم قبرستان کے "بابے ڈھوڈے" کا مزار ہی دیکھ رکھا تھا، ہم عمروں کو دیکھا دیکھی اس کا نمک چاٹا تھا اور اس کے

گرد گھوم کر پیٹھ کیے بغیر باہر آنے کا تجربہ اور مشاہدہ کر رکھا تھا، یہ تجربہ اور مشاہدہ تو تھا لیکن اس کی کوئی رودل کے کسی نہاں خانے سے ہو کر نہیں گزری تھی، دل کا کوئی تار نہیں چھیڑتی تھی اور سچ تو یہ ہے کہ قبریں کیا ہیں؟ گزر جانے والوں کا مدفن، ان کو ملجا و ماویٰ بنا لینے والے جاہل اور بدعقیدہ، بد بخت اور جہنمی، اس عقیدے کے ساتھ زندگی کے اٹھائیس تیس برس گزارنے والے شخص کی سمجھ میں وہ واردات کس طرح آ سکتی تھی جو شاہ صاحب پر گزر رہی تھی؟ لیکن اس کے بعد وہ ہو گیا، جس کی کوئی توجیہ اور کوئی جواز اس بے ادب اور بے مایہ شخص کی سمجھ میں آج تک نہیں آ سکا۔

حاضری کے بعد شاہ صاحب کو قرار آ چکا تھا اور ہم آتے آتے اب چبوترے پر کھڑے تھے، جس کی سیڑھیاں اُترتے تو تیزی سے چلتے ہوئے کسی تانگے کو جا لیتے جو ہمیں مسجد شب بھر اور مسلم مسجد وغیرہ کی سیر کراتا ہوا اسٹیشن کے اس پار کوچوں کے اڈے تک پہنچا دیتا مگر ہم لوگ تو ایک ایسی بحث میں اُلجھ چکے تھے جس کی حدود عقیدے سے نکل کر جانے کہاں کہاں سے بھٹکتی ہوئی کسی ایسے مقام پر پہنچ جاتی ہیں جس کے بعد بے سمت ہو جانا مشکل نہیں رہتا، دوران خطاب جب میں ایک ایسے نکتے پر آ پہنچا جب بات میں زور پیدا کرنے کے لئے آواز بلند ہو جاتی ہے اور مخاطب کو شرمندہ کرنے کے لئے چہرہ مضحکہ خیز حد تک سنجیدہ بن جاتا ہے اور طنز کے زہر میں بجھا ہوا ایسا وار کیا جاتا ہے کہ مخاطب کی شکست یقینی ہو جاتی ہے۔ بس ایسی ہی کیفیت میں کوئی میری ٹانگوں سے لپٹ گیا اور میری بولتی بند ہو گئی۔ لذت کئی طرح کی ہوتی ہے، حیوانی، نفسانی اور بے معنی، اس لذت کو نام دینا تب بھی مشکل تھا، آج بھی آسان نہیں، وہ شخص جواب تک لنڈورا پھرتا تھا اور نہیں جانتا تھا کہ دولہا بننے کا نشہ کیا ہوتا ہے، اسے یوں محسوس ہوا جیسے وہ دولہا ہے اور ایک معصوم، پیاری اور چھوٹی سی بچی نے اس کی ٹانگیں جکڑ رکھی ہیں، سانس میں سانس آتے ہی آواز کانوں سے ٹکرائی، ”دس روپے بابو! دس روپے“ بے روزگار بابو نے جس کی جیب میں جمع پونجی اب تھوڑی ہی تھی، بے اختیار دس روپے اس بچی کے سپرد کیے اور

بچی اسے حیران پریشان چھوڑ کر بھیڑ میں کہیں غائب ہوگئی، شاہ صاحب جانے کیا کہتے رہے اور آصف کا طرزِ عمل کیا رہا، ہم لوگ جانے کہاں سے ہوتے ہوئے کہاں پہنچے اور لاہور سے اسلام آباد کے سفر تک کیا صورتِ حال رہی؟ کچھ کہنا مشکل ہے، وہ رات کیسی گزری؟ اس کی تفصیل بھی یادوں کی تجوری سے غائب ہے، بس اتنا یاد ہے کہ اسلام آباد میں ایک پیغام کا منتظر تھا کہ کراچی فون کرلو، کراچی فون کیا گیا، دنیا ہی بدل گئی، پوچھا گیا، ''سعودی عرب جانا ہے تو فوراً پہنچو۔'' یہ تمنا تو مدت سے دل میں کروٹیں لے رہی کہ کبھی اس دیار جانا ہو اور وہاں پہنچ کر دربار نبی صلی اللہ علیہ وسلم میں سر جھکانے کا موقع ملے، وہ موقع آن پہنچا تھا، ماں کی تمنائیں کچھ اور تھیں، وہ بہت سے رشتے تلاش کیے بیٹھیں تھیں، اس کے اسباب بھی پیدا ہوتے چلے گئے، بے روزگاری نے مزاج میں زہر بھر رکھا تھا، دونوں کے خاتمے کی بھی خبر نہ ہوئی، بس! اس کے بعد تو دروازے کھلتے چلے گئے اور اب تک کھلتے چلے آتے ہیں، اس سرکار کے دربار سے رات یہ کیا خبر آئی کہ دنیا ہی اندھیر ہو گئی، وہ چبوترا کیا ہوا جس پر میری شاہ صاحب اور آصف سے تو تو میں ہوئی تھی؟ اس معصوم بچی کا کیا بنا جو بے روزگاروں کی ٹانگوں سے لپٹ کر اُمیدوں کے پیغام اور لذت کی پھوار بنا کرتی تھی؟ وہ رات کیا ہوئی جس کی چاندنی میں نہ ماننے والا ماننے والوں میں شامل ہوا؟ ظالمو! یہ تم نے کیا کیا؟ محبت اور آشتی کے اُس معبد میں خون کی ہولی؟، جس کے سائے میں لاہور لاہور بنا، محبت کو معنیٰ ملے، لاریب! تم حد سے بڑھے، اس کے بعد اندھیرا نہیں اُجالا ہے، امن، محبت اور بقائے باہمی کا اُجالا۔



کوئی جگہ محفوظ رہ گئی؟

طارق عبداللہ سہیل

مسجد میں بم پھٹتے ہیں، اقلیتوں کی عبادت گاہوں پر حملے ہوتے ہیں، مارکیٹیں بارود کی نظر ہو جاتی ہیں، ہسپتالوں میں گھس کر مریض مار دیئے جاتے ہیں، سڑکوں پر لاشیں بچھ جاتی ہیں، کہیں جائے پناہ نہیں۔ اور اب برصغیر کے عظیم روحانی مرکز کو خاک اور خون میں نہلا دیا گیا۔ کوئی سانحہ سا سانحہ ہے!

مسجدوں اور درباروں پر آنے والوں کی اکثریت دکھیاؤں کی ہوتی ہے۔ روحانی اور ذہنی سکون لینے اور خدا سے لو لگانے کے لئے یہ اور کہاں جائیں۔ خدا کے سوا ان کا کوئی سہارا نہیں ہوتا۔ یہی مقامات ان کی پناہ گاہیں ہیں، اب یہ چھتری بھی محفوظ نہیں رہی۔

جہاں دھماکہ ہوا وہ حضرت داتا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی آرام گاہ کے قریب ہے اور اسی جگہ سلطان الہند خواجہ اجمیری رحمۃ اللہ علیہ نے تاریخی چلّہ کاٹا تھا۔ چلّہ گاہ سے قربت کے لئے جہاں دعائیں کرنے والوں کا جمگھٹا رہتا ہے۔ جنگ ہو رہی ہو یا سیلاب آ جائے، مزاروں کے لنگر فاقہ کشوں کے لئے ہمیشہ کھلے رہتے ہیں یہ وہ خبر ہے جس کا سلسلہ کبھی رکا نہیں بالخصوص جمعرات کو، دہشت گردوں نے دن بھی کیا خوب چنا۔ انہیں تو زیادہ سے زیادہ لاشیں گرانے اور زیادہ سے زیادہ خون بہانے سے غرض تھی۔

بے رحم دشمن نے ہمیں گھیر لیا ہے اور کوئی بچانے والا نہیں۔ جنہیں ہماری حفاظت کا ذمہ دیا گیا ہے وہ قیصر و کسریٰ کے محلات بنا رہے ہیں۔ جیسے انہوں نے کبھی مرنا نہیں۔

ٹھیک ہی تو ہے۔انہوں نے کہاں مرنا ہے،مرنا تو عوام نے ہے جن کی آج کے پاکستان میں کوئی ضرورت نہیں رہی، ایک بے ضرورت بے قیمت شے، اور حفاظت ضروری اور قیمتی شے ہی کی جاتی ہے،خس وخاشاک کو تو بس ہواؤں کے لئے چھوڑ دیا جاتا ہے۔

(روزنامہ ایکسپریس ۳رجولائی ۲۰۱۰ء)

پنجاب کی باری

طلعت حسین

داتاؒ دربار کے سبز گنبدوں کو خون کی سرخی میں نہلانے والوں کے مذموم ارادے کامیاب نہیں ہو سکے۔ کل کی طرح آج بھی معتقدین کے جوق زیارت کے لئے موجود ہیں۔ نہ ہی کوئی ایسی خبر ہے کہ جمعرات کو ہونے والے خودکش حملوں نے دور دراز سے آنے والوں کے ارادوں میں دراڑ ڈال دی ہو اور نہ ہی زائرین نے شہر لاہور کے سفر کو مؤخر کیا ہے۔ دربار کے باہر فٹ پاتھ پر موجود دُکھی انسانیت کے علمبردار بھی جوں کے توں موجود ہیں۔ عینی شاہدین نے تو یہ گواہی بھی دی ہے کہ رات کو دھماکوں کے فوراً بعد ہنگاموں کے تھمتے ہی اِرد گرد کی دُکانوں کے تھڑے پھر سے غرباء کے بستر بن گئے اور انہوں نے بہت سوں کو ہر طرف پھیلی ہوئی تباہی سے غافل چین کی نیند سوتے ہوئے پایا۔

داتاؒ دربار پر ہونے والے حملے اور اس سے جنم لینے والے سانحے کی یہ پہلی انہونی نہیں ہے۔ ہزار سال سے جاری فیض یابی کا یہ چشمہ اتنے گھروں کو سیراب کر چکا ہے کہ دہشت گردوں کی چیرہ دستیاں اور ان کی آنکھوں میں اترا ہوا خون نہ تو اس مرکزِ عقیدت کو تباہ کر سکتا ہے اور نہ ہی اس پر تکیہ کرنے والوں کے دلوں کو کمزور کر سکتا ہے۔ ویسے بھی اس معاشرے میں اتنے غم بکھرے ہوئے ہیں کہ غم گساری کا کوئی ذریعہ لوگوں کے ہجوم سے کبھی خالی نہیں ہو ہی نہیں سکتا۔ دہشت گرد لاکھ بم پھاڑیں انسان دل کی تسلی اور روح کی تسکین کا در نہیں چھوڑیں گے۔

مگر اس کے ساتھ ساتھ اس حملے کے محرکات سے آنکھ ہٹانا بھی انتہائی بے وقوفی بلکہ خطرناک حماقت ہوگی۔ پنجاب میں بالخصوص اور ملک بھر میں بالعموم اس واقعے کے تناظر میں اندرونی خلفشار کے خطرات عود کر سامنے آئے ہیں۔ کسی طور بھی دیکھیں یہ معمولی واقعہ نہیں ہے۔ اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ اس خطے میں بسنے والوں کے تاریخی اور دیرینہ نظریاتی اختلافات اس حد تک بڑھ گئے ہیں کہ مزاروں اور خانقاہوں کے ماننے والوں کے مخالفین اب برداشت کا مادہ کھو چکے ہیں تو بھی اس واقعے کی یہ وضاحت مکمل طور پر قابلِ یقین نہیں ہے۔ اپنی عبادت کے طریقے کے دائرے سے باہر لوگوں کو کافر کہنے والے تو یہاں کب سے آباد ہیں۔ ایک دوسرے کی مساجد میں نماز نہ پڑھنے اور صرف اپنے نظریہ توحید کو جنت کی کنجی گردانے والوں کا تعصب بھی نیا نہیں ہے اگرچہ فرقہ واریت ماضی میں خون آلودہ جھگڑوں کا باعث بنی مگر پھر بھی اتنا لحاظ ضرور برتا گیا کہ کبھی داتا دربار پر حاضری دینے والوں کو باقاعدہ منصوبہ بندی کے تحت قتل کرنے کا گھناؤنا کام نہیں کیا گیا۔ جہانِ فانی سے رخصت ہونے والے بزرگوں سے رابطہ جوڑنے والوں کو مشرک تو کہا گیا مگر کبھی اتنے بڑے پیمانے پر ایک عبادت گاہ پر حملہ نہیں ہوا۔ یقیناً مسجد اور امام بارگاہوں میں بہیمانہ قتل عام ہوتا رہا ہے مگر سلسلہِ فیض کی ایسی آماجگاہیں جہاں سے بھوکوں کا پیٹ بھی بھرتا ہو اور آزردہ روحیں چین بھی پاتی ہوں اس تباہ کاری سے نجات کی حد تک محفوظ رہی ہیں۔

اس سے مراد یہ ہے کہ داتا دربار پر حملہ محض اُن نظریات اور فکری نفرتوں کا نتیجہ نہیں ہو سکتا جنہوں نے ہمیں اندر سے گھن کی طرح کھا لیا ہے۔ پھر داتا دربار ہی کیوں؟ پنجاب کے چپے چپے پر بزرگانِ دین کی تجلیات پھیلی ہوئی ہیں جن سے خلقِ خدا خود کو نہ صرف منسوب کرتی ہے بلکہ جن پر اپنا سب کچھ مٹانے کے لئے ہر وقت تیار رہتی ہے۔ لاہور میں داتا دربار کو ہی کیوں چنا گیا؟ سوال قابلِ غور بھی ہے باعث فکر بھی۔ اس کا جواب تلاش کرنے سے پہلے لاہور ہی میں احمدیوں کے عبادت خانے پر کمانڈو طرز کے

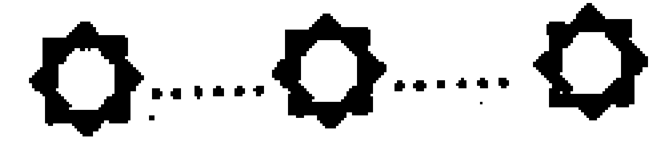
حملے کو بھی ذہن میں رکھنا ہوگا اور خود کو یہ یاددہانی بھی کروانی ہوگی کہ کس طرح پچھلے دو سالوں میں پنجاب کے اس مرکز میں بدامنی اور شورش کے نہ ختم ہونے والے واقعات کا ایک سلسلہ جاری ہے جس نے پاکستان کے اندر اور باہر ایک خاص طبقہ فکر کو یہ کہنے کا موقع فراہم کیا ہے کہ اس ملک کا اصل مسئلہ اس کے سب سے بڑے صوبے میں طالبانائزیشن کا عمل ہے جس کے انسداد کے لئے واحد تجویز اُس قسم کا ملٹری آپریشن ہے جو ہم نے سوات اور مالاکنڈ کے دوسرے علاقوں میں دیکھا۔ اس طبقہ فکر کے مطابق پنجابی طالبان کی حقیقت سے نظر چرا کر یہاں کی حکومت اس ملک کو آگ میں جھونک رہی ہے اور یہ کہ جب تک ان طالبان کے خلاف طاقت کا بے دریغ استعمال نہیں ہوتا داتا دربار اور سری لنکا کی ٹیم پر ہونے والے حملوں جیسے واقعات ہوتے رہیں گے۔

یہ ایک عجیب اتفاق ہے کہ جوں جوں پنجابی طالبان کے قلع قمع کرنے کے حق میں خاص طبقہ آواز اٹھا رہا ہے توں توں دہشت گردی کی وارداتوں میں نہ صرف شدت آرہی ہے بلکہ ان کی نوعیت سنجیدہ سے سنجیدہ تر ہوتی چلی جارہی ہے۔ اگرچہ یہ کہنا ناانصافی ہوگی کہ پنجابی طالبان کے خلاف اقدامات کرنے کی ضرورت پر زور دینے والے ان واقعات کا موجب بن رہے ہیں یا ان کے مطالبے اور بڑھتی ہوئی دہشت گردی میں کوئی سازش سے بھرا ہوا تعلق موجود ہے مگر ہمیں یہ ضرور سوچنا چاہئے کہ پنجاب میں آپریشن کرنے کے حق میں بولنے والے کیا داتا دربار جیسے واقعات سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اپنے نقطہ نظر کو زیادہ پرزور انداز سے بیان نہیں کریں گے؟ کیا اب امریکہ کی جانب سے پاکستان میں دہشت گردوں کے ''نئے راج'' کے حوالے سے کیے جانے والے تجزیے یا اس سے متعلق خطرات کا اظہار زیادہ معقول اور باوزن محسوس نہیں ہوگا؟

ہمیں یاد ہے کہ سوات میں طالبان کے خلاف کارروائی ہو یا وزیرستان میں فوجی آپریشن، پاکستان کی ریاست اور حکومت دونوں نے اُس وقت تک حتمی اقدامات نہیں اٹھائے تھے جب تک پانی سر سے گزر جانے کی خوفناک صدائیں حقیقت بنتی ہوئی نظر نہیں

آئیں۔ سوات کے آپریشن کا آغاز بونیر میں طالبان کی آمد اور اُس کی مشہور خانقاہ پر قبضے کے بعد ہوا یعنی اُس وقت کہ جب بین الاقوامی میڈیا نے اسلام آباد پر القاعدہ کے قبضے کے امکانات کھلے عام خبروں میں بیان کرنا شروع کیا۔ لاہور میں بھی اس قسم کے حالات بنتے ہوئے نظر آ رہے ہیں۔ داتا دربار کے سانحہ کا تعلق نہ تو دربار سے ہے نہ ہی فرقہ واریت کی دہکتی ہوئی تاریخی بھٹی سے۔ یہ تو ایک دعوت نامہ ہے جس پر لکھا ہے "آ فوج اب طالبان کو پنجاب میں مار۔"

(روزنامہ ایکسپریس ۳ر جولائی ۲۰۱۰ء)



لاہور اور حضرت داتا صاحب رحمۃ اللہ علیہ

عبدالقادر حسن

جب سے پرویز مشرف کے ایک جرنیل نے ذاتی پرخاش پر پرانے بلدیاتی نظام کو تہس نہس کیا اور ڈی سی وغیرہ کے عہدے ختم کیے تب سے ہماری سرکاری زندگی بہت زیادہ تہس نہس ہوگئی ہے اور عوام کو پوچھنے والا اوران کی ذمہ داری لینے والا کوئی نہیں رہا ورنہ ڈی سی اپنے ضلع کے ہرفرد کے ہرمسئلے کا ذمہ دار ہوتا تھا۔ بہرکیف یہ مسئلہ تفصیل طلب ہے مختصراً عرض یہ ہے کہ لاہور میں ایک صاحب ہیں خسرو پرویز ان کے عہدے کا نام تو نئے نظام کے تحت نہ جانے کیا ہے مگران کو کمشنر کی ذمہ داریاں سونپی گئی ہیں اور وہ کمشنر لاہور کہلاتے ہیں چنانچہ لاہور میں ان کے زمانے میں تخریب کاری اور دہشت گردی کی جو واردات بھی ہوئی ہے اس کی انہوں نے ایک ذمہ دار افسر کی حیثیت سے تفتیش کی ہے اور جس نتیجے پر پہنچے ہیں اس کا اعلان بھی کیا ہے مثلاً سری لنکا کی ٹیم کا حادثہ ہوا تو انہوں نے اور ان کے ماتحت پولیس افسروں نے اپنی تفتیش اور تحقیق کے بعد کہا کہ اس میں بھارت کا ہاتھ ہے اس پر اسلام آبادی خوفزدہ وزیروں نے ان کو ڈانٹ پلائی کہ بھارت کا نام کیوں اور کیسے لے لیا لیکن وہ کیا کرتے نام تھا ہی بھارت کا چین ایران کا تو نہیں تھا اس لئے انہوں نے جواب میں بھارت کا نام دُہرا دیا۔ ایک پاکستانی غیرت مند افسر اپنے دشمن بھارت کو اس کے واضح قصور کے باوجود کیسے معاف کرسکتا ہے۔

داتا دربار کے سانحہ نے پورے ملک اور لاہور شہر کو ہلا کر رکھ دیا ہے۔ لاہوری تو داتا

کی برکت کے بغیر اپنا تصور بھی نہیں کر سکتے۔ یہ کوئی لطیفہ نہیں کہ حج پر گئے ہوئے ایک لاہوری کو بخار ہو گیا تو اس نے مکہ مکرمہ سے ماں کے نام پیغام بھیجا کہ امی داتا صاحب کے دربار پر جا کر میری صحت کے لئے دعا مانگنا۔ ہزار برس سے زیادہ عرصہ ہوا لاہوریوں کو داتا کی مہربانی حاصل ہے اور اس کی برکت میں سرشار زندگی گزارتے ہیں۔ لاہور میں جمعرات کا دن داتا صاحب کا دن ہوتا ہے برادرم حمید علوی نے ایک دلچسپ بات سنائی کہ این میری شمل نے ان سے کہا کہ داتا صاحب کے مزار پر جانا ہے لیکن کل چلیں گے کل جمعرات ہے۔ جرمنی کی اس مشہور غیر مسلم مستشرق کو علم تھا کہ لاہور میں یہ دن داتا سے ملاقات کا دن سمجھا جاتا ہے۔ لاہوریوں اور پنجابیوں کی داتا صاحب کے ساتھ وابستگی کے قصے اتنے زیادہ ہیں کہ کالموں میں ان کے ذکر کی گنجائش کہاں۔ گزشتہ جمعرات کی شام کو جب داتا صاحب کے مزار پر دہشت گردی کا واقعہ ہوا تو لاہور شہر سن ہو کر رہ گیا۔ ایک ناقابلِ تصور واقعہ۔ داتا کے مریدوں اور عقیدت کیشوں کا خون بہا لیکن لاہوریوں کے لئے اس مقام کی یہ بے ادبی شاید اس خون سے بڑا سانحہ تھا۔ یہ ایک ولی، صوفی، قلندر، میزبان اور اس شہر کی بزرگ ترین شخصیت کا مزار ہی نہیں تھا اہلِ لاہور کی روحانی پناہ گاہ تھی۔ علوم تصوف کی پانچ بڑی کتابوں میں حضرت داتا کی کتاب کشف المحجوب کو پہلا مرتبہ اور درجہ دیا جاتا ہے۔ یہ کتاب حضرت نے اپنی مادری زبان افغانی دری فارسی میں لکھی تھی۔ غزنی کے محلے ہجویر میں علی بن عثمان نے یہ کتاب مکمل کی۔ مرشد کے حکم پر لاہور کے کفرستان میں تشریف لائے۔ حضرت نے لاہور میں ڈیرے ڈال دیئے اور فیض عام جاری کیا۔ برصغیر کے بڑے صوفیوں نے یہاں چلہ کشی کی، خراج عقیدت پیش کیا۔

گنج بخش فیضِ عالم مظہرِ نورِ خدا

داتا نے ایک مہمان خانہ جاری کیا' کروڑوں لوگ یہاں کی میزبانی کا لطف اٹھا چکے ہیں اور یہ سلسلہ جاری ہے۔ داتا کا یہ لنگر کسی حکمران کی فیاضی نہیں عالمِ غیب کے سخیوں کی دین ہے۔ لاہور کے مسافر چاہیں تو دنیا داری کے کام ختم کر کے صبح و شام کھانا یہاں

کھائیں۔ میرے بڑے بھائی اس قدر معتقد تھے کہ بڑھاپے میں بھی لاہور کا سفر کرتے تھے، محض سلام کے لئے۔ گاؤں کی آسودہ زندگی کی وجہ سے جسم دیوانے کے عادی تھے۔ ایک بار سفر کی وجہ سے بہت تھک گئے اور سلام ودعا کے بعد مسجد میں لیٹ گئے اور کہنے لگے حضرت آپ کا مہمان ہوں بہت تھک گیا ہوں۔ تھوڑی ہی دیر بعد ایک صاحب آئے اور انہوں نے جسم دبانا شروع کر دیا اور جسم کی تھکان نچوڑ دی جب وہ جانے لگے تو داتا کے اس حیرت زدہ مہمان نے ان کے بارے میں پوچھا تو صرف اتنا بتایا کہ وہ موچی دروازے میں رہتے ہیں اور یہ کہہ کر چلے گئے۔ میں صرف اپنے گاؤں کے ان لوگوں کی باتیں سنانا شروع کر دوں جو لاہور میں ہائیکورٹ میں پیشی کے لئے آتے تھے اور ایک مقدمہ حضرت کے دربار میں بھی دائر کر دیتے تھے تو کتابیں لکھی جائیں۔ داتا صاحب کی کتاب اسلام کی ایک مکمل تفسیر ہے۔ ایک "وہابی" میاں طفیل محمد نے اپنے مُرشد مودودی کے حکم پر ان کی کتاب کا ترجمہ کیا۔ یہ کتاب پڑھیں تو پتہ چلتا ہے کہ اسلام اور انسان کا رشتہ کیا ہے۔ حضرت داتا صاحب شاعر بھی تھے لیکن کسی نے ان کا دیوان چرا لیا۔ وہ بڑے دکھ کے ساتھ اس کا ذکر کرتے ہیں۔ اس وقت یاد نہیں آرہا ہے کہ یہ واردات لاہور میں ہوئی تھی یا ان کے آبائی وطن میں لیکن داتا صاحب کو اپنی شاعری کے گم ہونے کا اچھا خاصا قلق تھا۔ ان دو چار اشاروں میں حضرت کا ذکر کرنے کے بعد میں لاہور کے کمشنر خسرو پرویز کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ ایک سرکاری ملازم ہونے کے باوجود انہوں نے اپنے دشمن بھارت کی اس تخریب کاری پر پردہ نہیں ڈالا۔ تعجب کیجئے کہ ہمارے متعلقہ وزیر کو اب تک شبہ ہے کہ ان وارداتوں کے پیچھے کون ہے۔ اب میں کبھی کمشنر لاہور سے ملوں گا۔ لاہور اور لاہوریوں کے دلوں پر حضرت داتا کی توہین اور بے حرمتی کا جو زخم لگا ہے وہ شاید ہی مندمل ہو۔ اس شہر میں کئی صوفیائے کرام مدفون ہیں اور لاہوریوں کی عقیدتوں کا مرکز ہیں۔ میاں میر جیسی تاریخی شخصیت نے بھی اس زمین کو رونق بخشی ہوئی ہے اور بھی بہت نام ہیں۔ لاہور میں بادشاہ جہانگیر اور پہلے مسلمان بادشاہ قطب الدین ایبک کا مقبرہ بھی ہے۔ تاریخ کی اور کتنی ہی شخصیتیں اس شہر میں آخری

آرام کر رہی ہیں لیکن یہاں بادشاہ صرف ایک ہی مدفون ہے اور وہ ہے داتا گنج بخشؒ جس کے دربار سے کروڑوں بھوکوں نے بھوک مٹائی اور نہ جانے کتنوں نے مرادیں پائیں۔ یہ لنگر اور یہ فیض جاری ہے اور راہلِ لاہور اس زخم کو نہیں بھولیں گے جوان کے دشمن نے ان پر لگا دیا ہے۔ لاہوریوں کے حکمران بھول جائیں مگر داتا کی رعیت یہ کبھی نہیں بھولے گی۔ بھارت دشمنی کی انتہاؤں پر اُتر آیا ہے۔

(روزنامہ ایکسپریس ۳ر جولائی ۲۰۱۰ء)

لاہور کے دل پر حملہ

زیبا نورین

حضرت داتا گنج بخشؒ کا مشہور قول ہے کہ ”جھوٹ رزق کو کھا جاتا ہے“ یہ کیسی ستم ظریفی ہے انہی کے مزار کی حفاظت پر ماموراانتظامیہ نے اُس وقت جھوٹ بولا جب مزار ہی نہیں سینکڑوں زندگیوں کا سوال تھا عینی شاہدین کا کہنا ہے کہ جب پہلا دھماکہ ہوا اور لوگ اپنی جانیں بچانے کے لئے بھاگنے لگے تو انتظامیہ کی طرف سے اعلان کیا گیا کہ جنریٹر پھٹا ہے،فکر کی کوئی بات نہیں۔لوگ اس بہکاوے میں آگئے لیکن ٹھیک تین منٹ کے بعد دو دھماکوں نے اُس جگہ پر خون کی ندیاں بہادیں جسے لاہور کا دل کہا جاتا ہے۔وہ لاہور جہاں حضرت معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ تشریف لائے تو داتا گنج بخشؒ کے مزار مبارک پر اعتکاف فرمایا اور وقت رخصت یہ شعر پڑھا ۔

گنج بخش فیضِ عالم مظہرِ نورِ خدا
ناقصاں را پیرِ کامل کاملاں را رہنما

حضرت داتا گنج بخشؒ کے مزار پر بولا جانے والا جھوٹ دراصل اُس بگڑے معاشرے کی عکاسی ہے جس کی نشاندہی آپ رحمۃ اللہ علیہ ہی کے ایک قول کے ذریعے کی جاسکتی ہے کہ تین گروہ ملک اور معاشرے میں بگاڑ کا باعث بنتے ہیں۔ بے علم حکمران، بے عمل عالم اور توکل سے محروم فقراء۔ داتا کی نگری پر حملہ حکومتی کارکردگی پر بہت بڑا سوالیہ نشان ہے۔حکمرانوں کے مطابق خودکش حملہ آوروں کو روکنا ناممکن ہے

ایسے میں حکومت سے یہ سوال کرنا کہ ایسی تشویش ناک صورتحال میں ایسے حساس مقامات پر سکیورٹی کا انتظام کیوں نہیں کیا گیا' بالکل بیکار ہے۔ حکومت بیچاری تو اب تک یہ پتہ نہیں لگا سکی کہ یہ کون ہے؟ ''مسلمان'' ہیں جو ''جہاد کا جھنڈا'' مسلمانوں کے خون سے رنگنے کے لئے ہاتھ میں اُٹھائے پھرتے ہیں۔ یہ تسلسل کہیں رُکتا نظر نہیں آ رہا اور اس کا ذمہ دار سو فیصد اقتدار پر براجمان طبقہ ہے اور سب سے بڑھ کر پاکستانی عوام جو توڑ پھوڑ کر کے دل کا غبار نکالتے اور خاموش ہو جاتے ہیں۔

کوئی یہ سوال تک نہیں کر سکا کہ اُسامہ بن لادن کا شکار کرنے پاکستان آنے والا امریکی جو ہتھیار لئے سرعام پاکستان میں گھوم رہا تھا، اتنی آسانی سے کیسے امریکہ کے حوالے کر دیا گیا؟ جبکہ اُس کے ملک میں ڈاکٹر عافیہ صدیقی کو تفتیش کے تمام تر مراحل سے گزارا جا رہا ہے اور ہم اس تفریق کو تیسری اور پہلی دُنیا کے فرق کے ساتھ منسوب کر کے خاموش ہو جاتے ہیں حالانکہ ہم تو اب اس فرق سے بھی باہر نکل رہے ہیں اور اب تو شاید تیسری دنیا کے باسی کہلانے کے بھی حق دار نہیں رہے کیونکہ ہم اُس دنیا میں اپنا ہی تحفظ کرنے میں ناکام ہیں جسے گلوبل پوزیشننگ سسٹم نے بدل کر رکھ دیا ہے۔ وہ سسٹم جس کے تحت امریکہ اپنے ملک میں بیٹھ کر بٹن دباتا ہے اور ایک میزائل امریکی بحری بیڑے سے اُڑتا ہوا اپنے ہدف پر جا کر گرتا ہے۔ سیٹلائٹ سسٹم کے ذریعے دنیا بھر میں جاسوس کا نظام چلایا جا رہا ہے۔ اس سسٹم کے تحت ایک کیپسول نما ٹریکنگ ڈیوائس ایجاد ہو چکی ہے جو سائز میں اتنی چھوٹی ہے کہ اسے انسانی جلد میں داخل کر دیا جائے تو وہ نہ اسے محسوس کر سکتا ہے اور نہ اسے تلاش کر سکتا ہے تاہم اس کے ذریعے کسی بھی شخص کی دنیا میں کہیں بھی موجودگی کا پتہ چلایا جا سکتا ہے، یہ تک خبر لی جا سکتی ہے کہ وہ شخص کتنے قدم چلا اور کن لوگوں سے ملا۔ اسی سسٹم کے تحت کمپیوٹر کا بٹن دبانے سے کسی بھی شخص کی ایک دن، ایک مہینہ ایک سال یا پوری زندگی کی رپورٹ پلک جھپکتے سامنے آ سکتی ہے۔ کیسی بات ہے کہ ہم اس ٹیکنالوجی میں مہارت رکھنے والی سپر پاور کے ''دوست'' ہیں۔ وہ دہشت گردوں کو تلاش

کرنے میں ہماری سرپرست بھی ہے لیکن آئے دن پاکستان کو خون سے غسل دیا جا رہا ہے۔ مانا کہ ایک ناخواندہ دماغ نفرت تشدد اور جبر کو مذہب کا جائز ہتھیار تسلیم کرتا ہے لیکن کیا کہیں گے وہاں جہاں کسی صوبے کا وزیر اعلیٰ اپنی علم دوستی کا ثبوت یہ کہہ کر دے کہ ''ڈگری تو ڈگری ہی ہوتی ہے وہ جعلی ہو یا اصلی کیا فرق پڑتا ہے۔'' اس بیان کی روشنی میں اُس خطرے کو محسوس کریں جواب ہماری عبادت گاہوں اور مزاروں سے نکل کر ہمارے گھروں کی طرف بڑھ رہا ہے۔

(روزنامہ نوائے وقت ۳؍جولائی ۲۰۱۰ء)



"وقتِ دعا ہے"

محسن گورایہ

پچھلے تین دنوں سے طبیعت افسردہ، دل مغموم اور آنکھیں پُرنم ہیں، ابھی تک سیّد ہجویریؒ کے پاک در پر دہشت گردی کے خون آلود چھینٹے بھلائے نہیں جارہے کچھ کرنے کو سوجھتا ہے نہ کسی سے ہنس بولنے کو من چاہ رہا ہے۔ جمعرات کی رات اس آستانے کو نشانہ بنایا گیا جسے لوگ عقیدت واحترام سے داتا گنج بخشؒ کہتے ہیں اور میرے جیسے انہیں غریب نواز پکارتے ہیں۔ اقبالؔ نے سچ کہا تھا کہ "خاک پنجاب از دمِ او زندہ گشت" کوئی شک نہیں لاہور شہر کی پہچان بھی حضرت داتا رحمۃ اللہ علیہ کی خانقاہ ہے جہاں شاید ہی کسی وقت تلاوت، نوافل، دعا، نعت خوانی اور قوالی کی محفل بند ہوتی ہو اور سب سے بڑھ کر جہاں سے کھانے کی اُمید لئے آنے والا بھوکا اور من کی مراد والا کبھی نا اُمید نہیں گیا۔ میں ایک گناہ گار انسان ہوں اور میری نظر میں اللہ اور اس کے پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک سب سے زیادہ پسندیدہ عمل بھوکے کو کھانا کھلانا ہے۔ داتا رحمۃ اللہ علیہ کے دربار سے تو کبھی کوئی بھوکا واپس جا ہی نہیں سکتا، دور دراز سے لاہور محنت مزدوری کے لئے آنے والے تو اپنی بھوک اسی در سے مٹاتے ہیں مگر داتا رحمۃ اللہ علیہ کے ہمسائے میں کئی غریب بستیوں میں جہاں غربت کی وجہ سے چولہے نہیں جلتے وہاں داتا رحمۃ اللہ علیہ کا لنگر دن رات پہنچتا ہے میں نے لاہور کے بے شمار علاقوں کے غریب لوگوں کو یہاں آکر مٹن، بریانیاں، زردے، پلاؤ اور نان حلیم کھاتے اور باقی گھر والوں کے لئے لیجاتے دیکھا ہے۔ یہ بات درست ہے کہ دہشت گردوں کی لگامیں ابھی ڈھیلی ہیں اور اللہ اپنی مخلوق سے امتحان لے رہا ہے جس کی وجہ سے انسانیت کے دشمنوں سے

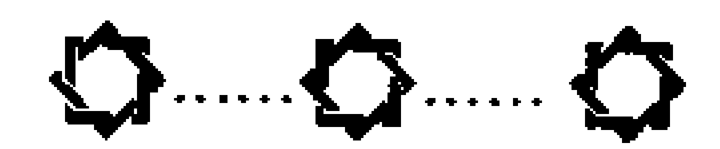
اللہ کے گھر، اللہ کے دوستوں کے آستانے اور غیر مسلموں کی عبادت گاہیں بھی محفوظ نہیں ہیں مگر اللہ کے ولی کامل حضرت داتا گنج بخشؒ کے دراقدس پر جس طرح دہشت گردی ہوئی ہے اس نے لاہور کے ہر ذی شعور انسان کو رُلا کر رکھ دیا ہے۔ اللہ ہدایت دے ان لوگوں کو جو دوسرے لوگوں کا خون بہا کر پتہ نہیں کیا فائدہ حاصل کرنا چاہتے ہیں، مگر اس طرح وہ لوگوں کے حوصلے پست کر سکیں گے نہ انہیں کچھ حاصل ہوگا۔ یہ تو وہ دراقدس ہے جہاں خواجہ خواجگان خواجہ ہند الولی معین الدین چشتی اجمیری رحمۃ اللہ علیہ نے بھی چلا کاٹا اور بعدازاں روایات کے مطابق ان کے ہاتھوں ایک لاکھ نوے ہزار ہندوؤں نے اسلام قبول کیا۔ مخدومِ اُمم حضرت علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیف ''کشف المحجوب'' آج بھی رہنمائی کا کام کر رہی ہے۔ ایسے ماحول میں جب لوگ مولوی اور برہمن کی سخت گیری اور تنگ نظری سے پریشان تھے تو برصغیر پاک و ہند میں ان پاک انسانوں جنہیں ہم ولی اللہ کہتے ہیں کی وجہ سے ہی لوگوں نے اسلام کو اپنے مسائل کا حل سمجھا۔ آج بھی لوگوں کی بڑی اکثریت بزرگانِ دین کے آستانوں پر آ کر اللہ تعالیٰ سے جو مانگتی ہے اس میں برکت شامل ہوتی ہے۔ اس وقت ضرورت ہے کہ ایسی طاقتوں کو سختی سے کچلا جائے جو انسانوں کا خون بہانے میں مصروف ہیں۔ میرا ایمان ہے کہ دہشت گردوں کا کوئی مذہب یا عقیدہ نہیں ہے کوئی مسلمان چاہے کسی بھی عقیدے اور مسلک سے تعلق رکھتا ہے اس کا یہ کام نہیں ہوسکتا۔ تمام مسالک کو اس کڑے وقت میں یہ تصور بھی نہیں کرنا چاہئے کہ کوئی دوسرا مسلک اس میں ملوث ہوسکتا ہے اور نہ ہی یہ سیاست چمکانے کا وقت ہے مگر یہ بات درست ہے کہ پنجاب حکومت چونکہ امن وامان کی ذمہ دار ہے اس لیے یہ اس کی کمزوری ضرور ہے، افسوس اس بات کا ہے کہ حکومت کو اپنی اس کمزوری کا احساس بھی نہیں ہے لوگ پوچھتے ہیں کہ اس ملک اور پنجاب میں کونسی جگہ محفوظ ہے۔ اگر حکمران پولیس کی فوج ظفر موج کو اپنی سکیورٹی کے لئے لگا چھوڑیں گے تو عوام کی جان و مال کی حفاظت کی حکومتی ذمہ داری کیسے پوری ہوگی۔ مجھے تو یہ بھی حیرت ہے کہ داتا رحمۃ اللہ علیہ

کے دربار پر جس طرح دہشت گرد داخل ہوئے اس بلنڈر قسم کے سکیورٹی لیپس پر کوئی ایکشن ہی نہیں لیا گیا۔ پنجاب حکومت کو شاید معلوم نہیں کہ پنجاب اور پاکستان سے نکل کر پوری دنیا میں داتا رحمۃ اللہ علیہ کے لاکھوں کروڑوں دیوانے ہیں اگر وہ باہر نکل آئے تو حکومتیں خس وخاشاک کی طرح بہہ جائیں گی۔ جمعرات کے روز جب پورے ملک سے داتا رحمۃ اللہ علیہ کے عقیدت مندان کے درِاقدس پر حاضر ہوتے ہیں دہشت گردوں نے وہ دن چن کر ان کے جذبہ ایمانی کو للکارا ہے، بتایا گیا ہے کہ آئندہ جمعرات کے ہی روز لاکھوں عقیدت مند اور تنظیمیں داتا رحمۃ اللہ علیہ کے مزار کی بے حرمتی کے خلاف اکٹھی ہو رہی ہیں مجھے امید ہے کہ وہ لاکھوں لوگ پرامن رہیں گے کیونکہ حضرت داتا رحمۃ اللہ علیہ کا پیغام امن ومحبت کا پیغام ہے مجھے یہ بھی معلوم ہے کہ صاحبزادہ فضل کریم جو خود مسلم لیگ (ن) کے رکن قومی اسمبلی ہیں وہ بہت غصے میں ہیں۔ لاہور ہی میں دہشت گردوں کے خلاف جہاد میں شہادت حاصل کرنے والے مولانا سرفراز نعیمی رحمۃ اللہ علیہ کے لخت جگر مولانا راغب نعیمی بھی شاید اپنے باوقار والد کی شہادت پر اتنے سوگوار نہ تھے جتنے اب نظر آرہے ہیں مگر خدارا اس ملک اور امن کے خطے پنجاب اور پاکستان کے دل لاہور کو اس وقت آپ کی ہوشمندی، آپ کے پیغام امن کی ضرورت ہے۔ اگر آپ نے بھی امن وامان کو قائم رکھنے کے بجائے تشدد کا راستہ اپنایا تو ہم سب کا نقصان ہوگا۔ پاکستان کا نقصان ہوگا اور دہشت گرد بھی یہی چاہتے ہیں اب فیصلہ آپ نے کرنا ہے کہ امن اور دہشت میں سے کس کا ساتھ دینا ہے۔ پنجاب حکومت کو چاہئے کہ وہ جمعرات سے پہلے پہلے اس واقعہ پر ایکشن لے اور لاء اینڈ آرڈر میں ناکامی کی ذمہ داری کا تعین کر کے ان لوگوں کو سزا دے جن کی چشم پوشی کی وجہ سے اتنا بڑا سانحہ ہوا، جس کی کوئی مثال نہیں ملتی۔ اس واقعہ پر چیف جسٹس لاہور ہائیکورٹ جو خود داتا گنج بخشؒ کے عقیدت مند ہیں نے نوٹس لیا ہے۔ اگر انہوں نے آج اس پر کوئی ایکشن نہ لیا تو پھر لوگوں کا عدلیہ پر سے بھی اعتماد اُٹھ جائے گا۔ اگر کسی محکمے میں کوئی ایسا واقعہ ہوتا جس سے لاکھوں کروڑوں

مسلمانوں کی دل آزاری ہوتی تو شاید خادم اعلیٰ اس محکمے کے وزیر اور سیکرٹری کو فارغ کر دیتے مگر اتنے بڑے سانحہ پر وہ کیوں خاموش ہیں، ان کی خاموشی معاملات کو زیادہ بگاڑ رہی ہے۔ میں اپنی معلومات کی بناء پر واضح کر رہا ہوں کہ جمعرات سے پہلے پہلے اگر داتا رحمۃ اللہ علیہ کے دیوانوں کے جذبات کے مطابق ایکشن نہ لیا گیا تو پھر پنجاب حکومت کے لئے زیادہ مشکلات کھڑی ہوں گی۔ داتا کے دیوانے محبّ وطن، پُرامن اور محبت کرنے والے لوگ ہیں ان کی دلداری اور دلگیری کرنا پنجاب حکومت کا فرض ہے۔ مجھے معلوم ہے کہ شریف برادران، اسحاق ڈار اور ان کے خاندان کا ہر شخص داتا رحمۃ اللہ علیہ کا دیوانہ ہے مگر سوچنے کی بات ہے کہ اگر کسی حکمران کے گھر میں ایسا واقعہ ہوا ہوتا تو اب تک کیا کیا نہ کر دیا جاتا۔ میری نظر میں پاکستان کا سب سے بڑا گھر اور آستانہ داتا رحمۃ اللہ علیہ کا آستانہ ہے اس چوکھٹ پر لاکھوں لوگ روزانہ سر خم کرتے ہیں اور اس در کا دہشت گردی کا نشانہ بننا پنجاب حکومت کے لئے الارمنگ صورتحال کا غماز ہے اس واقعہ پر ہر فرد کو اپنی ذمہ داری پوری کرنا ہے مگر سوچنے کی بات ہے کہ کیا پنجاب حکومت نے اس پر اپنی اخلاقی، قانونی اور دینی ذمہ داری پوری کی ہے؟ ایکسپریس اسلام آباد کے ایڈیٹر تنویر قیصر شاہد کا اس سانحے کے اگلے روز فون آیا تو ان کی آواز درد اور سوز میں ڈوبی ہوئی تھی وہ مجھے یاد کرا رہے تھے کہ ہم جیسے لوگ جو لاہوری نہیں ہیں ان کے لئے لاہور آنے کی ایک ''اٹرکشن'' داتا کی حاضری بھی ہے۔ داتا کے عرس میں سبیل سے جی بھر کے دودھ پینا، لنگر کھانا اور محفل نعت اور قوالی سننا ایک عجیب وجدانی کیفیت ہوتی ہے۔ آج نبی آخرالزمان کی امت مشکلات کا شکار ہے آیئے مل کر دعا کریں:

اے خاصۂ خاصان رسل وقت دُعا ہے
اُمت پہ تیری آ کے عجب وقت پڑا ہے

(روزنامہ ایکسپریس ۵رجولائی ۲۰۱۰ء)



سانحہ داتا گنج بخشؒ

کرنل (ر) اکرام اللہ

لگتا ہے کہ حکومت جس سے میری مراد عوام کے جان و مال کی حفاظت کے ذمہ دار تمام ادارے اور متعلقہ ایجنسیاں ہیں "محو خواب" ہیں۔ داتا کی نگری میں وقفے وقفے کے بعد جو قیامت صغریٰ برپا ہوئی ہے اس سے ساری دنیا واقف ہے۔ راقم محوِ حیرت ہے کہ حکومت وقت نے اپنی تمام تر عوام دوستی کے باوجود کوئی سبق نہیں سیکھا، کوئی حفاظتی تدابیر اور حکمت عملی وضع نہیں کی جس کے باعث اب شہرِ لاہور کا محور و مرکز تجلیات اور انوار و برکات حضرت داتا گنج بخشؒ کا مزار مبارک دہشت گردی کا ایسا لرزہ خیز نشانہ بنا ہے جس سے پورا پاکستان اور عالم اسلام کانپ اٹھا ہے۔ دہشت گرد خواہ کوئی بھی ہو کلمہ گو یا غیر مسلم مجھے اس سے کوئی غرض نہیں، میرا سوال صرف یہ ہے کہ یہ سانحہ کیونکر رونما ہو گیا ہے؟ اور ان لاتعداد جانوں کے نقصان جن کی ابھی تک گنتی نہیں ہو پائی اور سینکڑوں زخمیوں کا ذمہ دار کون ہے؟

نہایت معذرت کے ساتھ میں ارباب حکومت، قوم کے نمائندگان اور وطن عزیز کے دانشوروں اور خصوصی طور پر میڈیا سے درخواست گزار رہوں کہ ہم سب کا قومی فریضہ ایسے سنگین نوعیت کے المیوں پر ماتم کرنے، مجرموں کو عبرتناک سزا اور تختہ دار تک پہنچانے، زخمیوں اور زندہ بچ جانے والوں کے زخموں پر مرہم لگانے اور چند لاکھ کا معاوضہ دینے تک محدود نہیں رہنا چاہئے بلکہ ایسے گھناؤنے جرائم کا سراغ ڈھونڈنے اور

مجرموں کے پیچھے دہشت گردی کے ماسٹر مائنڈ شخصیات اور اداروں کی نشاندہی کرنا ہے۔ لیکن آج تک محض بیانات کے علاوہ کسی دہشت گردی کی تفتیش کو ابھی تک اپنے منطقی انجام تک نہیں پہنچایا گیا۔ کیا اس کی وجہ حکومتی اور سیاسی جماعتوں کی نادانستہ پیشہ ورانہ کردار کی غفلت ہے یا دانستہ طور پر ان معاملات کی وجوہات میں اُلجھنے سے پرہیز کیا جاتا ہے۔ وقت آ گیا ہے کہ جب نہ صرف عوام بلکہ ریاست کا وجود خطرات سے دوچار ہے تمام سٹیک ہولڈر بلا استثنیٰ موجودہ دہشت گردی کی لہر کو زیادہ سنجیدگی سے پہچاننے اور اس کے سدباب کی بلاخوف جرأت کے ساتھ قلع قمع کرنے کی منصوبہ بندی کا آغاز کریں۔

اگرچہ تادمِ تحریر کسی دہشت گرد گروہ نے سانحہ داتا گنج بخشؒ میں برپا قیامت صغریٰ کی ذمہ داری قبول نہیں کی لیکن ہر طرف سرکاری اور غیر سرکاری سطح پر تاثر پایا جاتا ہے کہ کوئی مسلمان ایسی شرم ناک انسانیت سوز ننگِ دین، ننگِ وطن حیوانی حرکت کا مرتکب نہیں ہو سکتا، لیکن کیا اس سے قبل بھی مساجد اور امام بارگاہوں میں ایسے شرمناک واقعات رونما نہیں ہوتے رہے؟ کیا ان واقعات کے بارے میں ماہرانہ سطح پر غیر جانبداری کے ساتھ کوئی تحقیقات کسی حتمی فیصلہ تک پہنچی؟ وقت آ گیا ہے کہ ہم علاقائی سطح پر دہشت گردی کو سوات، مالاکنڈ، جنوبی اور شمالی وزیرستان تک محدود رکھنے کے بجائے اور دیگر صوبوں میں اس کے وجود سے انکار کی سوچ کو ترک کر کے دہشت گردی کے نیٹ ورک کا وسیع تر مختلف محاذوں میں مختلف نام کی تنظیموں سے بالواسطہ یا بلاواسطہ رابطوں پر سنجیدگی کے ساتھ جائزہ لینا شروع کر دیں۔

لاہور اور پنجاب کے مختلف شہروں میں دہشت گردی کے روز افزوں سنگین واقعات سے دہشت گردی کی پھیلتی ہوئی جڑوں کے وجود سے اب Denial ممکن نہیں رہا۔ ان کے تمام تر وسائل جن میں خفیہ ایجنسیاں سرفہرست ہیں ان کی ذمہ داریوں اور فرائض میں ادائیگی کا ازسرِ نو جائزہ لینا اس لئے ضروری ہو گیا ہے کہ مختلف محکموں کے ہر لیول پر فائز افسروں کی کارکردگی کا Status Quo کی حالت میں برقرار رکھنا اور اس

میں فوری سرجیکل آپریشن نہ کرنا قومی سلامتی کو خطرات سے دوچار کرنے کے مترادف ہو گا۔

سانحہ دربار گنج بخش نے بڑے زور سے پارلیمنٹ کے اندر اور باہر سیاسی قیادت کو آخری دستک دی ہے کہ خوابِ غفلت سے جاگئے اپنی اپنی معصومیت کے ثبوت پیش کر کے محض Denial سے عوام کے سامنے سرخرو ہونے کا وقت ہاتھ سے تیزی کے ساتھ نکل رہا ہے۔ قومی سلامتی کو کئی اندرونی و بیرونی چیلنجز درپیش ہیں جن میں دہشت گردی کا چیلنج خطرناک صورت اختیار کر رہا ہے۔ اس بارے میں فوری منصوبہ بندی کرنے کے لئے قومی اور صوبائی اسمبلیاں فوری اجلاس بلا کر مناسب قانون وضع کریں اور انسداد دہشت گردی کے لئے وفاقی وصوبائی سطح پر وزارت انسداد دہشت گردی قائم کر کے تمام متعلقہ محکموں اور خفیہ ایجنسیوں کی ازسرنو Coordination کا جائزہ لیا جائے۔

(روزنامہ نوائے وقت ۵/جولائی ۲۰۱۰ء)

سو تیر ترازو تھے دل میں......

زمان خان

بیسویں صدی کی آخری دہائی میں مجھے پہلے دفعہ سری لنکا جانے کا موقعہ ملا تو میں کولمبو کی سڑکوں پر جگہ جگہ مورچے دیکھ کر حیران اور پریشان ہوا مگر مجھے اس بات کا بالکل احساس نہ تھا کہ چند سال بعد پاکستان میں بھی سری لنکا والی صورتِ حال پیدا ہو جائے گی، آئے روز خودکش حملے ہوں گے اور ہمارے شہروں میں جگہ جگہ مورچے بنانے پڑیں گے۔ بچپن تقسیم کے دوران قتل و غارت کے قصے سن کر گزرا، کیا پتہ تھا کہ ہماری آئندہ نسلیں قتل و غارت اور دہشت گردی میں جوان ہوں گی۔

ہمارا گھرانہ پیروں فقیروں کو بالکل نہیں مانتا تھا اور نذر نیاز بھی نہیں دیتا تھا۔ بس بندے اور خدا میں براہِ راست تعلق پر یقین رکھتا تھا۔ میں نے پیروں، فقیروں، اولیاء کرام، صوفیا اور دوسرے مذاہب کے بارے میں جو کچھ جانا وہ سکول میں جانا۔ بھگتی تحریک اور دوسری عوام دوست تحریکوں کے بارے میں بھی سکول میں ہی علم ہوا۔ محرم کے زمانے میں بازار کھلے ہوتے تھے۔ محرم کا جلوس بازار سے گزرتا تھا تو لوگ فٹ پاتھ پر کھڑے ہو کر جلوس دیکھتے تھے۔ سنّی نذر نیاز دیتے تھے، فقیر بھی جب مانگتے تھے تو ''نذر اللہ نیازِ حسین'' کا نعرہ لگاتے تھے۔

سکول میں داتا گنج بخشؒ، میاں میرؒ، بابا فرید گنج شکرؒ، سلطان باہوؒ، لال شہباز قلندرؒ، نظام الدین اولیاءؒ، خواجہ معین الدین چشتیؒ، امیر خسروؒ اور دوسرے بزرگانِ دین اور صوفیاء کے بارے میں ان کی تعلیمات کے بارے میں علم حاصل ہوا۔ پھر ان کا صوفیانہ کلام بھی

سننے کو ملا۔ ہم جماعت شیعہ بھی تھے، بریلوی، دیوبندی اور اہلِ حدیث بھی تھے مگر اساتذہ کبھی کوئی امتیاز نہیں برتتے تھے۔ ہاں یہ ضرور کہا جا سکتا ہے کہ اساتذہ اور طلباء میں ایک دوسرے کے بارے میں کچھ تعصبات ضرور تھے۔ نسلی، علاقائی، طبقاتی اور مذہبی تعصبات تو ہر جگہ ہوتے ہیں مگر کیا وہ لڑائی جھگڑے اور عدم برداشت کی ایسی صورتِ حال اختیار کر لیتے ہیں کہ لوگ ایک دوسرے کو قتل کرنا شروع کر دیں۔

بچپن میں ہمیں پڑھایا جاتا تھا کہ میاں میر صاحب نے امرتسر میں سکھوں کے سب سے بڑے دربار کی بنیاد رکھی۔ داتا گنج بخش کی تصنیف کشف المحجوب، ادبی اور علمی حلقوں میں بہت قدر کی نگاہ سے دیکھی جاتی ہے۔

میں صرف کالج کے زمانے میں ایک دفعہ داتاؒ دربار گیا تھا کہ میرے خاندان کا مسلک دوسرا تھا۔ چنانچہ صوفیائے کرام سے میرا تعارف علمی ہے۔ میں تمام صوفیا کی بہت قدر کرتا ہوں۔ جب بھی کسی دوسرے شہر، صوبہ یا ملک جاتا ہوں تو یہ سمجھنے کی کوشش کرتا ہوں کہ آخر ان بزرگوں میں ایسی کون سی بات تھی کہ لوگ جہانگیر کے مقبرے پر اتنی بڑی تعداد میں نہیں جاتے جتنے کہ داتاؒ دربار، میاں میر یا بی بی پاک دامن کے مزاروں پر جاتے ہیں۔

میں ایک دفعہ اندرون سندھ گیا تو رحیم اللہ یوسف زئی کی فرمائش پر شہباز قلندر کے مزار پر گیا اور دیکھا کہ لوگ منتیں مانگنے کے لئے وہاں تالہ لگاتے ہیں اور جب منت پوری ہو جائے تو آ کر تالا کھول دیتے ہیں۔ تیس برس پہلے دلّی جانا ہوا تو نظام الدین اولیاء، امیر خسرو اور غالب کے مزاروں پر حاضری دی۔ خواجہ معین الدین چشتی کے مزار پر بھی بہت لوگ جاتے ہیں۔ جب آگرہ کانفرنس کے بعد جنرل (ر) پرویز مشرف اجمیر نہ جا سکا تو کسی نے فقرہ کسا کہ وہی جاتے ہیں جنہیں سرکار بلاتے ہیں۔ سو اشتیاق پیدا ہوا کہ چلو وہاں کا حال بھی دیکھتے ہیں۔ جے پور میں اپنے بزرگ دوست مہندر سنگھ سے ملنے کا پروگرام بنا تو میں نے سوچا کہ یہ مناسب موقع ہے کہ اجمیر شریف بھی چلیں۔ ہندوستان جانے والوں کو ویزا فارم پر متعلقہ شہر میں اپنے رشتہ دار کا نام لکھنا پڑتا ہے۔ میں نے اجمیر

کے لئے خواجہ معین الدین چشتی کا نام رشتہ دار کی جگہ لکھ دیا۔ دہلی ائیر پورٹ پر جب ہندوؤں کو پتہ چلا کہ میں اجمیر جا رہا ہوں تو وہ بہت خوش تھے۔ تقسیم سے پہلے لاہور میں صوفیا کے مزاروں پر ہندو اور سکھ بھی جاتے تھے۔

لاہور میں داتا دربار لاکھوں لوگوں اور غریبوں کو سکون قلب پہنچاتا ہے۔ جس کے پاس روٹی، روزگار، دوائی، کپڑا اور مکان نہیں ہے وہ ان کے مزار پر جا کر دوا مانگتا ہے۔ آپ داتا صاحب کا مقام لاہوریوں سے پوچھیں۔

حاجی لوگ مکے نوں جاندے دل لوچے تخت ہزارے

ایک شخص لاہور سے حج پر گیا اور اپنے دوست سے لاہور فون پر بات کر رہا تھا تو اس نے مکے سے اپنے دوست سے درخواست کی کہ "میری طبیعت خراب ہے تم جمعرات کو داتا صاحب جا کر میرے لئے دعا کرنا۔"

مجھے اقرار کرنا چاہئے کہ صوفیا کا کلام مجھے ذہنی سکون دیتا ہے کیونکہ ان میں بلا رنگ و مذہب، محبت اور انسانیت کا پیغام ہوتا ہے۔ دہشت گردی ایک فلسفہ ہے۔ جب ہم نے اپنے عزیز طالبان سے افغانستان میں ہزاروں سال پرانا مہاتما بدھ کا مجسمہ تڑوایا تھا، جب رحمان بابا کے مزار کو بم سے اڑایا گیا تھا تو مستقبل کی تصویر تبھی واضح ہو گئی تھی۔ دہشت گردی کا بیج ہم نے پچھلی صدی میں بویا تھا، اب اس کی برداشت کا وقت ہے۔ آئندہ نسلیں اس سے بچی رہیں تو اچھا ہے۔ لیکن اشرافیہ، سرکار اور دانشوروں میں دہشت گردی کا مقابلہ کرنے کی کوئی سنجیدہ خواہش نظر نہیں آتی۔

میں تو تقسیم کے قتل و غارت کے قصے سن کر نفسیاتی مریض بنا مگر میری آئندہ نسلیں تو اس پاگل پن میں رہ رہی ہیں ان کی نفسیات پر کیا اثر ہوگا؟ کیا کوئی اس پر غور کرنا گوارا کرے گا؟

(روزنامہ آجکل ۵/جولائی ۲۰۱۰ء)

داتاؒ دربار میں دھماکہ یا انسانیت کا قتل؟

روشن لعل

''دعا'' واحد ایسی عبادت ہے جسے ہر مذہب اور ان مذاہب کے اندر موجود فرقوں کی قدر مشترک کہا جاتا ہے۔ دعا اصل میں خواہش ہوتی ہے۔ دعا کے دوران ہر مذہب کے لوگ کسی مافوق ہستی سے اپنی ذات یا کسی دوسرے کی بہتری کے لئے خواہش ظاہر کرتے ہیں۔ یہ خواہش بہتر زندگی، بہتر تعلیم، بہتر صحت یا پھر بہتر روزگار وغیرہ کے لئے کی جاتی ہے۔ دعا کی طرح بد دعا بھی خواہش ہوتی ہے لیکن ان دونوں متضاد خواہشوں میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ دعا کرنے والا فرد اپنی زندگی کے عمومی سیاق وسباق سے ہٹ کر ایک خاص وقت میں معصومیت اور سادگی کا نمونہ بنا ہوتا ہے۔

ہر دن اور جمعرات کے روز خاص طور پر ہزاروں لوگ معصومیت اور سادگی کا نمونہ بنے حضرت علی ہجویری المعروف داتا گنج بخشؒ کے مزار پر اپنی خواہشوں کے اظہار کے لئے پہنچتے ہیں۔ ایسے لوگوں کے خواہشوں کے اظہار کے طریقہ کار کے متعلق مختلف رائے تو رکھی جاسکتی ہے لیکن ان کی معصومیت اور سادگی سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ یکم جولائی کی جمعرات کو معصوم اور سادہ لوگوں کو ان کی خواہشوں سمیت خودکش دھماکوں کی آگ میں جھلسا دیا گیا۔ جو لوگ داتاؒ دربار جیسی درگاہوں پر جا کر اپنی معصوم خواہشوں کا اظہار کرتے ہیں ان کے لئے یہ پہلا موقع نہیں ہے کہ مخصوص طریقوں سے مذہبی رسومات ادا کرنے کی وجہ سے انہیں سبق سکھانے کی کوشش نہ کی گئی ہو۔ کون نہیں جانتا کہ جن لوگوں نے داتا علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کے مزار کی اپنی حرام موت کے ذریعے بے حرمتی کی ہے وہ اپنی

مخصوص مذہبی سوچ کی وجہ سے اس سے پہلے رحمٰن بابا اور میاں عمر بابا جیسی ہستیوں کی آخری آرام گاہوں کو بھی نشانہ بنا چکے ہیں۔اس وقت یہ سوالات زبان زدِ عام ہیں کہ آئے روز ہونے والے بم دھماکوں کے واقعات اور کئی مزارات کی تباہی کے بعد داتاؒ دربار کی سکیورٹی کی ذمہ داری کس کی تھی،کون لاہور میں ممکنہ بم دھماکوں کی اطلاعات کے باوجود اپنی ذمہ داریاں اور فرائض ادا کرنے میں ناکام رہا،کون ہے جس پر پنجاب میں دہشت گردوں کی سرپرستی کا الزام ہے اور کون لوگ اپنے سیاسی مفادات کی وجہ سے دہشت گردوں کے ساتھ نرم رویہ اپنائے ہوئے ہیں؟ یہ سوالات اور اس طرح کی دیگر تمام باتیں بہت اہم ہیں۔ یہ سوالات اٹھانے والے لوگ بہت اہم کام کر رہے ہیں۔ جن لوگوں کی غفلت کی وجہ سے داتاؒ دربار میں 40 سے زائد لوگ شہید اور 100 سے زائد لوگ زخمی ہوئے ہیں نہ صرف ان کے خلاف احتجاج ہونا ضروری ہے بلکہ ان کا ہر صورت میں محاسبہ بھی ہونا چاہئے۔

اس طرح کے سوالات کسی اندوہناک واقعہ کے بعد پیدا ہوتے ہیں اور پھر وقت گزرنے کے ساتھ اس طرح کے کسی دوسرے واقعہ کے رونما ہونے تک فراموش کر دیئے جاتے ہیں۔شاید مرجع خلائق اور امیدوں کی برآوری کا مرکز سمجھے جانے والے داتاؒ دربار کی بے حرمتی کے واقعہ کو بھی سابقہ واقعات کی طرح فراموش کر دیا جائے۔ داتا صاحب کے عقیدت مندوں کے لئے خدشہ اس لئے ظاہر کیا جا رہا ہے کیونکہ اس سے پہلے بھی وہ اس ہستی کے متعلق بہت کچھ فراموش کر چکے ہیں۔ داتا صاحب کے عقیدت مندوں نے ان کے مزار کو مرکز تجلیات بنانے میں تو بہت تندہی سے کام کیا ہے لیکن ان کی سوچ کی روشنی تک پہنچنے اور اسے عام کرنے میں وہ اپنے جذبات کو بروئے کار نہیں لا سکے۔

برصغیر کے صوفیا کرام میں داتا علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کا مقام بہت ارفع و اعلیٰ ہے۔صوفیائے کرام کا ذکر ہو تو یہ وضاحت بھی بہت ضروری ہے کہ اگرچہ ابن عربی کو

صوفی ازم کا جدِ امجد سمجھا جاتا ہے تاہم ان کے فلسفہ وحدت الوجود کا اثر مسلمانوں کے علاوہ دوسرے مذاہب کے لوگوں پر بھی ہوا۔ اس فلسفے کو تسلیم کرنے کی وجہ سے ہی دوسرے مذاہب کے لوگوں کو بھی صوفی کا درجہ دیا گیا۔ ان صوفیوں میں حضرت بابا گرونانک اور سائیں بھگت کبیر جیسی ہستیوں کا نام شامل ہے۔ تمام مذاہب سے تعلق رکھنے والے صوفیوں کے محبت، امن، آشتی اور بھائی چارے کے درس کے بعد ہی انسانی حقوق کا تصور پیدا ہوا۔ برصغیر کے مسلم صوفیوں میں سے داتا علی ہجویری ان اولین ہستیوں میں شامل ہیں جو فلسفہ وحدت الوجود کے جلو میں بلالحاظ رنگ، نسل، مذہب اور ذات کے تمام انسانوں کے لئے محبت کا پیغام لے کر آئے۔ انہوں نے کسی غیر مذہب کے ساتھ چھوت چھات کا رویہ نہیں اپنایا بلکہ عام لوگوں کو اپنے دل کے قریب کر کے خود بھی ان کے دلوں میں اپنی جگہ بنائی۔ حضرت داتا گنج بخش ؒ جیسی ہستیوں کی وجہ سے یہاں بھگت کبیر جیسے صوفی پیدا ہوئے جنہوں نے اپنی سوچ اور قلم کے ذریعے یہ سوچ پھیلائی۔

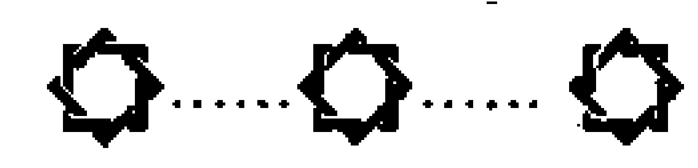
اول اللہ نورا پایا تے قدرت سے سب بندے
ایک نور سے سب جگ اپجا کون بھلے کون مندے

جو لوگ یہ جاننا چاہتے ہیں کہ ہندو اکثریت کے ملک ہندوستان میں مسلم صوفیوں کے درس کو کیسے پذیرائی ملی تو انہیں سمجھ لینا چاہئے کہ انسانیت کا درس دینے والے بھگت کبیر جیسے لوگوں کی یہاں موجودگی کی وجہ سے ایسا ممکن ہوا۔ فلسفہ وحدت الوجود کی کوکھ سے یہاں صرف حضرت بابا گرونانک اور بھگت کبیر ہی نہیں بلکہ بابا فرید، شاہ حسین اور بابا بلھے شاہ رحمۃ اللہ علیہ جیسے کئی صوفی پیدا ہوئے۔ ان صوفیوں نے بلالحاظ مذہب تمام انسانوں کو نہ صرف خود ربّ کی تجلی سمجھ کر پیار کیا بلکہ انہیں بھی تمام بنی نوع انسان سے پیار کرنے کا درس دیا۔

اگر کسی نے داتا کے دربار اور اس کے عقیدت مندوں کو اپنی نفرت کی آگ میں

جلانے کی کوشش کی ہے تو اس کی ایک وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ آج داتا کے سامنے اپنی خواہشیں رکھنے اور ان کی بر آوری کی امیدیں قائم کرنے کا سلسلہ تو جاری ہے لیکن انہوں نے تمام بنی نوع انسان سے پیار کرنے کا جو درس دیا تھا اس کو فراموش کر دیا گیا ہے۔ اس وقت نہ صرف یہ ضروری ہے کہ داتا علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کے محبت کے پیغام کو نئے سرے سے سمجھا جائے بلکہ اس پیغام کی روشنی میں یہ جاننے کی بھی ضرورت ہے کہ بے گناہ اور معصوم انسانوں کی موت کا سامان بننے والی دہشت گردی اور خودکش دھماکوں میں چھپی غلاظت کیا ہے۔ دہشت گردی اور خودکش دھماکے محض اس لئے برے نہیں ہیں کہ ان کی وجہ سے داتا علی ہجویری کے مزار کو نقصان اور ان کے عقیدت مندوں کی شہادتیں واقع ہوئی ہیں بلکہ یہ اس وقت بھی برے ہوتے ہیں جب ورلڈ ٹریڈ سنٹر، بمبئی شہر اور احمدیوں کی عبادت گاہوں جیسی جگہوں پر ان معصوم اور بے گناہ انسانوں کی جانیں ضائع ہو جاتی ہیں جن سے داتا علی ہجویری اور ان جیسے دوسرے صوفیائے کرام نے محبت کا درس دیا ہے۔

(روزنامہ آجکل ۵ر جولائی ۲۰۱۰ء)



ہمارا دشمن ہمارے اندر ہے

مسعود اشعر

اشفاق احمد کہا کرتے تھے کہ پاکستان کو نقصان پڑھے لکھوں نے پہنچایا ہے، ان پڑھ لوگوں نے نہیں پہنچایا۔ ہم ان سے لڑتے تھے اور بحث کرتے تھے، لیکن وہ اتنا غلط بھی نہیں کہتے تھے۔ حکومت اور سیاست ہمیشہ ان لوگوں کے ہاتھ میں رہی جنہیں پڑھا لکھا کہا جاتا ہے۔ ان پڑھ لوگوں کو اس مقام تک رسائی ملی ہی کب۔ مگر اس بحث میں ہم یہ بھول جاتے ہیں کہ جنہیں ہم پڑھا لکھا کہہ رہے ہیں وہ پڑھے لکھے نہیں ہیں بلکہ نیم خواندہ ہیں۔ اور اگر ہمارے بزرگوں کی یہ بات صحیح ہے کہ نیم حکیم خطرۂ جان اور نیم ملا خطرۂ ایمان ہوتا ہے تو نیم خواندہ لوگ بھی پورے معاشرے اور پورے ملک کے لئے خطرہ ہو سکتے ہیں اور خطرہ ہیں۔ میں یہاں جعلی ڈگریوں کی بات نہیں کر رہا ہوں۔ سچی بات تو یہ ہے کہ جن لوگوں کے پاس اصلی ڈگریاں ہیں ان کی اکثریت بھی نیم خواندہ ہے کہ ہمارے سکولوں، ہمارے کالجوں اور ہماری یونیورسٹیوں میں جو پڑھایا جا رہا ہے اس سے نیم خواندہ لوگ ہی نکل سکتے ہیں، اور نکل رہے ہیں۔ یہ نیم خواندہ لوگ تنگ نظر ہیں، تنگ دل ہیں کوتاہ فکر ہیں۔ اب یہاں اشفاق احمد سے اتفاق کیے بغیر بھی چارہ نہیں کہ ان پڑھ آدمی شہر کا ہو یا گاؤں کا وہ تنگ نظر اور تنگ دل نہیں ہوتا۔ اس کے جو بھی عقائد ہوتے ہیں ان میں عالی ظرفی اور فراخ دلی موجود ہوتی ہے۔ وہ کسی عقیدہ اور کسی مسلک سے نفرت نہیں کرتا۔ اس کا سلوک سب کے ساتھ محبت اور اخوت کا ہوتا ہے۔ اس کے دماغ

میں یہ خناس نہیں سمایا ہوتا کہ صرف میں ہی حق پر ہوں اور باقی سب مشرک اور کافر ہیں۔
یہ تو نیم خواندہ اور گمراہ لوگ ہی ہیں جو ایسے بد بخت انسان پیدا کر رہے ہیں جو داتا دربار پر حملہ کرتے ہیں۔ وہ یہ نہیں جانتے کہ داتا دربار پر حملہ مسلمانوں کی تہذیب، ان کی ثقافت اور اسلام کی روح پر حملہ ہے۔ بلکہ سچی بات تو یہ ہے کہ وہ جان بوجھ کر ایسی قبیح حرکت کرتے ہیں۔ ان کے دماغ میں ڈال دیا گیا ہے کہ جو افتادگان خاک ان خدا رسیدہ بزرگوں کی درگاہ پر آ کر سکون قلب حاصل کرتے ہیں وہ بدعت اور شرک کے مرتکب ہو رہے ہیں۔ اب خدا کے لئے یہ کہہ کر میرا منہ بند کرنے کی کوشش نہ کیجئے کہ یہ سب ہندوستان، اسرائیل اور امریکہ کرا رہے ہیں۔ اپنی کوتاہیوں اور غلطیوں پر پردہ ڈالنے کا یہ آسان طریقہ ہے کہ اپنے گناہ دوسروں کے سر منڈھ دو۔ سوویت یونین کے خلاف امریکہ اور ضیاء الحق کے نام نہاد جہاد کے ساتھ عرب سے آنے والی اسلام کی جس نئی تعبیر و تشریح نے ہمارے ہاں رواج پایا اور جو ہماری دینی درسگاہوں کے ساتھ عام سکولوں، کالجوں اور یونیورسٹیوں تک کی تعلیم میں سرایت کر گئی اس کا نتیجہ یہی ہونا تھا۔ اب ہم ایک دوسرے کو مشرک اور کافر کہنے میں ذرا سی شرم بھی محسوس نہیں کرتے۔ اب ہمارے ہاں علی الاعلان کہا جاتا ہے کہ فلاں مسلک یا فلاں فرقہ ہمارے مسلک کو نہیں مانتا اس لئے وہ کافر ہے اور واجب القتل ہے۔ یہ میں اپنے دل سے نہیں بنا رہا ہوں۔ ہمارے ہر شہر اور ہر قصبے میں اس قسم کی جو کتابیں اور رسالے تقسیم ہو رہے ہیں ان میں یہی سبق دیا جاتا ہے اور ان رسالوں اور کتابوں پر کوئی پابندی نہیں ہے۔ انہیں کھلے عام چھاپنے اور تقسیم کرنے کی اجازت ہے۔ یہ کتابیں اور رسالے عام دُکانوں پر ہی نہیں ڈاکٹروں کے کلینک پر بھی دیکھے جا سکتے ہیں۔ ان لوگوں کے پاس اتنا پیسہ ہے کہ یہ کتابیں اور رسالے مفت تقسیم کیے جاتے ہیں۔ اس لٹریچر کے ذریعے ایک دوسرے کے خلاف جو نفرت پھیلائی جا رہی ہے اس کی طرف کسی کی نظر نہیں جاتی، یہود و ہنود کی سازش فوراً نظر آ جاتی ہے۔ اس مسلکی یا نظریاتی نفرت کا اظہار پشتو کے عظیم شاعر رحمان بابا اور سوات

میں ایک بزرگ کے مزار کی بے حرمتی سے شروع ہوا ہے اور داتا دربار تک پہنچ گیا ہے۔ جامعہ نعیمیہ کے سربراہ علامہ سرفراز نعیمی رحمۃ اللہ علیہ کی شہادت بھی اسی سلسلے کی کڑی ہے۔ چلئے، مزاروں اور درگاہوں کو جانے دیجئے، اسلام آباد کی اسلامی یونیورسٹی کو ہی لے لیجئے۔ غور کیجئے کہ اس یونیورسٹی پر شدت پسندوں کا حملہ کب ہوا؟

یہ حملہ اس وقت ہوا جب ڈاکٹر منظور احمد جیسا روشن فکر عالم و فاضل شخص اس کا سربراہ تھا۔ ڈاکٹر منظور احمد کے بارے میں ہم سب جانتے ہیں کہ وہ ان مسلم مفکروں میں سے ہیں جو وسعت نظر اور روشن فکر کے ساتھ اسلام کی تعبیر و تشریح کرتے ہیں۔ ڈاکٹر منظور احمد جیسے مفکر ہی اسلام اور اس کی تعلیمات کو دنیا بھر کے لئے قابل قبول بنا رہے ہیں۔ وہ اپنے علم اور فکر کے ذریعے مسلمانوں اور غیر مسلموں دونوں کے دلوں میں تنگی کی بجائے فراخی پیدا کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ تنگ دل اور کوتاہ نظر لوگوں کو ڈاکٹر منظور احمد اس لئے پسند نہیں تھے کہ وہ ان نیم خواندہ عناصر کی محدود اور جامد فکر سے اختلاف رکھتے تھے۔ یہ عناصر آخر کار ڈاکٹر منظور احمد کو اس یونیورسٹی سے نکلوانے میں کامیاب ہو گئے۔ یہی حال ڈاکٹر محمد خالد مسعود کے ساتھ کیا گیا ہے۔ ڈاکٹر صاحب اسلامی نظریاتی کونسل کے سربراہ تھے۔

ان کی سربراہی کے عرصے میں نظریاتی کونسل نے جو فیصلے یا سفارشات تیار کی ہیں انہیں دیکھ لیجئے کہ وہ اسلام کا کیسا روشن چہرہ دنیا بھر کے سامنے پیش کرتی ہیں۔ یہاں میں ان سفارشات یا فیصلوں کی تفصیل بیان نہیں کرتا صرف اتنا عرض کرنا چاہتا ہوں کہ پیپلز پارٹی کی اس حکومت نے جو اپنے آپ کو روشن خیال کہتی ہے ڈاکٹر خالد مسعود کو خاموشی سے ریٹائر کر دیا اور اب ان کی جگہ ایک ایسے سیاسی عالم کو لانے کی کوشش کی جا رہی ہے جو صرف ایک سیاسی جماعت کا لیڈر ہی نہیں بلکہ ایک خاص مسلک سے بھی تعلق رکھتا ہے۔ میں یہ نہیں کہتا کہ اس مسلک والوں کی ہمدردیاں طالبان کے ساتھ ہیں یا نہیں لیکن یہ ضرور کہوں گا کہ ان کا ایک خاص مسلک ہے جو سیاسی بھی ہے اور ایک خاص معنی میں دینی

بھی، جس سے دوسرے مسالک متفق نہیں ہیں۔ڈاکٹر خالد مسعود ایک مفکر اور عالم ہیں۔ ان کی شناخت صرف علم ہے۔ وہ دنیا کی بڑی بڑی یونیورسٹیوں میں پڑھاتے رہے ہیں۔ وہ اردو، عربی اور فارسی کے علاوہ فرانسیسی اور جرمن زبانوں پر بھی دسترس رکھتے ہیں۔ایسی عالم فاضل شخصیت کی جگہ صرف درس نظامی کے فارغ التحصیل کسی شخص کو محض اس لئے لگانا کہ اس میں حکومت کی سیاسی مصلحت ہے پوری قوم کے ساتھ زیادتی ہے۔ لیکن بات وہی ہے جو شروع میں میں نے عرض کی کہ ہم نیم خواندہ لوگوں میں گھرے ہوئے ہیں۔ کہیں سیاسی مصلحت ہے تو کہیں مسلکی شدت۔ اسی سیاسی اور تزویراتی مصلحت نے دہشت گردوں کے حوصلے بڑھائے ہیں۔ یہ نیم خواندہ شدت پسند ہی ہیں جو نوعمر معصوم لڑکوں کو اپنے مسلک کے نام پر خودکش دھماکوں پر آمادہ کرتے ہیں۔ یہ برخود غلط نیم خواندہ عناصر پاکستان میں اپنے مسلک کی حکومت قائم کر کے دنیا بھر سے لڑنا چاہتے ہیں۔ جب تک ہم اس حقیقت کو تسلیم نہیں کریں گے اس وقت تک داتاؒ دربار کی حرمت پامال کرنے والوں تک ہم نہیں پہنچ سکتے۔ ہمیں اپنے گریبان میں جھانکنا چاہئے کہ ہمارے دشمن ہمارے اپنے اندر چھپے بیٹھے ہیں۔

(روزنامہ جنگ ۵؍جولائی ۲۰۱۰ء)



پنجاب میں شدت پسندی کے محرکات

مجاہد حسین

داتا دربار پر خودکش دھماکوں کا الزام اگر ''را'' یا ''موساد'' پر نہ لگایا گیا تو ان کے اصل ذمہ داروں کے بارے میں جاننا زیادہ آسان ہوگا جو آج پنجاب میں متشدد اسلام کا نہ صرف پرچار کر رہے ہیں بلکہ بدقسمتی سے اس کے ''اثرات'' بھی سامنے آنا شروع ہو گئے ہیں۔ ہوسکتا ہے ہمارے اردو اخبارات میں براجمان طالبان پسند دانشور اس سانحے پر کچھ عرصہ خاموش رہیں اور پنجاب میں گھس بیٹھے طالبان کی وکالت سے پرہیز کریں لیکن تھوڑے ہی دونوں کے بعد وہ اپنی ''خاموشی'' توڑ دیں گے اور اپنے اپنے بلوں سے نکل کر پنجاب میں سرگرم عمل جہادی تشدد پسندوں اور پنجابی طالبان کی امن پسندی اور پارسائی کا راگ الاپنا شروع کر دیں گے۔ ہمارے ایک مہربان جنہیں اپنی ''زنگ رسیدہ دانش پسندی'' کا شدید خبط لاحق ہے وہ اچانک ایک کالم داغ دیں گے کہ خاکسار اور کئی دوسرے لکھاری پنجاب میں مورچہ بند جہادی تشدد پسندوں کے خلاف بیرونی اشارے پر زہر اُگلتے رہتے ہیں جبکہ پنجاب کے یہ جہادی تو محض بھارت اور افغانستان میں دہشت پھیلانے کے لئے ستا رہے ہیں اور پنجاب میں جاری دہشت گردی کی وارداتوں اور خودکش بم دھماکوں کے ساتھ اُن کا کوئی تعلق نہیں۔ جب کہ تمام شواہد یہ بتاتے ہیں کہ پنجاب اور اسلام آباد میں ہوئے تمام خودکش حملوں اور دہشت گردی کی وارداتوں میں جنوبی پنجاب کے شہروں میں قلعہ بند مقامی جہادی تشدد پسند ملوث ہیں اور انہیں پنجاب کی حکومت تحفظ فراہم کر رہی ہے۔ اور پنجاب کے ''خادم اعلیٰ، اب وزیر اعلیٰ

سے زیادہ متشدد تنظیموں کے ناظم اعلیٰ نظر آتے ہیں جن کی کابینہ کے کئی ارکان پنجابی طالبان کو نہ صرف تحفظ فراہم کر رہے ہیں بلکہ ان کے خلاف کوئی کارروائی نہ کرنے کے ''معاہدوں'' کے پابند بھی ہیں، جو لاہور، رحیم یار خان اور بہاولپور میں پنجاب حکومت اور دہشت گردوں کے درمیان ہوئے۔

بنیادی طور پر یہ پاکستان میں ایک نئی فرقہ وارانہ جنگ کی شروعات ہے جواب کسی قدر نئے ''اہداف'' اور نئے دشمنوں کے خلاف لڑی جانے لگی ہے۔ وفاقی وزیر مذہبی اُمور نے اگرچہ اپنے ایک بیان میں اس کی طرف اشارہ کیا ہے لیکن ابھی بہت سے تجزیہ نگاروں کو قائل کرنا مشکل ہوگا کہ پاکستان اور خصوصاً پنجاب میں ایک نئی اور تباہ کن فرقہ وارانہ جنگ شروع ہو چکی ہے۔ اس میں کوئی ابہام نہیں کہ طالبان برانڈ کے اسلام اور پنجاب میں طاقتور مذہبی تشدد پسندوں کے نقطۂ نظر کے مطابق خانقاہیں اور درگاہیں شرک اور بدعت کے مراکز ہیں اور ''اصل اسلام'' کے نفاذ کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ۔ سوات اور دوسرے قبائلی علاقوں میں طالبان لاتعداد خانقاہوں اور مزاروں کو نشانہ بنا چکے ہیں اور اب اِن کا ہدف پنجاب ہے جہاں وہ ایک طرف مذہبی اقلیتوں اور مخالف مسالک کے خلاف برسرِ پیکار ہیں اور ساتھ ہی انہوں نے بریلوی مکتبۂ فکر کے مراکز کو بھی نشانہ بنانا شروع کر دیا ہے۔ اس سے پہلے وہ لاہور میں اس مکتبہ فکر کے نمائندہ عالم دین مولانا سرفراز نعیمی کو نشانہ بنا چکے ہیں، جبکہ اسی مکتبہ فکر کے ایک اور ممتاز رہنما اور وفاقی وزیر مذہبی امور کو بھی اسلام آباد میں جان سے مارنے کی کوشش کی گئی۔ فیصل آباد میں ایک متشدد مدرسے کے مہتمم (جس کا براہِ راست تعلق ایک کالعدم تنظیم سے ہے) نے پچھلے دنوں لالہ زار سٹیڈیم اٹک میں ایک بڑے جلسے کے دوران کہا کہ وفاقی وزیر مذہبی اُمور مشرک ہے اور اس کو سزا ملنی چاہئے۔ مذکورہ مولانا کے ساتھ پنجاب کے وزیر قانون کے خصوصی تعلقات ہیں جس کی وجہ اس کالعدم تنظیم کی حمایت ہے، جس کے بل پر مسلم لیگ نواز کے کئی بڑے رہنما اپنے انتخابی حلقوں سے فتح حاصل کرنے کے بعد آج اقتدار میں ہیں۔

جب سے جہاد کشمیر کا غلغلہ بلند ہوا ہے پنجاب میں ''خالص اسلام'' کے نفاذ کی داعی تنظیموں نے جہاں جہادی بھرتی کرنے کے لئے خصوصی مہمیں چلائی ہیں وہاں لوگوں کے عقائد کی ''تطہیر'' کا بھی اہتمام کیا گیا ہے۔ اسی اہتمام کا نتیجہ ہے کہ آج پاکستان میں فرقہ وارانہ قتل و غارت زوروں پر ہے اور بزرگانِ دین کے مزار اور خانقاہیں نشانے پر ہیں۔ اگر سخت گیر اسلام کے ان داعیوں کے خصوصی اجتماعات یا جمعہ کے خطبات کو سنا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ شدت جذبات کا کیاں حال ہے۔ ان خطبات میں صوفیا کے مزاروں اور خانقاہوں پر زائرین کے جانے کو شرک سے تعبیر کیا جاتا ہے اور مشرک کو بدترین شخص قرار دیا جاتا ہے، جس کی سزا موت سے کہیں زیادہ ہے۔ اس وقت پاکستان میں تقریباً ایک ہزار سے زائد ایسی کتب اور پمفلٹ گردش کررہے ہیں جن میں مزاروں اور خانقاہوں پر جانے والوں کی تکفیر اور شرک کا بیان موجود ہے۔ ان تحریروں میں مزاروں کو شرک کے اڈے اور وہاں جانے والوں کو جانوروں سے بھی بدتر قرار دیا گیا ہے۔ اس کی وجہ پاکستان اور خصوصاً پنجاب میں متشدد اسلام کا پرچار کرنے والی جماعتوں کی بڑھتی ہوئی طاقت ہے۔

پاکستان میں دیوبندی (مماتی) اور اہلِ حدیث مکاتب فکر کی نظر میں درباروں اور خانقاہوں پر جانا شرک ہے۔ گجرات کے ایک نہایت سخت گیر اہلِ حدیث مولانا الطاف الرحمٰن شاہ نے گزشتہ دنوں گجرات کے ایک دینی مدرسے میں خطاب کرتے ہوئے کہا کہ ہمارا وزیر خارجہ قبروں کا پجاری ہے اور اس وقت پاکستان کی پارلیمینٹ میں لاتعداد ایسے لوگ موجود ہیں جو قبروں کے پجاری ہیں اور شریعت کی رو سے وہ مشرک ہیں۔ مولانا نے وزیر خارجہ اور دوسرے حکومتی اعلیٰ عہدیداروں کے بارے میں ناقابلِ اشاعت زبان استعمال کی۔ اسی طرح ''شیر پنجاب'' قرار دیئے گئے ایک اہلِ حدیث عالم مولانا چوہدری منظور احمد نے شیخوپورہ میں پچھلے دنوں ایک جلسہ میں صدر پاکستان کو مغلظ گالیاں دیں اور اعلان کیا کہ پاکستان اور اسلام کی حفاظت اہلِ حدیث کریں گے۔ اس سے اندازہ کیا جا

سکتا ہے کہ ایسے متشدد الخیال مذہبی طبقات کس طرح اپنے سخت گیر نظریات کا پرچار کر رہے ہیں اور اس کے بعد دوسرے مکاتب فکر کی عبادت گاہوں اور مزاروں و خانقاہوں کے بارے میں جہادیوں میں کس قسم کے جذبات پیدا ہو رہے ہیں۔

پنجاب میں متشدد جہادی گروپوں اور فرقہ پرست تنظیموں کی بڑھتی ہوئی طاقت کو جہاں پاکستان کے کئی طاقتور اداروں کی مدد حاصل رہی ہے وہاں ان گروہوں نے مقامی سطح پر اپنے وسائل کو بڑھانے میں بھی زبردست کامیابی حاصل کی ہے۔ فرقہ وارانہ محاذ پر دیوبندی مسالک کی تنظیموں کو جہاں مخالف مسالک کے خلاف برتری حاصل ہوئی وہاں اہلِ حدیث مکاتب فکر کے جہادی و سلفی حلقوں کو بھی جہاد کشمیر اور دیگر کئی مجوزہ جہادوں کی تیاری کے دوران زبردست پذیرائی ملی۔ بعض خفیہ ہاتھوں نے انہیں خلیجی ممالک اور مقامی سرمایہ داروں سے بھی جوڑ دیا تاکہ اُن کو وسائل کے حصول کے لئے کسی دشواری کا سامنا نہ کرنا پڑے محض چند برسوں میں اُن دینی مدارس کے پاس جو برائے نام چندے، بیت المال کے فنڈز اور مقامی مخیّر حضرات کے عطیات پر اپنا کاروبار چلاتے تھے، دولت کے انبار لگ گئے۔ صرف لاہور میں کئی جہادی اور فرقہ پرست تنظیموں نے اربوں روپے مالیت کی جائیدادیں اور کمرشل پلازے تعمیر کیے۔ چونکہ یہ گروہ سیاسی طور پر مسلم لیگ اور جماعت اسلامی وغیرہ سے منسلک تھے اس لئے انہوں نے مقامی تاجر برادریوں کے ساتھ اچھے تعلقات قائم کیے۔ صرف لاہور کے صرافہ بازاروں سے کروڑں روپے ماہانہ کالعدم لشکر طیبہ اور جیش محمد کو ملتے رہے۔

جب کشمیر جہاد میں دشواریوں کا سلسلہ شروع ہوا اور بھارتی پارلیمینٹ پر حملے کے بعد پاکستان کو اس کے اندرونی جہادی عناصر کے باعث بیرونی دباؤ کا سامنا کرنا پڑا تو کئی اطراف سے مذکورہ تنظیموں کی امداد پر روک لگ گئی اور انہیں ستانے کا مشورہ دیا گیا۔ اگرچہ بیرونی جہاد سے ان تنظیموں نے قدرے ہاتھ کھینچا لیکن اندرون ملک بڑھتی ہوئی طاقت اور وسائل کے بہاؤ نے انہیں مقامی طور پر اپنے متشدد اور بے لچک نظریات

کے پرچار میں تیزی لانے پر مجبور کر دیا اور ملک کے کونے کونے میں جہادی درس و تدریس اور فرقہ وارانہ منافرت کے پھیلاؤ کا سلسلہ شروع ہوا۔ اگر محض اردو بازار لاہور سے شائع ہونے والی کتب کا جائزہ لیا جائے تو اس بازار میں دستیاب کتب کا نوے فیصد یا تو جہادی ہے یا پھر فرقہ وارانہ مباحث سے لبریز اور دوسرے مسالک کی تکفیر پر مبنی ہے۔ جس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ طاقتور مذہبی و مسلکی جماعتوں کی گرفت کتنی مضبوط ہو رہی ہے اور وہ کس طرح کی ذہن سازی میں مصروف ہیں۔

کوئی نہیں جانتا کہ داتا دربار پر ہونے والے خودکش حملوں کے ملزمان کب گرفتار ہوں گے یا مفروضہ ملزمان کو کسی روز پولیس مقابلے میں مار دیا جائے گا کیونکہ پنجاب پولیس اور موجودہ سیاسی انتظامیہ اس قسم کے ضروری ''اقدامات'' کو اپنی گڈ گورننس سمجھتی ہے۔ پنجاب حکومت کی سب سے مہلک غلطی یہ ہے کہ تقریباً دو سال کے دوران پنجاب میں دہشت گردی کی وارداتوں میں ملوث جن افراد کو گرفتار کیا گیا ہے ان کے بارے میں تحقیقات کو معروضی انداز میں سرانجام نہیں دیا گیا۔ ذرائع کے مطابق ایک سو کے قریب ایسے مشتبہ افراد کو رہا کیا گیا جن پر کئی سنگین الزامات تھے۔ ڈیرہ غازی خان اور ملتان سے گرفتار ہونے والے ایسے کئی افراد کو رہا کیا گیا جنہوں نے اپنے بیانات میں قبائلی علاقوں میں برسرِ پیکار دہشت گردوں کے ساتھ تعلق تسلیم کیا تھا۔ ناقدین کے مطابق اس کی بڑی وجہ پنجاب حکومت کے کئی کلیدی عہدیدار ہیں جو براہِ راست بعض کالعدم مذہبی و فرقہ پرست جماعتوں کو مدد فراہم کر رہے ہیں اور ربدلے میں سیاسی مدد لے رہے ہیں۔

دوسری بڑی وجہ دہشت گردوں اور فرقہ پرست قاتلوں کے خلاف درج مقدمات میں پولیس اور قانون نافذ کرنے والے اداروں کی طرف سے ''سقم'' برقرار رکھنے کا رویہ ہے جس کے باعث عدالتوں میں ایسے ملزمان کے لئے ضمانتوں پر رہائی حاصل کرنا یا بری ہو جانا مشکل نہیں رہتا۔ عموماً ایسے مقدمات میں قانون نافذ کرنے والے ادارے ناقص گواہوں کی مدد لیتے ہیں یا خود ہی کسی واقعے کے کمزور گواہ بن جاتے ہیں، جو عدالتوں میں

معمولی جرح کے بعد نا قابلِ بھروسہ قرار پاتے ہیں اور مقدمہ اپنی افادیت کھو دیتا ہے۔ اس کے علاوہ دہشت گردی اور فرقہ وارانہ قتل کے مقدمات میں مدعیان گواہ فراہم کرتے ہیں جن کو بعد میں یا تو جان سے مار دیا جاتا ہے یا پھر وہ خوفزدہ ہو جاتے ہیں کیونکہ اُنہیں قانون نافذ کرنے والے ادارے ضروری تحفظ فراہم کرنے سے قاصر رہتے ہیں۔ اس کی سب سے بڑی مثال کالعدم لشکر جھنگوی کے سربراہ ملک اسحاق ہیں جن کے خلاف تین درجن کے قریب قتل کے مقدمات درج ہوئے لیکن زیادہ تر مقدمات کے مدعی گواہان کو قتل کر دیا گیا۔ آخری مقدمہ جو ملتان میں ایک ہی خاندان کے کئی افراد کے قتل کے بارے میں ہے، اس کا واحد گواہ اس حد تک خوفزدگی کا شکار ہے کہ وہ عدالتوں میں حاضر ہونے سے قاصر ہے۔ نتیجتاً ملزمان دھڑا دھڑ بری ہو رہے ہیں اور اپنی طاقت کا مظاہرہ کر رہے ہیں۔

داتا دربار خودکش حملوں کے بعد ملک میں عوامی سطح پر بڑھتے ہوئے دباؤ کے علاوہ بریلوی مکتبہ فکر کی تنظیموں کی طرف سے شدید ردعمل کے بعد یہ امکان نظر آ رہا ہے پنجاب حکومت متشدد جہادی تنظیموں اور فرقہ پرست گروہوں کے خلاف آپریشن پر مجبور ہو چکی ہے۔ اگرچہ اس متوقع آپریشن اور اس کے نتائج کے بارے میں ابھی سے کوئی رائے قائم نہیں کی جا سکتی لیکن ایسا نظر آ رہا ہے کہ پنجاب میں مقتدر سیاسی جماعت اپنا دامن صاف کرنے پر مائل نظر آتی ہے۔ بعض ذرائع کا خیال ہے کہ میاں نواز شریف صوبائی وزیر قانون کو ہٹانے پر راضی ہیں لیکن وزیر اعلیٰ شہباز شریف ایسے کسی اقدام کو اپنی حکومت اور جماعت کے لئے سیاسی طور پر مہلک سمجھتے ہیں۔ انہیں خدشہ ہے کہ ان کی جماعت پنجاب میں پیپلز پارٹی کے مقابلے میں حاصل کردہ سیاسی برتری سے محروم ہو جائے گی اور کسی بھی قسم کے آپریشن کے بعد کالعدم تنظیموں اور جہادی گروہوں کے ارکان اس سے اپنی حمایت واپس لے لیں گے۔

(روزنامہ آجکل ۶ رجولائی ۲۰۱۰ء)

دھماکہ.....داتا تری گلی میں

انتظار حسین

یہ سنتے سنتے کان پک گئے کہ ایسا شیطانی کام کوئی مسلمان نہیں کرسکتا، بھلا وہ خانۂ خدا میں جا کر دھماکہ کرے گا اور مسلمانوں کا خون بہائے گا۔ اس میں بیرونی ہاتھ ہے اور پاکستان کے دشمنوں کی سازش ہے۔ جب داتا دربار میں خودکش حملہ ہوا اور عقیدت مند مسلمانوں کا خون بہایا گیا تو پھر یہی کہا گیا۔ مگر اب کے یہ وار خالی گیا۔ لوگوں نے اس توجیہ کو قبول کرنے سے انکار کردیا۔ اب اسی عذر پر جابجا تنقید ہورہی ہے۔

صحیح تنقید ہورہی ہے۔ صاحبو سوچنے کا مقام ہے اگر مسلمان بقائمی ہوش و حواس خانۂ کعبہ پر گولہ باری کرسکتے ہیں تو داتا دربار میں جا کر ان کے خودکش حملہ کرنے میں کونسا امر مانع ہوسکتا ہے۔ اگر وہ منجنیق سے گولے برسا کر حرم شریف کا تقدس پامال کرسکتے ہیں تو ان کی مسلمانی داتا دربار کی حرمت کو نقصان پہنچانے سے انہیں کیسے روک سکتی ہے۔

تو داتا دربار میں جو سانحہ گزرا وہ یقیناً بہت افسوس ناک ہے مگر سیاست دانوں اور سرکاری کارندوں کی طرف سے ایسے موقعوں پر جو دور کی کوڑی لائی جاتی ہے اس پر سوچ سمجھ کر اعتبار کرو۔ ان عقل کے اندھوں کو اندر کا ہاتھ تو نظر آتا نہیں بیرونی ہاتھ اتنی جلدی کیسے نظر آجاتے ہے کہ ادھر واردات ہوئی اور ادھر وہ تاڑ لیتے ہیں کہ یہ سب یہود و ہنود و نصاریٰ کی سازش کا کرشمہ ہے۔ ابھی کل رات ایک ٹی وی چینل پر ایک سیاسی تجزیہ نگار اس پر اصرار کررہے تھے کہ قتل و خون کی یہ وارداتیں، یہ بم دھماکے نائن الیون کے بعد کے حالات کا ظہور ہیں۔ اس سے پہلے ایسی کوئی بات نہیں تھی۔

جس واقعہ کا ہم نے حوالہ دیا وہ نائن الیون سے بہت پہلے کا واقعہ ہے۔ اس وقت یزید تختِ خلافت پر قابض تھا۔ سو ہم ایسے کسی شیطانی کام کے لئے کسی جارج بش کے یا کسی یہود و ہنود و نصاریٰ والی سازش کے محتاج نہیں تھے۔ واقعہ کربلا کے بعد حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے جو حضرت ابوبکرؓ کے نواسے تھے یزید کی خلافت کے خلاف علم بغاوت بلند کیا اور بہت جلد کم از کم دو متبرک شہروں مدینہ اور مکہ کو اس کے پنجہ سے چھڑا لیا۔ تب یزید کی فوجوں نے پیش قدمی کی اور منجنیق سے خانۂ کعبہ پر اتنے گولے برسائے کہ اس کی چھتیں چھلنی ہو گئیں اور ایک دیوار ڈھے گئی۔ مگر قدرت کا انتظام دیکھو کہ ابھی یہ مہم جاری تھی کہ یزید کی موت واقع ہو گئی۔ یزیدی فوج کو محاصرہ اٹھانا پڑا اور خانۂ خدا منہدم ہونے سے بچ گیا۔ آگے کیا ہوا اور واقعہ حرہ کتنا عبرت ناک واقعہ تھا، اسے جاننے کے لئے تاریخ سے رجوع کیجئے۔

صاحبو! اب خیر مانگو پاک پتن کی، سیہون شریف کی، ملتان کے بلند و بالا مقابر کی اور پر رونق درگاہوں کی۔ یہ تو ہم نے چند ایک نام گنوائے ہیں ورنہ واقعہ یوں ہے کہ مبارک قریوں کی ایک پوری زنجیر ہے جو اس برصغیر کے ایک کنارے سے دوسرے کنارے تک پھیلی ہوئی ہے۔ اولیاء و صوفیا کہاں کہاں آسودہ خاک ہیں اور اس شان سے آسودہ خاک ہیں کہ اب وہ قریے ان کی برکت سے خالی قریے نہیں رہے ہیں روحانی اور تہذیبی استعارے بن گئے ہیں۔ دھیان میں لائیے اجمیر شریف کو اور سیہون شریف کو اور پاک پتن کو۔ اور خود لاہور نے داتا گنج بخش سے نسبت پا کر کیا شرف حاصل کیا ہے۔ اب صرف یہ صورت تو نہیں کہ یہاں ایک ولی آسودہ خاک ہے۔ بلکہ یوں ہے کہ اب وہ بزرگ اس شہر کی روح کا امین ہے۔

کہتے ہیں کہ شیخ مخدوم علی ہجویری ثم لاہوری اس برصغیر میں وارد ہونے والے پہلے صوفی ہیں اور ان کی کتاب ''کشف المحجوب'' تصوف کی پہلی مستند دستاویز ہے۔ لیجئے اس کتاب سے ایک بیان سن لیجئے کہ ہمارے زمانے پر بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے۔ فرماتے

ہیں کہ ''اسلام کی پہلی ابتری کے وقت کا نقشہ جبکہ اہلِ بیت رسول پر آل مروان نے غلبہ حاصل کرلیا تھا اہلِ حقائق کے بادشاہ تصوف وطریقت کے باریک بین ابوبکر واسطی رحمتہ اللہ نے کیا ہی اچھا پیش کیا ہے کہ ہم ایسے زمانے میں ابتلا کے اندر ڈالے گئے ہیں کہ جس میں نہ آدابِ اسلام ہیں نہ اخلاقِ جاہلیت اور نہ ہی اس میں محبت ومروّت کی باتیں ہیں۔''

آپ نے دیکھا کہ یہاں آداب اسلام کے ساتھ، اخلاق جاہلیت کو بھی خراج تحسین پیش کیا گیا ہے۔ مسلکِ تصوف کی اسی اعلیٰ ظرفی نے تو اسے ایسی شان بخشی تھی کہ اس سے اس برصغیر میں ایک نئی اور بڑی تہذیب نے جنم لیا اور فکر وفنون کی ایک توانا روایت نے فروغ پایا مگر اب پاکستان میں یہ روایت ایک آشوب سے دوچار ہے۔ داتا دربار پر حملہ خالی ایک درگاہ پر حملہ نہیں ہے، ایک تہذیب، ایک اعلیٰ روحانی روایت پر یورش ہے۔ صحیح کہا ''ہم ایسے زمانے میں ابتلا کے اندر ڈالے گئے ہیں کہ جس میں نہ آدابِ اسلام ہیں نہ اخلاقِ جاہلیت اور نہ ہی اس میں محبت ومروّت کی باتیں ہیں۔''

(روزنامہ آجکل ۶ رجولائی ۲۰۱۰)

ابلیس اور بدترین مخلوق کا حملہ

علی مسعود سید

بے شک انسان کائنات کی بہترین وافضل ترین مخلوق ہے اور بدترین مخلوق بھی۔ تزکیہ نفس اور قوتِ عشق سے انسان، قربِ ربانی کی وہ منزلیں بھی پار کر لیتا ہے جو فرشتوں کے بس میں بھی نہیں۔ کیا انسان کے مقام، درجات اور فضیلت کے لیے یہ کافی نہیں کہ وہ اللہ کا نائب ہے۔ سبحان اللہ، ایک پتے یا گھاس کے تنکے کی ذرا سی جنبش سے بھی اللہ غافل نہیں ہے، اس کے باوجود وہ جانتا تھا کہ انسان زمین پر خوں ریزی کرے گا، اس نے آدم کو خلق کیا اور پھر روزِ ازل تمام فرشتوں کو فرمایا کہ آدم کو سجدہ کرو تو سب نے حکم کی تکمیل کی لیکن ایک ابلیس انکاری ہوا اور بارگاہِ ایزدی سے نکالا گیا۔ یہ انسان کا اعلیٰ وارفع مقام ہی ہے کہ شیطان کا دل حسد سے کباب ہو گیا۔ یہ غور طلب بات ہے کہ جب اس نے انسان کو بہکانے کا فیصلہ کیا تب بھی اس نے اللہ پاک سے انتہائی ادب سے بات کی اور قسم کھائی کہ اے اللہ مجھے تیری عزت کی قسم ہے میں انسان کو گمراہ کروں گا، سوائے تیرے خالص بندوں کے۔ شیطان کی بغاوت کی اصل وجہ انسان سے حسد ہے، شیطان، انسان کا اصل دشمن ہے تو وہ انسان کائنات کی بدترین مخلوق ہے جو اپنے ہی سب سے بڑے دشمن کا پیروکار ہو گیا۔ یوں اللہ کا نائب انسان افضل ترین مخلوق ہے اور شیطان کا نائب انسان بدترین مخلوق ہے۔ شیطان نے انسانوں کو بڑی تعداد میں گمراہ کیا، وہ اپنے نائبین کے ذریعے زمین پر تسلط چاہتا ہے، اس نے حکمرانوں، لیڈروں، دولت مندوں، طاقتوروں، مذہبی پیشواؤں اور عالموں کو خاص طور پر اپنا نشانہ بنایا، کیونکہ

ان کے اثر ورسوخ کے ذریعے وہ اپنا کام بہت تیزی سے انجام دے سکتا ہے، جب کہ ہر دور میں اللہ کے خاص بندے، انبیاء، آئمہ و اولیاء روشنی کا مینار بنے رہے اور پوری انسانیت کو راہِ ہدایت دیکھاتے رہے، خاتم الانبیاء حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا۔ تو رشد و ہدایت کا کام رسولِ پاک کے نائبین و اولیاء کرام کی ذمہ داری بنی۔ اللہ کے یہ ولی جہاں گئے وہاں نئی زندگی اور نئی امید پیدا کر دی، جس سرزمین پر قدم رکھا اسے سیراب کیا۔ پورے برصغیر کی طرح پنجاب کی سرزمین بھی ان پاکیزہ نفس و برگزیدہ ہستیوں کے فیض سے سیراب ہوئی۔ حضرت علی بن عثمان جلابی، ہجویری المعروف داتا گنج بخش صاحب رحمتہ اللہ آسمان تصوف کا وہ درخشندہ ستارہ جس نے ایک ہزار سال زائد عرصہ قبل غزنی سے ہجرت کے بعد لاہور میں تشریف لا کر اس خطے پر بہت بڑا احسان کیا، یہی وجہ ہے پنجاب کے عظیم سپوت مفکر اسلام و مصور پاکستان علامہ اقبال نے آپ کی منقبت لکھی، اِن کا ایک شعر جو آج بھی خون کے دھبوں میں دھندلا یا نہیں، بقصدِ برکت رقم کر رہا ہوں کہ:

خاکِ پنجاب از دمِ او زندہ گشت
صبحِ ما از مہر او تابندہ گشت

یعنی پنجاب کی سرزمین آپ کی تشریف آوری سے زندہ اور ہماری صبح اس خورشیدِ تاباں سے تابندہ و روشن ہوگئی۔

آپ یہاں تشریف لائے تو یہاں کے لوگ ایک جادوگر حاکم رائے راجو کے ظلم و ستم سے تنگ تھے، سب سے پہلے آپ نے اس کو مطیع کیا اور لوگوں کو امن و سلامتی کا تحفہ دیا۔ آپ کی بے شمار کرامات ہیں جسے دیکھ کر یہاں کے لوگ جوق در جوق مسلمان ہونے لگے مگر اس سے بڑھ کر آپ کی تمام تر سادہ زندگی لوگوں کو بہت متاثر کرتی رہی۔ آپ نے سلوک کی تمام منزلیں حالت سہو میں طے کیں یعنی باطنی طور پر اللہ کی یاد میں محو اور ظاہری طور پر بھی شریعت پر پوری طرح عمل پیرا۔ انکساری کے باعث آپ حتی الامکان

اپنی کرامت کو چھپاتے تھے، ایک آدمی آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ دل میں یہ تمنا کی کہ کرامت دیکھوں تو آپ کے ہاتھ پر بیعت کروں گا۔ وہ آپ کے پاس اس خیال سے اڑھائی تین سال رہا۔ آپ کے روزمرہ کے معاملات اور باتوں پر غور کرتا، ایک دن اس نے آپ کی خدمت میں عرض کی کہ میں تو اس خیال سے یہاں آیا تھا کہ آپ کی کوئی کرامت دیکھوں گا تب بیعت کروں گا مگر میرا یہ مسئلہ حل نہیں ہوا، اب جانے کی اجازت چاہتا ہوں۔ آپ پہلے مسکرائے پھر فرمایا جتنا عرصہ تم یہاں رہے، کیا تم بتا سکتے ہو کہ میں نے کوئی ایک چھوٹا اور بڑا عمل یا بات کی ہو جو خلافِ شرح و دین ہو؟ اس نے عرض کی کہ نہیں۔ تب آپ نے فرمایا تو پھر مجھے بتاؤ کہ اس سے بڑھ کر اور کیا کرامت ہے جو تم دیکھنا چاہتے ہو۔ اپنے باکمال عمل، بے مثال زندگی کے نمونے اور بے پناہ محبت سے برصغیر پاک و ہند میں بہت نمایاں تعداد میں لوگوں کو نہ صرف مسلمان کیا بلکہ رہتی دنیا تک کے لئے ایک درست سمت متعین کر کے گراں قدر خدمات سرانجام دیں۔ یاد رہے آپ کا بہت خصوصی وصف صبر و تحمل تھا۔

اسی سلسلے میں آپ نے سلوک کی راہ میں اپنی طالب علمی کی حالت کو بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ایک مرتبہ ایک انتہائی کٹھن مرحلہ آپ پر گزرا۔ ہوا یوں کہ ایک منزل آپ پر رک گئی، آپ نے سخت ترین مجاہدے کیے، مراقبے کیے، مسلسل روزے رکھے اور مسلسل سفر کیا مگر یہ روحانی منزل طے نہ ہو پائی، تب آپ نے بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ کے مزار اقدس کی طرف سفر شروع کیا کہ شاید ان کے مزار کی روحانی برکت سے ان کی یہ منزل طے ہو جائے، آپ ابھی راہ میں تھے کہ ایک سرائے نظر آئی، بھوک پیاس سے نڈھال تھے اور حالت بہت خستہ تھی، اندر جانے سے احتراز کیا مگر سوچا کہ اس عمارت کے سایے میں دیوار سے ٹیک لگا کر کچھ دیر آرام کرلوں۔ اس سرائے کی بالائی منزل پر کچھ لوگ بیٹھے تھے جو ایک بھرپور دسترخوان سے کھانا کھا رہے تھے اور مستیاں کر رہے تھے۔ آپ دیوار کے ساتھ بیٹھ گئے اور اپنی سوکھی روٹی چبانے لگے، ان لوگوں نے

اس درماندہ حال مسافر کو کھانا دینے کی بجائے اس کا تمسخر اڑانا شروع کیا، آپ نے صبر سے کام لیا اور خاموش رہے۔ پھر ان کی بدتمیزی اور بڑھی، انہوں نے بالا خانہ سے آپ کے اوپر بچا ہوا سالن اور پھلوں کے چھلکے پھینکنے شروع کر دیئے، ان کی بدتمیزی بڑھی تو آپ کا صبر بھی بڑھا۔ کوئی جواب نہ پا کر وہ باز آ گئے مگر دورانِ ضبط حضرت کی رُکی ہوئی منزل کھل گئی اور آپ خوشی سے سرشار ہو گئے۔ یقیناً اللہ کے ولی ذاتی وجوہات پر ناراض نہیں ہوتے بلکہ وہ انسانیت کے اور اللہ کے دشمن یعنی شیطان کے ہر حربے کو رد کرتے ہیں، وہ اللہ کو محبوب رکھتے ہیں اور اللہ انہیں محبوب رکھتا ہے۔ جس طرح ہم اپنے ہیروز اور شہیدوں کو یادگار بناتے ہیں، توپوں کی سلامی پیش کرتے ہیں اس طرح اللہ نے اپنے بہت سے خاص بندوں کے مزارات کو پُر رونق بنایا ہے۔ ان کی شاندار زندگی کی وجہ سے ان کو ہمیشہ خراج تحسین پیش کیا جاتا ہے۔ لوگ ان مزارات پر سلام پیش کرنے حاضر ہوتے رہیں گے اور دہشت گرد کامیاب نہیں ہو سکتے، تا قیامت یہ سلسلہ جاری رہے گا۔ یقیناً اللہ کے ولی ایسے ہی ہوتے ہیں، ہمیشہ صبر کرتے ہیں مگر اللہ ان کی توہین کرنے والوں اور ان کو اذیت پہنچانے والوں پر سخت غضبناک ہوتا ہے۔ بدذات ہیں وہ لوگ جنہوں نے سیّد علی ہجویریؒ ایسی ہستی کے مزار کو نشانہ بنانے کے لئے پلان تیار کیا اور میرا ایمان ہے اور میں پورے یقین سے کہتا ہوں کہ یہ اس دنیا میں بھی اپنا برا انجام ضرور دیکھیں گے، اور یہاں میں ایک بات پوری ذمہ داری سے کرنا چاہتا ہوں کہ تمام اقوام اور مذاہب میں شدت پسند گروہ موجود ہیں۔ یہ میرا فرض ہے کہ میں پوری طرح ایمانداری سے توجہ دلاؤں کہ جب تفتیش کی جائے تو ہر طرح کے دہشت گرد گروہوں کو مدنظر رکھا جائے۔

(روزنامہ جنگ ۴ر جولائی ۲۰۱۰ء)

۞......۞......۞

دہشت گردی کا بھوت اور پیرِ ہجویرؒ

عطاءالرحمٰن

پہلا سوال یہ ہے امریکہ میں نائن الیون کے بعد کوئی خودکش دھماکہ یا دہشت گردی کا واقعہ نہیں ہونے دیا گیا۔ اگرچہ واحد سپر طاقت نے اس کی آڑ میں افغانستان پر فوجی قبضہ کرلیا اور اب وہ اس کے جارحانہ عزائم کے لئے قبرستان بنتا جا رہا ہے۔ عراق پر بھی فوجی یلغار کر کے اس ملک کی اینٹ سے اینٹ بجا کر رکھ دی۔ یہاں سے بھی امریکی افواج کا انخلا نامرادی کے عالم میں اور مایوسی کی کیفیت میں ہو رہا ہے۔ لیکن امریکی سرحدوں کے اندر انہوں نے دہشت گردی کی دوسری واردات نہیں ہونے دی۔ اسی طرح برطانیہ میں سیون سیون کے حملے ہوئے۔ وہاں کی ایجنسیوں، پولیس اور حکومت نے مل کر اس خطرے کا کچھ اس طرح تدارک کیا کہ تخریب کار پھر ایسی کارروائی نہ کر سکے۔ ہمارے ملک کو کیا ہوگیا ہے۔ ایک کے بعد دوسرا تباہ کن حملہ ہوتا ہے۔ یہ ڈائن بے گناہ انسانوں کی جانوں کو ہڑپ کر لیتی ہے۔ حکومتی ذمہ داران بیاناتِ مذمت جاری کرتے ہیں بڑکیں لگاتے ہیں مجرموں کو جلد از جلد پکڑ کر کیفر کردار تک پہنچائیں گے اُن کی دوڑیں لگوا دیں گے۔ اس کے بعد کچھ نہیں ہوتا پھر اچانک نئی ہولناک خبر ملتی ہے فلاں شہر کی فلاں پُر رونق جگہ یا عبادت گاہ پر خودکش حملہ ہوگیا درجنوں افراد جان کی بازی ہار گئے۔ اس سے زیادہ زخمی ہو گئے۔ حکومتی ترجمانوں کی جانب سے ٹیپ کا وہی بند دُہرا دیا جاتا ہے اور مرنے والوں کی تعداد میں پہلے سے اضافہ ہوتا ہے ان کے لواحقین کا کوئی پرسان حال نہیں ہوتا۔ خیبر سے لیکر اسلام آباد، راولپنڈی، لاہور، کراچی اور گوادر تک

پوری ارض پاکستان اس کی لپیٹ میں ہے یہ جن ہے کہ قابو میں نہیں آرہا۔قوم کے حوصلے اگرچہ بلند ہیں۔اس کا شاندار مظاہرہ گزشتہ روز حضرت علی ہجویری رحمتہ اللہ علیہ کے مزار کے قریب نہایت افسوس ناک اور انتہا درجہ قابلِ مذمت ظالمانہ واردات کے بعد ہوا۔ جس نے پچاس سے زائد عقیدت مندوں کو اللہ تعالیٰ کی عطا کی ہوئی زندگی جیسی نعمت سے محروم کر دیا۔لیکن عوام کی ہمت اور حوصلہ ملاحظہ کیجیے۔اگلے دن جمعہ کے روز وہ معمول سے زیادہ جوش اور جذبے کے ساتھ وہاں پہنچے۔بے خوف ہو کر خدائے وحدہ لاشریک کے حضور سجدہ ریز ہوئے۔برصغیر کے نامور اور عظیم صوفی بزرگ کی قبر پر بھی معمول کے مطابق فاتحہ خوانی کی۔

لیکن ہماری سراغ رساں ایجنسیاں وہ دہشت گردوں کے خفیہ ٹھکانوں کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے اکھاڑ پھینکنے میں ناکام رہی ہیں۔ان کی منصوبہ بندی اور مذموم کارروائیوں کی پیشگی روک تھام ان کے بس کی بات نہیں۔دہشت گردوں میں سے کوئی بمشکل ایک آدھ پکڑا جاتا ہے۔زیادہ بھاگ جاتے ہیں اور ہمارے کسی بھی صوبے کی پولیس کے قابو میں نہیں آتے۔اسے عملاً بے بس بنا کر رکھ دیتے ہیں۔حکومت خواہ مرکزی ہو یا صوبائی پنجاب وخیبر پی کے یا سندھ اور بلوچستان کی، دہشت گردی کا قلع قمع سب کی مشترکہ ذمہ داری ہے۔یہ جان لیوا مسئلہ چاروں صوبوں کو درپیش ہے۔پورے ملک کے لئے سوہانِ روح بنا ہوا ہے۔وفاقی اور چاروں صوبائی حکومتوں کو مل کر اس خطرے اور چیلنج سے نبرد آزما ہونے کے لئے مشترکہ منصوبہ بندی کرنی چاہئے۔

حضرت علی ہجویری رحمت اللہ علیہ جن کے مزار کے گرد و پیش کو دہشت گردی کی تازہ اور مکروہ ترین واردات کا نشانہ بنایا گیا ہے بلند پایہ روحانی بزرگ ہونے کے ساتھ درجہ اولیٰ کے سکالر تھے۔محققین ان کی مشہور معروف تصنیف کشف المحجوب کو تصوف کے موضوع پر لکھی جانے والی رسالہ قشیریہ کے بعد دوسری تاریخی کتاب قرار دیتے ہیں۔ انہوں نے لاہور کو نہ صرف یہ اعزاز بخشا کہ یہاں بیٹھ کر توحید کے پیغام کو مشرکین ہند کی

اچھی خاصی تعداد کے دل و دماغ میں اتارا اور انہیں دینِ حق قبول کرنے پر آمادہ کیا۔ بلکہ اپنی شہرہ آفاق تصنیف بھی یہاں تحریر کی۔ اس کے آغاز میں اپنی علمی مشکلات بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ میں اس وقت لاہو کے ''ان مضافات ملتان است'' میں مقیم یہ کتاب لکھ رہا ہوں لیکن اردگرد کوئی کتب خانہ یا صاحب علم بستی نہیں جس سے کسی علمی و روحانی نکتے کی تشریح کے لئے رجوع کر سکوں۔ اس کے باوجود آپ نے یہ کتاب مکمل کی۔ شہر لاہور میں دین اور تصوف کی ایسی جوت جگائی کہ اڑھائی تین سو برس بعد حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی یہاں تشریف لائے تو لاہور کو علم کا عروس البلاد قرار دیا۔ حضرت علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کسی فرقے کے نہیں تمام کے روحانی پیشوا ہیں۔ اگر کوئی بدبخت یہ مذموم توقع لگائے بیٹھا ہے کہ ان کے مزار پر بے گناہ انسانوں کے خون کی ندیاں بہا کر فرقہ پرستی کے زہر کو پھیلائے گا تو یہ اس کی غلط فہمی ہے۔ لاہور اور پنجاب کے عوام اتنے باشعور یقیناً ہیں کہ وہ اس مکروہ شرارت کے سانپ کو کسی طور سر نہیں اٹھانے نہیں دیں گے۔

(روزنامہ نوائے وقت ۴ر جولائی ۲۰۱۰ء)



داتاؒ دربار میں لاشوں کا ڈھیر

جمشید چشتی

مسجدوں میں، عبادت گاہوں میں اور خدا رسیدہ بزرگوں کی درگاہوں میں خودکش حملے کرنے والے مسلمان نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ قرآن وحدیث کی رُو سے کسی بے گناہ کو قتل کرنا گناہ کبیرہ ہے اور اس کی کوئی بخشش نہیں۔ بے گناہوں کے خون سے ہاتھ رنگنے والا کبھی جنت میں داخل نہیں ہو سکتا۔ ایسے شخص کو اللہ تعالیٰ ابدالآباد تک جہنم کا ایندھن بنائے رکھے گا۔

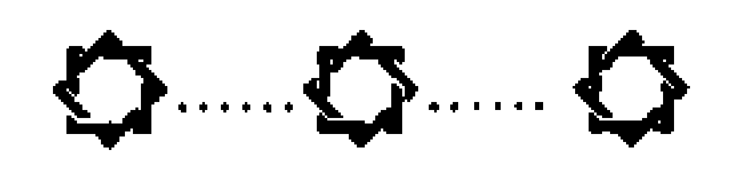
حضرت سیّد علی ہجویری (المعروف داتا گنج بخشؒ) کے مزارِ پُرانوار پر ہونے والے ہولناک دھماکوں کا ذمہ دار کس کو ٹھہرایا جائے گا۔ یہ تو آنے والا وقت ہی بتائے گا۔ لیکن ایک بات واضح ہے کہ ان دھماکوں میں بھارت اور امریکہ کا ہاتھ ہے۔ امریکہ گزشتہ کچھ عرصے سے پنجاب میں بھی وزیرستان کی نوعیت کے آپریشن کا مطالبہ کر رہا ہے۔ لیکن پنجاب حکومت نے اس کی نہ صرف شدید مخالفت کی ہے بلکہ ایسے کسی بھی آپریشن کو خارج از امکان قرار دے دیا ہے۔ لیکن امریکہ اور بھارت کو پنجاب کا امن کانٹے کی طرح کھٹک رہا ہے لہٰذا وہ کبھی قادیانیوں کی عبادت گاہوں میں بم دھماکے کروا رہا ہے۔ کبھی اقبال ٹاؤن کی بارونق مارکیٹوں کو انسانی لاشوں کا بازار بنا رہا ہے اور اب آ کر ایک ایسی مقدس اور مرکزِ فیض درگاہ کے صحن میں خون کی ایسی ہولی کھیلی گئی ہے جس سے پورا پاکستان لرز کر رہ گیا ہے۔

دوسری طرف ہمارے قانون نافذ کرنے والے اداروں اور سکیورٹی سکوارڈز کی نااہلی بھی اُس میں شامل ہیں۔ دربار داتا صاحب خصوصاً جمعرات کو زائرین سے اس حد تک بھرا ہوتا ہے کہ وہاں تل دھرنے کو جگہ نہیں ہوتی۔ حکومت جانتی ہے کہ حالات کس طرف جا رہے ہیں۔ اس کے باوجود ایسی درگاہوں پر سکیورٹی کا کوئی فول پروف بندوبست نہیں کیا جاتا۔ پولیس کی تنخواہیں اور اختیارات تو روز بروز بڑھتے چلے جا رہے ہیں لیکن نتیجہ صفر ہے۔

قیامت صغریٰ کا وہ منظر جو ہم نے ٹی وی پر دیکھا۔ دیکھنے کی تاب نہیں تھی۔ لوگوں کے بین، عورتوں کی چیخیں، بچوں کا بلکنا...... اللہ اللہ...... بقول غالب......

حیران ہوں دل کو روؤں کہ پیٹوں جگر کو میں

حکمران ایسے ہر واقعے پر ''ہم مذمت کرتے ہیں'' کہہ کر آرام سے جا کر اپنے ایئر کنڈیشنڈ کمروں اور نرم بستروں پر سو جاتے ہیں۔ یہ ''مذمت'' کیا ہوتی ہے؟ خودکش بمباروں کے سر مل جانا، انہیں ڈی این اے کے لئے لیبارٹری میں بھیج دینا، کیا یہ کافی ہے؟ ہر خودکش بمبار کا سر جائے وقوعہ پر چوک میں لٹکا دیا جائے اور لوگوں کو کہا جائے کہ وہ آتے جاتے اس پر جوتیاں ماریں اور تھوکیں...... تاکہ کم از کم ایسا ہر قاتل نشانِ عبرت تو بنے...... لوگوں کی کچھ بھڑاس تو نکلے۔ بصورتِ دیگر حکمران یہ بات ذہن نشین کر لیں کہ عوام کے جان و مال کے تحفظ سے غفلت کی بنا پر بہت جلد اُن کی لاشیں چوکوں میں نشان عبرت بن کر لٹک رہی ہوں گی اور لوگ آتے جاتے انہیں جوتیاں ماریں گے اور پھر تھوکیں گے۔



داتا جی ہم شرمندہ ہیں

نسیم شاہد

''لقمے کا دوسروں پر ایثار کرنا تو کتوں کا کام ہے، مردان حق تو اپنی جان اور زندگانی ایثار کرتے ہیں''۔ یہ قول زریں سیّد علی ہجویری حضرت داتا گنج بخشؒ کی لازوال تصنیف ''کشف المحجوب'' میں درج ہے۔ ایثار کی اس بلند درجہ تعریف کرنے والے برصغیر کے عظیم روحانی پیشوا کے اس دربار پر خودکش حملہ کہ جو ایک ہزار سال سے مرجع خلائق ہے اور جہاں سے ہر آنے والے کو آسودگی راحت، محبت اور وارفتگی کی سوغات ملتی ہے، در حقیقت ہم سب کو داتا جی کے حضور شرمسار کر گیا ہے ہماری ساری سکیورٹی دنیاوی حکمرانوں کو محفوظ بنانے پر مرکوز ہے اور روحانیت کے اس عدیم النظیر مرکز کو ہم نے حالات کے رحم و کرم پر چھوڑ رکھا ہے۔ دنیاوی حکمران صرف لیتے ہیں دیتے کچھ نہیں، جبکہ حضرت داتا گنج بخشؒ کے مزار سے محکمہ اوقاف کو ہر سال کروڑوں روپے حاصل ہوتے ہیں، کیا اس آمدنی کا ایک حصہ دربار کی سکیورٹی کو فول پروف بنانے پر صرف نہیں ہونا چاہئے تھا۔ آخر کیسے دہشت گرد تجلیات کے اس مرکز میں بارود باندھ کر داخل ہوئے۔ یہ تو صدیوں سے جائے اماں تھی اسے جائے فغاں بنانے والوں کو موقع تو ہماری مجرمانہ غفلت نے فراہم کیا ہے۔ داتا جی ہم شرمندہ ہیں۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا تھا ''باطل پر راضی ہونا خود باطل ہونا ہے۔'' داتا جی ہمیں آپ رحمۃ اللہ علیہ کے روحانی فیض کی قسم، ہم باطل پر کبھی راضی ہوں گے نہ اس کے سامنے سر جھکائیں گے۔

لاہور اک شہر اماں، شہر زندہ دلاں، آج امان کو ترس رہا ہے نجانے کس روسیاہ کی نظرِ بد نے اس شہر بے مثال کو اس حال تک پہنچا دیا ہے کہ روزانہ معصوم انسانوں کے لاشے گر رہے ہیں اور خلق خدا آسمان کی طرف بے چارگی کے عالم میں دیکھ کر امن کی بھیک مانگ رہی ہے لاہور پاکستان کا دل ہے پاکستان کی زندگی کی ہر سانس میں لاہور کی لہر دوڑ رہی ہے۔ لاہور ہمیشہ سے اقتدار کا' اختیار کا اور ملک میں رونما ہونے والی ہر تبدیلی کا مرکز رہا ہے۔ لاہوری بڑے فخر سے کہتے ہیں کہ لاہور جب تک زندہ ہے پاکستان کا کوئی بال بھی بیکا نہیں کر سکتا اور لاہور اس وقت تک زندہ رہے گا جب تک ایک بھی لاہوری کے جسم میں سانس باقی ہیں۔ لاہور کی ایک اپنی ہی بوباس ہے جو اس شہر میں رہتے ہیں وہ بھی اس کے گرویدہ ہیں اور جو اس کو کبھی ایک بار چھو کر گزر جاتے ہیں وہ بھی ساری عمر اس کے فراق میں آہیں بھرتے رہتے ہیں لاہور باغوں، میدانوں، میلوں ٹھیلوں اور ثقافتی ہنگاموں کا شہر ہے اہلِ لاہور ایک زندہ قوم کے افراد کی تعریف پر پورے اترتے ہیں بھارت نے جب 1965ء کی جنگ میں پاکستان کو فتح کرنے کے لئے لاہور کو تسخیر کرنے کا مکروہ منصوبہ بنایا تھا تو بزدل ہندو کے اس خواب پر اہلِ لاہور کی جو زندہ دلی اور بہادری میں اپنا کوئی ثانی نہیں رکھتے ہنسی چھوٹ گئی تھی کیا پدی اور کیا پدی کا شوربہ اہلِ لاہور نے یہ بات تمسخر اڑانے کے انداز میں نہیں کی تھی بلکہ واقعی انہیں اپنے جذبوں، ہمتوں اور ولولوں پر ناز تھا، بھروسہ تھا وہ ہندو بنئے کو سبق سکھانے واہگہ کی سرحد پر بھی جاتے تھے اور اپنی چھتوں پر چڑھ کر پاکستانی ہوابازوں کے ہاتھوں بھارتی جہازوں کو پٹتا ہوا بھی دیکھتے تھے لاہوریوں کے اس جذبے کو دیکھ کر دنیا بھر کے مبصرین نے یہ کہہ دیا تھا کہ پاکستان کو فتح کرنا بھارت کے بس کی بات نہیں۔

اہلِ لاہور مثبت جذبوں کے امین ہیں۔ وہ ایک دوسرے کے ہاتھ میں ہاتھ ڈال کر زندگی گزارنے پر یقین رکھتے ہیں یہی وجہ ہے کہ آج لاہور میلوں پر پھیل گیا ہے، لیکن اس کی بوباس، اس کے رہن سہن اور اس کے ثقافتی تشخص میں کوئی فرق نہیں آیا

لاہور آج بھی لاہور ہے، اپنی پوری تابانیوں کے ساتھ جگمگا رہا ہے لیکن یوں لگتا ہے کہ جیسے اس خوبصورت چاند کو گہنانے کے لئے بعض خفیہ ہاتھوں نے اپنی مکروہ سرگرمیاں شروع کر دی ہیں ان سرگرمیوں کا مقصد سوائے اس کے اور کچھ نہیں ہوسکتا کہ وہ لاہور سے جائے امان کا ٹائٹل چھیننا چاہتے ہیں اور وہ لاہور کو شہر خرابات بنانے کے درپے ہیں تا کہ پاکستان کے اس دل کو کمزور کر کے اپنے مذموم مقاصد پورے کر سکیں۔ عظیم روحانی مرکز داتا دربار لاہور کے احاطے میں پیش آنے والا حالیہ اندوہناک سانحہ جس ہاتھ کی بھی کارستانی ہے وہ اسلام، پاکستان، لاہور یا اہلِ لاہور کا خیر خواہ نہیں ہوسکتا یہ کسی صورت قابلِ قبول قرار نہیں دیا جاسکتا اہلِ لاہور کو صرف چند ہفتوں کے وقفے سے ایک اور سانحہ کا سامنا کرنا پڑا ہے ان خون آشام واقعات سے لاہور کی جو تصویر ابھرتی ہے وہ اس تصویر سے یکسر مختلف ہے جو حقیقی لاہور کا پرتو ہے لاہور تو امن کا گہوارہ تھا اسے قتل گاہ کس نے بنا دیا۔ اہلِ لاہور کی سرشت میں تعصب، فرقہ پرستی، گروہ بندی اور تنگ نظری کی کوئی گنجائش ہی نہیں سکتی وہ تو محبت و مروّت کا استعارہ ہیں یہ واقعات اہلِ لاہور کی آستینوں میں آ چھپنے والے سانپوں کا کرشمہ ہیں اہلِ لاہور اپنی زندہ دلی بلند ہمتی اور اتحاد و اتفاق کی وجہ سے بڑے بڑے امتحانوں میں سرخرو ہوئے ہیں اب انہیں ایک نیا مرحلہ درپیش ہے ایک نئے امتحان کا سامنا ہے انہیں ان سماج دشمنوں کا کھوج لگانا ہے جو ان کے عظیم شہر کے امن کو تہہ و بالا کرنا چاہتے ہیں جو لاہور سے لاہور کا بانکپن امن اور سکون چھیننا چاہتے ہیں۔

لاہور اگرچہ صوبے کا دارالحکومت بھی ہے اور اقتدار کا مرکز بھی۔ شہر میں پولیس اور انتظامی مشینری کی بھی کمی نہیں، خفیہ ایجنسیوں کے سینکڑوں اہلکار بھی یہاں سرگرم عمل ہیں اور عوام کی حفاظت کے دعویدار چھوٹے بڑے اداروں اور تنظیموں کی بھی اس شہر میں بہتات ہے، لیکن یہ سب باتیں، یہ سب انتظامات اور یہ سب قوتیں اہلِ لاہور کی اجتماعی طاقت اور زندہ دلی کا نعم البدل نہیں ہوسکتیں۔ لاہور کا امن صرف لاہور کے شہری لوٹا سکتے

ہیں انہیں اپنے روایتی جذبوں کو بروئے کار لاتے ہوئے اپنے شہر کو بچانا ہے، اسے دوبارہ جائے امان بنانا ہے۔ اس مقصد کے لئے انہیں عملاً دہشت گردی، گروہی تعصّبات اور مفاداتی سیاست کے علمبرداروں کے خلاف جہاد کرنا ہو گا خون مسلم کی ارزانی ہر پاکستانی کے لئے لمحہ فکریہ ہے لیکن اہلِ لاہور چونکہ خون کے اس دریا کو اپنی آنکھوں سے بہتا دیکھ رہے ہیں، اس لئے ان پر زیادہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ اپنی صفوں میں ان دشمنوں کو تلاش کریں جو اس قتل و غارت گری کے ذمہ دار ہیں۔

دوسری طرف لاہور کا امن لوٹانے کے لئے حکومت اور حکومتی اداروں کو بھی غیر روایتی کوششوں کا آغاز کرنا چاہئے صرف رسمی بیانات سے لوگوں کی تشفی نہیں ہو سکتی دہشت گردی کا کوئی ایک واقعہ بھی عوام کے اعصاب شل کرنے کے لئے کافی ہوتا ہے جبکہ لاہور تو پے در پے ایسے واقعات کی زد میں ہے۔ دیکھنے میں آیا ہے کہ ہمارے انتظامی فیصلے ہمیشہ مصلحت کی زد میں رہتے ہیں کہیں ایسا نہ ہو جائے کہیں ویسا نہ ہو جائے کی کیفیت، انتظامی فیصلے کے پس پردہ موجود نظر آتی ہے حالانکہ اجتماعی مفاد اور امن کے لئے بڑے اور سخت فیصلے کرتے ہوئے کسی تاخیر سے کام نہیں لینا چاہئے اگر مرض کا علاج صرف آپریشن ہے تو عام دوائیوں سے علاج کی توقع رکھنا سوائے مرض کو مزید شدید بنانے کے اور کوئی نتیجہ نہیں دے سکتا جب بھی کوئی ایسا واقعہ ہوتا ہے حکمران معمول کے بیانات جاری کرتے ہیں کسی انتظامی پولیس افسر کا احتساب ہوتا ہے اور نہ سکیورٹی پر مامور اداروں کی اوور ہالنگ ہوتی ہے۔ زیادہ سے زیادہ ایک شہر سے دوسرے شہر تبادلہ ہو گیا، وہی افسر تھوڑے عرصے بعد واپس آ جاتا ہے۔ لاہور میں پیش آنے والے دہشت گردی کے پے در پے واقعات کو معمول کا عمل سمجھنا پرلے درجے کی غفلت ہو گی ہم اپنے ایک شہر کراچی کو خون میں نہاتا دیکھ چکے ہیں جو اس کے امن کو چاٹنے کا باعث بن سکتے ہیں شیعہ سنّی بھائی بھائی ہیں اپنے مسلک کو نہ چھوڑو اور دوسرے کے مسلک کو نہ چھیڑو، جیو اور جینے دو کا ایک سنہری اصول ہے جس طرح آزادی سے بڑی دنیا میں اور کوئی نعمت نہیں

اسی طرح امن سے بڑھ کر اور کوئی راحت نہیں لاہور کے حسن کی لاتعداد خوبیوں میں ایک خوبی اس کا امن بھی ہے جسے کچھ عرصے سے نامعلوم ہاتھ تہہ و بالا کرنے کی کوشش کر رہے ہیں جس کے خلاف ہر لاہوری کو اپنے اپنے محاذ پر جدوجہد کرنی چاہئے کہ باوقار قومیں اسی طرح کے اجتماعی فیصلوں اور جدوجہد کے نتیجے میں زندہ و پائندہ رہتی ہیں۔

(روزنامہ پاکستان ۶/جولائی ۲۰۱۰ء)

سرچشمۂ فیض لہو رنگ ہو گیا

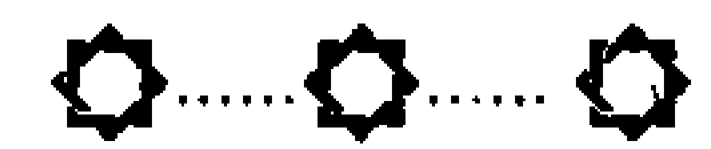
شہباز انور خان

جمعرات کی شب داتا کی نگری کے باسیوں پر بڑی بھاری گزری کہ جب انسانیت کے دشمن نامعلوم دہشت گردوں کے ہاتھوں دربار حضرت علی ہجویری المعروف حضرت داتا گنج بخش کا صحن خون میں نہا گیا۔ داتا کے دیوانوں کے جسموں کے چیتھڑے اڑ گئے اور روحانیت میں گندھی معطر فضا بارود کی کثیف دھوئیں سے آلود ہو گئی۔ دہشت گردی کے اس واقعہ کے نتیجے میں 43 قیمتی جانیں لقمہ اجل بن گئیں اور 175 کے قریب زخمی حالت میں ہسپتال میں پہنچائے گئے۔ اس اندوہناک سانحہ نے پورے شہر کو سوگوار کر دیا۔ تکلیف دہ امر یہ ہے کہ دہشت گردوں نے اپنی مشقِ ستم کے لئے جس مقدس جگہ کا انتخاب کیا تھا وہاں 24 گھنٹے اللہ کے ذکر کی دلنشین آوازیں بلند رہتی ہیں۔ جہاں آنے والے اپنی ذات کی نفی کر کے ذات باری تعالیٰ کے حضور سربسجود ہوتے ہیں اور داتا علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ ایسی پاک اور عظیم ہستیوں کے فیض سے اپنے قلب ونظر کو منور کرتے ہیں۔ یہ وہ مرکز تجلیات ہے کہ جہاں خدائے بزرگ و برتر کی رحمتیں نچھاور ہوتی رہتی ہیں۔ جہاں سبز گنبد کے سائے میں آرام کرنے والی ہستی نے اپنے علم، اپنے عمل، اپنے کردار اور اپنے حسنِ سلوک سے ایک عالم متاثر کیا اور دینِ اسلام کی اشاعت کا وسیلہ بنے۔ اس مرجع خلائق آستانے پر صرف شہر لاہور کے باسی ہی نہیں دور دراز کے علاقوں سے بھی لوگ اپنی علمی پیاس بجھانے اور روحانی تسکین حاصل کرنے کی غرض سے آتے

ہیں اور جھولیاں بھر کر واپس جاتے ہیں۔ ہفتے کے ساتوں روز یہی سماں رہتا ہے لیکن جمعرات کو خصوصیت کے ساتھ لوگ آتے ہیں اور اس روز جامعہ مسجد اور مزار سے ملحق صحن میں تل دھرنے کو بھی جگہ نہیں ملتی۔ نا معلوم کہاں کہاں سے لوگ من کی مرادیں پانے اور اس مظہرِ نورِ خدا کے حضور عقیدتوں کے پھول نچھاور کرنے کے لئے یہاں آتے ہیں۔ یہ سب لوگ جو ہزاروں کی تعداد میں ہوتے ہیں ایک دوسرے کے لئے اجنبی ہوتے ہیں، ناواقفیت اور ناشناسی کے باوجود ایک دوسرے کے لئے ذہن صاف، دل کشادہ اور باطن اُجلا رکھتے ہیں۔ ان میں سے کسی کے دل میں دوسرے کے خلاف کھوٹ نہیں ہوتی، پیشہ ور جعلسازوں کی اور بات ہے کہ وہ بھی ''اپنے من کی مرادیں'' پانے کے لئے یہاں آتے اور ہجوم عاشقاں میں اپنے لئے رزق تلاش کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ دہشت گردوں اور ان کے منصوبہ سازوں نے اسی لئے شعوری طور پر جمعرات کا انتخاب کیا اور وقت بھی ایسا کہ جسے ''پیک آورز'' میں شمار کیا جاتا ہے کہ لوگ دوسرے شہروں سے آ کر دن کے اوقات میں اپنے کام کاج کرتے، کاروباری حضرات مارکیٹوں میں جا کر خریداری کرتے، بڑے بڑے آرڈرز بک کرواتے، کچہریوں اور ہائیکورٹ میں مقدمے کے سلسلے میں تاریخیں بھگتتے، سول سکرٹریٹ میں اپنے کام نکلواتے اور دوسرے محکموں اور اداروں میں جا کر اپنے کام کی انجام دہی کے بعد واپس گھروں کو لوٹنے سے پہلے آستانہ علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ پر حاضری دینا ضروری تصور کرتے ہیں۔ سو عشاء کے وقت یہاں رش بڑھنا شروع ہو جاتا ہے جو تمام رات جاری رہتا ہے۔ اس سرچشمہ فیض پر آسودگی کے لئے اگرچہ وقت کی کوئی قید نہیں ہے لیکن رات کا وقت اپنے اللہ سے ہمکلام ہونے، اس سے التجائیں کرنے، مناجات کرنے اور راز و نیاز کی باتیں کرنے کے لئے آئیڈیل تصور کیا جاتا ہے۔ سو لوگ اس بابرکت مقام پر اس وقت کا بھرپور اور زیادہ سے زیادہ استعمال کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ دہشت گردوں نے اسی وقت کو چنا اور اپنی بہیمانہ کارروائی سے پاک ماحول مکدر کر دیا۔ ٹی وی چینلز پر دہشت گرد کی جو فوٹیج دکھائی

گئی ہے اس میں وہ بد بخت سر پر سبز پگڑی باندھے ہوئے ہے اور اس کا حلیہ کسی مذہبی جماعت یا تنظیم سے مشابہہ ہے۔ گو کہ حقیقت میں ایسا نہیں ہوگا اور نہ ہوسکتا ہے کہ یہ محض بہروپ تھا جیسے دنیا کو دکھانا تھا البتہ اس سے دہشت گردوں کے مذموم مقاصد اور اہداف کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے کہ وہ دراصل اس کارروائی کے ذریعے پاکستان میں فرقہ واریت کو ہوا دینا چاہتے تھے اور ان کی یہ خواہش ہے کہ کسی طرح پاکستان کی پرامن فضا کو فرقہ واریت کی زہرناکی سے آلودہ کیا جائے۔ ہمارے مذہبی اور سیاسی رہنماؤں کو اس حقیقت کا ادراک کرنا چاہیے اور اس سوچ اور فکر کی نفی کی جانی چاہیے جو مسلمانوں کے مختلف مسالک کو ایک دوسرے سے لڑوانے کا باعث بن رہی ہے۔ یہ مذہبی رہنماؤں کی ذمہ داری ہے کہ وہ ایثار کا مظاہرہ کرتے ہوئے اپنے اپنے مسلک کے جذباتی لوگوں کے جذبات سے کھیلنے کی بجائے انہیں کنٹرول کریں، انہیں باور کروائیں کہ یہ حرکت کسی بھی مسلمان کی نہیں ہوسکتی۔ اگر وہ کسی مسلمان گھرانے میں پیدا ہوکر دہشت گردوں کے ہتھے چڑھ گیا ہے اور اس کی ذہن سازی اس حد تک کردی گئی ہے کہ وہ ان کے ایما پر مساجد، مدارس، خانقاہوں، مزارات اور امام بارگاہوں کے تقدس کو خاطر میں لائے بغیر وہاں دہشت گردی کی بہیمانہ کارروائی کرنے کے لئے اپنے آپ کو آمادہ وتیار پاتا ہے تو یقین کر لیا جائے کہ وہ مسلمان تھا بھی تو اب نہیں رہا کہ مسلمان کی تو تعریف ہی یہ ہے کہ اس کے ہاتھ اور زبان سے کسی دوسرے مسلمان کو نقصان نہیں پہنچتا۔ وقت کا تقاضا ہے کہ تمام سیاستدان اپنے ذاتی مفادات کو بھلا کر اور باہمی محاذ آرائی کو ختم کر کے اتحاد و یکجہتی کا مظاہرہ کریں صرف مذہبی ہم آہنگی ہی کے ہتھیار سے ان تمام ممالک کے مشترکہ دشمن کی چالوں کو ناکام بنایا جاسکتا ہے۔

(روزنامہ ایکسپریس ۶/ جولائی ۲۰۱۰ء)



میرا غرور..........!!!

یاسر پیرزادہ

مجھ سے اگر کوئی پوچھے کہ لاہور شہر پر فخر کرنے کی صرف ایک وجہ بتاؤ تو میرا جواب ہوگا کہ اس سے زیادہ قابلِ فخر بات کیا ہوگی کہ میں داتا کی نگری میں رہتا ہوں۔ میں لاہور مین پیدا ہوا، یہیں پلا بڑھا، جوان ہوا۔ گورنمنٹ کالج سے بی اے اور پنجاب یونیورسٹی سے ایم اے کیا اور پھر سرکاری نوکری۔ یہی وہ شہر ہے جس کی گلیوں، محلوں، باغوں، سڑکوں اور ریستورانوں میں مستی کرتے ہوئے میں نے اپنی فیملی اور دوستوں کے ساتھ زندگی کے بہترین دن گزارے ہیں۔ ان دنوں میرے پاس 125 سی سی موٹر سائیکل ہوا کرتی تھی جس پر ہم سارا شہر گھوما کرتے تھے۔ سرد راتوں میں لاہور کا کینٹ سٹیشن کڑک چائے پینے کے لئے بہترین جگہ ہوا کرتی تھی......شاید اب بھی ہو۔ اسی طرح لاہور کی دیگر جگہوں کے لئے بھی ہم نے نشانیاں مخصوص کی ہوئی تھیں۔ مثلاً اگر ہم نے ''کون'' کھانی ہوتی تو سیدھا لبرٹی مارکیٹ کا رخ کرتے (بعد میں ہم نے مون مارکیٹ کی ''کون'' کو بھی وہی گریڈ دے دیا جو لبرٹی مارکیٹ کا تھا)، وقت ضائع کر کے تھک جاتے تو اسی باغ جناح میں واقع قائداعظم لائبریری میں چلے جاتے اور کسی میز پر سر رکھ کر گھڑی دو گھڑی سو لیتے۔ فلم دیکھنی ہوتی تو لکشمی چوک کا رخ کرتے۔ میٹروپول، شبستان اور رتن میرے پسندیدہ سینما گھر تھے۔ پان کھانا ہوتا تو ٹمپل روڈ پر مولا بخش پان شاپ کا رخ کرتے (بعد میں مون مارکیٹ کی ''شمی پان شاپ'' کو بھی ہم نے اپ گریڈ کر دیا تھا)۔ آئس کریم کے لئے بیڈن روڈ سے بہتر کوئی جگہ پہلے تھی نہ اب ہے۔ پائے

کھانے کے لئے "پھجے" کے محلے کا رخ کرتے اور محض پائے کھا کر واپس آجاتے۔ لاہور کا ریلوے سٹیشن بھی ہماری پسندیدہ ترین جگہوں میں سے ایک تھا۔ ہم گھنٹوں پلیٹ فارم نمبر ایک اور دو پر بیٹھ کر خوامخواہ ٹرینوں کو آتے جاتے دیکھتے اور جب اس سارے ہنگام میں جسم تھک کر چور ہو جاتا تو داتاؒ دربار کے سامنے بھاٹی چوک سے ایک مستند قسم کا مالشیا "ہائر" کر کے لے آتے اور اس سے مساج کرواتے۔

اب لاہور بہت بدل گیا ہے۔ اور ساتھ ہی اس کی نشانیاں بھی بدل گئی ہیں۔ اب لبرٹی مارکیٹ "کون" کی وجہ سے نہیں بلکہ سری لنکن کرکٹ ٹیم پر حملے کی وجہ سے میرے ذہن میں آتی ہے، "ٹیمپل روڈ مولانا بخش پان شاپ" کی وجہ سے نہیں بلکہ ایف آئی اے دفتر پر حملے کی وجہ سے پہچانی جاتی ہے اور مون مارکیٹ اپنی رات گئے رونق کی وجہ سے نہیں بلکہ ہولناک خودکش حملوں کی وجہ سے زیادہ مشہور ہو گئی ہے۔ اسی طرح ماڈل ٹاؤن، گڑھی شاہو، مناواں، ہائی کورٹ، مال روڈ، کوئینز روڈ غرض اب یہ ساری جگہیں میرے لئے رومانوی نہیں رہیں بلکہ دہشت کی علامت بن گئی ہیں۔ اور داتاؒ دربار پر ہونے والے خودکش حملے نے تو جیسے اس شہر کے دل میں خنجر گھونپ دیا ہے۔ مبارک ہو ان لوگوں کو جو طالبان کی حمایت میں تاویلیں گھڑ گھڑ کر لاتے ہیں، مبارک ہو ان لوگوں کو جو یہ سمجھتے ہیں کہ یہ عذاب الٰہی ہے اور ہمارے اعمال کا نتیجہ ہے، مبارک ہو ان لوگوں کو جو ان وحشی جنونیوں کی دہشت گردی کی کھل کر مذمت کرنے کی بجائے "اگر مگر" کا تڑکا لگا کر عوام کو گمراہ کرتے ہیں، مبارک ہو ان لوگوں کو جو اب بھی یہ سمجھتے ہیں کہ یہ جنگ ہماری نہیں، مبارک ہو ان لوگوں کو جو حیلے بہانوں سے ان قاتل بھیڑیوں کی درپردہ حمایت کرتے ہیں اور مبارک ہو وفاقی حکومت کو جو ایک دفعہ پھر امن و عامہ کی ذمہ داری صوبائی حکومت پر ڈال کر بری الذمہ ہو گئی ہے۔

اب چند گھسے پٹے تجزیئے بھی سن لیجئے۔ کہا جا رہا ہے کہ داتاؒ دربار خودکش حملے سکیورٹی کے ناکافی انتظامات کی وجہ سے ہوئے۔ کیا کوئی اللہ کا بندہ مجھے یہ سمجھائے گا کہ

سترہ کروڑ عوام کے لئے واک تھرو گیٹ لگا کر سکیورٹی کیسے مہیا کی جا سکتی ہے؟ یہ جنگ انٹیلی جنس کی جنگ ہے، جو شخص بم باندھ کر واک تھرو گیٹ پہنچ جاتا ہے، اس کا مطلب ہے کہ وہ انٹیلی جنس کے اداروں کی آنکھوں میں دھول جھونک کر وہاں پہنچا ہے۔ لہٰذا اس جنگ کو جیتنے کا صرف ایک ہی طریقہ ہے کہ ہماری انٹیلی جنس ایجنسیاں دہشت گردوں کے نیٹ ورک میں گھس کر اس کو تباہ کریں۔ محض یہ اطلاع دے دینا کہ فلاں شہر میں اتنے خودکش بمبار داخل ہو چکے ہیں، ایسا ہی ہے جیسے کسی شخص کی کنپٹی پر پستول رکھ کر یہ کہنا کہ ''کلمہ پڑھ لے جوان، تیرا آخری وقت آن پہنچا ہے!'' ایک اور حیرت انگیز اور ہولناک بات یہ ہے کہ ان حالات میں اگر کوئی شخص یہ چاہے کہ وہ کسی کو دہشت گردی کی اطلاع دے تو اس کے پاس 15 پر کال کرنے کے سوا کوئی آپشن نہیں ہے۔ جو جنگ ہم لڑ رہے ہیں وہ 15 پر بیٹھے ہوئے ایک ASI کی اوقات سے کہیں زیادہ ہے، لہٰذا حکومت کو چاہئے کہ ''ہوم لینڈ سکیورٹی'' کی طرز پر ایک محکمہ یا اتھارٹی تشکیل دے جس کے تحت پورے ملک میں ایک "Anti Terror Hotline Service" قائم کی جائے جس کا ایک ٹال فری نمبر ہو اور اس ٹال فری ہارٹ لائن کا براہِ راست رابطہ "Anti Terrorism Squad" سے ہو جو 1122 ریسکیو سروس کی طرح سات منٹ سے بھی کم وقت میں رینسپانس کرے۔ اس "Anti Terrorism Squad" کے ساتھ ساتھ اسی ادارے میں چند لوگوں کی ذمہ داری تحقیق کی بھی ہونی چاہئے، جو دہشت گردی کی وارداتوں، مختلف طریقوں، انٹیلی جنس رپورٹس، دہشت گردوں کی فنڈنگ، نیٹ ورکنگ اور ان کے عقائد و نظریات اور مسالک اور دہشت گردی کے نئے رجحانات کا تجزیہ کریں اور ایک مربوط حکمت عملی بنا کر سیاسی قیادت کو پیش کریں۔ فی الحال یہ کام پنجاب کے محکمہ داخلہ کا ہے لیکن غالباً محکمہ داخلہ بھی دیگر محکموں کی طرح دھنیا پی کر سو رہا ہے۔ اس محکمے نے تا حال کوئی ایسی رپورٹ جاری نہیں کی جو دہشت گردی کی جاری لہر یا اس کے Patterns پر کسی بھی قسم کی کوئی روشنی ڈال سکے۔ اگر ہم نے دہشت گردی کے

خلاف یہ جنگ جیتنی ہے تو ہمیں بھی دہشت گردوں کی طرح سوچنا ہوگا اور انہیں اسی طرح حیران کن طریقے سے ختم کرنا ہوگا جیسے وہ ہمیں ختم کرنا چاہتے ہیں۔ داتا کی نگری میں رہنا میرا غرور ہے اور مٹھی بھر دہشت گرد مجھ سے میرا یہ غرور نہیں چھین سکتے!!!

(روزنامہ جنگ ۳؍جولائی ۲۰۱۰ء)

۞......۞......۞

داتاؒ دربار میں خون بہہ رہا ہے

ڈاکٹر صفدر محمود

یقین کیجیے میں نے جب سے "داتاؒ دربار" میں خودکش حملوں کی خبر پڑھی ہے مجھے یوں محسوس ہوتا ہے جیسے میرے جسم کے روئیں روئیں سے خون بہہ رہا ہے۔ میرا دل یہ ماننے کو کسی صورت بھی تیار نہیں کہ یہ حملہ کسی مسلمان نے کیا ہوگا، چاہے اس کا تعلق کسی بھی مسلک یا دہشت گرد گروہ سے ہو کیونکہ داتاؒ دربار روحانیت کا منبع ہے جہاں لوگ روحانی فیض، قلبی سکون اور دنیاوی مسائل کے حل کے لئے دعائیں مانگنے آتے ہیں۔ داتاؒ دربار میں جہاں لوگ چلہ کشی، عبادت اور وظائف میں مصروف بلکہ مگن ہوتے ہیں، وہاں منتیں ماننے، سلام کرنے والوں اور عقیدت کا اظہار کرنے والوں کی بھی قطاریں لگی ہوتی ہیں۔ روحانی و دنیاوی مسائل میں اُلجھے ہوئے لوگوں کے علاوہ دربار بھوکوں، بیروزگاروں دوسرے شہروں اور دیہاتوں سے آئے ہوئے مزدوروں اور گھروں سے بھاگے ہوئے نوجوانوں کی آخری پناہ گاہ سمجھی جاتی ہے جہاں غریبوں اور بھوکوں کو کھانا مفت ملتا ہے اور رات گزارنے اور استراحت کے لئے داتاؒ دربار کا صاف ستھرا وسیع فرش بستر کا کام دیتا ہے۔ یہ مقدس جگہ ہر قسم کی فرقہ واریت، گروہ بندی اور مذہبی مناظروں سے پاک ہے اور یہاں آنے والوں کی بہت بڑی تعداد کا تعلق غریب و نادار طبقوں سے ہوتا ہے۔ پنجاب میں آج بھی کسی گاؤں یا قصبے میں کوئی نوجوان گھر سے بھاگ جائے تو والدین اسے تلاش کرنے داتاؒ دربار پہنچ جاتے ہیں کہ داتا گنج بخشؒ کا دامن پریشان

حالوں، غم اور بھوک کے ماروں یا پھر روحانی بالیدگی اور قلبی روشنی کے متلاشیوں ہر کسی کو پناہ دیتا اور سکون بخشتا ہے۔ اللہ سے محبت کرنے والوں، عشق رسول میں ڈوبے ہوؤں اور غربت اور غریب الوطنی کے ماروں پر کون سنگدل، بے رحم اور گمراہ شخص حملہ کر سکتا ہے کہ داتا دربار ایسے ہی لوگوں کا مسکن ہے۔ پھر اس حملے کے لئے جمعرات کی رات منتخب کی گئی جس وقت داتا دربار پر چاہنے والوں کا سب سے بڑا ہجوم اور سب سے زیادہ تعداد موجود ہوتی ہے۔ یقیناً یہ حملہ جہنمی گروہ کی سوچی سمجھی واردات تھی۔

غائب کا حال تو خدا ہی جانتا ہے، ہم اندھے کیا جانیں لیکن میں نے صاحبان باطن سے سن رکھا ہے عام طور پر جمعرات کے دن صاحبان مزار اپنے مقام پر موجود ہوتے ہیں اور وہ جہاں بھی ہوں جمعرات کے دن اپنے چاہنے والوں کے درمیان آجاتے ہیں۔ ممکن ہے سیکولر، نام نہاد، روشن خیال اور دین کے روحانی پہلو سے ناآشنا لوگ میرے ان فقروں پر ناک بھوں چڑھائیں کیونکہ یہ ان کا حق ہے لیکن میرا اعتقاد ہے کہ شہید اور عشق الٰہی میں فنا ہونے والے کبھی نہیں مرتے، وہ فقط ہماری نگاہوں سے اوجھل ہوتے ہیں اور اوجھل ہونے کے بعد بھی ان کا فیض جاری رہتا ہے۔ میں خود چند ایک مظاہر دیکھ کر اس حقیقت کا قائل ہوا ہوں ورنہ تو شاید میں بھی متزلزل ہی رہتا۔ کہنے کا مقصد یہ تھا کہ جمعرات کی شام داتا دربار پر بہت بڑا اجتماع ہوتا ہے اور خودکش حملوں کے لئے جمعرات کا انتخاب زیادہ سے زیادہ لوگوں پر حملہ کرنے کی سوچی سمجھی سازش تھی جس کا سراغ لگانے یا بروقت اطلاع پانے میں پنجاب کی انتظامیہ ناکام رہی۔ پچھلے دنوں خفیہ ایجنسیوں نے لاہور میں کچھ جگہوں اور خاص طور سرکاری اور خفیہ ایجنسیوں کے دفاتر پر حملوں کی اطلاع دی تھی لیکن اس میں داتا دربار کا ذکر نہیں تھا۔ ذکر ہوتا بھی تو اس سے فرق نہ پڑتا کیونکہ اب تک دہشت گردوں، خودکش حملے کرنے والوں اور ملک دشمن عناصر کو نہ صرف علم بلکہ تجربہ ہو چکا ہے کہ ماشاء اللہ ہماری انتظامی مشینری نہایت نالائق اور ناکارہ ہے اس لئے انہیں کوئی خطرہ نہیں، وہ جب جی چاہے اور جہاں جی چاہے

بلاخوف تشریف لائیں اور حملہ کر کے بحفاظت واپس تشریف لے جائیں۔ لاہور میں قدم قدم پر ناکے لگے ہیں پھر لاہور میں داخل ہونے والی ہر سڑک پر گاڑیوں کی تلاشی لی جاتی ہے اور شہریوں کو ذلیل کیا جاتا ہے لیکن اس کے باوجود دہشت گرد لاہور کے اندر سے آ کر لاہور چھاؤنی، احمدیوں کی عبادت گاہوں، جنرل ہسپتال، ایف آئی اے کے دفاتر اور نیول کالج، پولیس ٹریننگ سکول، خفیہ پولیس کے ماڈل ٹاؤن دفتر، ریسکیو اور آئی ایس آئی اور پھر داتا دربار پر کارروائی کرتے ہیں اور ہماری انتظامیہ ان کے ٹھکانے تلاش کرنے میں ناکام رہتی ہے۔ ایسی انتظامیہ کو ''شاباش'' ہی دی جا سکتی ہے جو اپنے کارندوں اور سپاہیوں کو بھی شہید کروا رہی ہے اور معصوم شہریوں کے خون کی بھی حفاظت نہیں کر سکتی۔ بلاشبہ دہشت گردی پر قابو پانا آسان نہیں تو ناممکن بھی نہیں۔ میں جب تحریک پاکستان یا تاریخ آزادی کے اوراق کی ورق گردانی کرتا ہوں تو انگریزوں کی انتظامی صلاحیتوں اور ان کے دورِ حکومت میں خفیہ ایجنسیوں کی کارکردگی کی داد دیئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ بلامبالغہ انگریزی دور میں خفیہ ایجنسیوں نے حکومت کے خلاف سینکڑوں سازشیں پکڑیں اور بہت سی کوششیں ناکام کیں لیکن اب تو یوں لگتا ہے جیسے حکومت تمام تر وسائل کے باوجود نااہلی اور ناکامی کا شکار ہے جبکہ ملک دشمن دہشت گرد حکومت کے مقابلے میں زیادہ منظم، مضبوط اور اہل ہیں۔ ذرا اندازہ کیجئے کہ لاہور کے قتل عام میں ملوث ایک زخمی دہشت گرد کو پولیس علاج کے لئے جنرل ہسپتال لے آئی جو بذات خود ہمالیہ کے برابر کی غلطی تھی۔ اس کی حفاظت پر چند ایک کانسٹیبل مامور تھے۔ اس زخمی دہشت گرد کی ہسپتال میں موجودگی کو خفیہ رکھا گیا تھا لیکن اس کے باوجود دہشت گردوں کا نیٹ ورک اس قدر اچھا اور مستعد تھا کہ کمین گاہوں میں چھپے رہنے کے باوجود ان کو اپنے ساتھی کی حرکات و سکنات کا علم تھا۔ وہ ایک رات جنرل ہسپتال پر حملہ آور ہوئے لیکن اپنے ساتھی کو اغوا کرنے میں ناکام رہے البتہ وہ کچھ پولیس کے کارندوں کو شہید کر کے بحفاظت واپس تشریف لے جانے میں کامیاب رہے۔ ظاہر ہے کہ وہ کسی دوسرے شہر

سے نہیں آئے تھے نہ ہی ہیلی کاپٹروں سے اترے تھے لیکن اس کے باوجود ہماری پنجاب کی انتظامیہ نہ انہیں ہسپتال تک آنے میں روک سکی اور نہ ہی ان کے ٹھکانوں کا سراغ لگا سکی۔ ظاہر ہے کہ ان تخریب کاروں اور دہشت گردوں کے ٹھکانے ہر شہر کے اندر ہی موجود ہیں اور انہیں حکومت کی طرف سے کوئی خطرہ نہیں۔

میں کچھ روز قبل داتاؒ دربار گیا تھا جہاں زائرین کی لمبی قطاریں لگی ہوئی تھی اور انہیں تلاشی کے بعد اندر جانے کی اجازت دی جاتی تھی لیکن کل شام یہ دہشت گرد بمعہ اسلحہ اور خودکش جیکٹس سمیت کیسے اندر چلے گئے، یہ کوئی معمہ نہیں کیونکہ یہ سلسلہ گزشتہ کئی برس سے جاری ہے اور اب تک یہ فیصلہ ہو چکا ہے کہ دہشت گرد کامیاب ہیں، محفوظ ہیں اور حکومت سے زیادہ اہل ہیں جبکہ حکومت اپنے کھربوں کے بجٹ، بے پناہ وسائل، وسیع و عریض پولیس ڈیپارٹمنٹ، سی آئی ڈی یعنی اسپیشل برانچ اور پورے انتظامی نیٹ ورک کے باوجود مٹھی بھر دہشت گردوں کے مقابلے میں ناکام ہو چکی ہے۔ حکمرانوں، حکومتی عہدیداروں اور سیاستدانوں کو فقط اپنی حفاظت سے غرض ہے جس پر بے پناہ ریاستی وسائل نچھاور کیے جا رہے ہیں لیکن انہیں غریبوں کے نام پر آنسو بہانے کے باوجود عوام سے غرض نہیں، چاہے وہ بھوکے مریں، خودکشیاں کریں یا وہ دہشت گردی کا نشانہ بنیں۔ ایک ایک سیاستدان کی حفاظت پر تین تین سو پولیس کانسٹیبل، خصوصی تربیت یافتہ افراد، بہترین اسلحہ، سکینر، بلٹ پروف گاڑیوں وغیرہ کے قلعے موجود ہیں اور ان پر غریب ملک کے خزانے سے کروڑوں اور اربوں روپے صرف کیے جا رہے ہیں۔ جبکہ داتاؒ دربار جیسی روحانی اور عوامی جگہ پر ایک درجن سے کم تھکے ہارے سپاہی بے دلی سے فرائض کی سرانجام دہی میں مصروف پائے جاتے ہیں اور سکینرز کا نام ونشان نہیں البتہ کسی وی آئی پی نے داتاؒ دربار میں حاضری دینی ہو تو سکینرز بھی لگ جاتے ہیں گویا یہ سارا نظام صرف امراء اور حکمرانوں کے لئے ہے اور اس میں عوام کے لئے کوئی جگہ نہیں۔

اب خادمِ اعلیٰ بروزن وزیراعلیٰ انشاءاللہ ہسپتالوں میں زخمیوں کی عیادت کے لئے

جائیں گے۔ مرنے والوں کے لئے پانچ، پانچ لاکھ اور زخمیوں کے لئے ایک، ایک لاکھ کی امداد کا اعلان کریں گے۔ جن میں سے کئی چیک باؤنس ہو جائیں گے لیکن حکمران یہ کبھی نہیں سوچیں گے کہ کیا یہ رقم انسانی جان کا نعم البدل ہو سکتی ہے؟...... یقیناً نہیں۔ اگر یہی امداد میں دی جانے والی چند کروڑ کی رقم داتا دربار کے زائرین کے لئے حفاظتی اقدامات پر لگا دی جاتی تو شاید دہشت گرد ناکام ہو جاتے اور سینکڑوں خاندان تباہی سے بچ جاتے......!!

(روزنامہ جنگ ۳ جولائی ۲۰۱۰ء)

☆......☆......☆

داتا! تری نگری کے ساتھ کیا ہوا؟

کشور ناہید

میرے جتنے ہندو، سکھ اور بدھسٹ دوست ہیں جب وہ لاہور آتے ہیں۔ کبھی نہیں بھولتے وہ داتا صاحب جانا۔ ہمیشہ کہتے ہیں بڑا سکون ملتا ہے۔ گولڈن ٹمپل ہو کہ داتا صاحب کہ نظام الدین رحمۃ اللہ علیہ کہ اجمیر شریف، نجانے ان جگہوں میں کیا طلسم ہے کہ انسان کا دعا پڑھ کر اٹھنے کو جی نہیں کرتا ہے مگر وہ کون تھے شقی القلب کہ جنہوں نے عبادت میں مصروف لوگوں کو زندگی سے جدا کر دیا۔ دو سو گھرانوں کو سوگوار کر دیا۔ اب مجھے رحمان بابا کے مزار پر کیا جانے والا حملہ بھی یاد آ رہا ہے۔ ساری محرابین حتیٰ کہ مزار کا آدھا حصہ برباد ہو گیا تھا۔ اسلام آباد اور پشاور کے ادیبوں نے مل کر رحمٰن بابا کے مزار پر حاضری دی اور ان مزدوروں کے کام میں ہاتھ بٹایا جو ظاہری طور گرے ہوئے گنبدوں کو سہارا دے رہے تھے۔ لوگ پوچھتے ہیں یہ کون لوگ ہیں جو معرفت کے ان عظیم مفکروں کے مزاروں کو بھی اجاڑنا چاہتے ہیں۔ جن بچوں کو یہ تربیت دی جاتی ہے خود کش دھماکوں کی، ان کو کہا جاتا اور سکھایا جاتا ہے کہ ان علاقوں کی جانب جاؤ جہاں بہت لوگ ہوں تاکہ نقصان زیادہ ہو اور لوگ حکومت سے متنفر ہوں۔ یہ بچے جن کی عمر 20 سال کے قریب تھی۔ ان کو کیا معلوم کہ داتا صاحب کون ہیں۔ ان کو کیا خبر کہ کشف المحجوب میں کیا اور کیسے برداشت اور محبت کی تلقین کی گئی ہے۔ ان کو کیسے خریدا اور ورغلایا جاتا ہے، ان کا احوال تو خود آئی ایس پی آر کے کرنل ٹیلی ویژن پر بتا چکے ہیں۔ داتا صاحب غزنی سے آئے تھے۔ آج غزنی میں بھی زندگی دوبھر ہے اور لاہور میں داتا صاحب کمپلیکس برے

حال میں ہے۔ یہ تو وہ جگہ ہے کہ جہاں سونے کا دروازہ شہنشاہ ایران نے تحفتاً دیا تھا اور ہزاروں بھوکے اور غریب داتا صاحب کے لنگر خانے سے پیٹ بھرتے تھے۔ ہم یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ داتا صاحب میں مزار کے پاس جو توشہ خانہ اور صدقے کے پیسوں کے جو بکسے رکھے ہوتے تھے اس مین عقیدت مند روزانہ اتنی دولت ڈالتے تھے کہ لاہور کارپوریشن نہ بھی ہوتو بھی پورے لاہور کا خرچہ اس آمدنی سے چل سکتا تھا۔ میں یہ بات اس لئے کہہ رہی ہوں کہ بیس برس پہلے میں بھی خواتین کی ایک کمیٹی میں شامل تھی جو چڑھائی جانے والی چادروں سے جہیز تیار کرتی تھی اور ہر ماہ کم از کم پچاس لڑکیوں کو جہیز دیا جاتا تھا۔ یہ بھی غور طلب بات ہے کہ اس کمیٹی کی بہت سی ممبران، جاتے وقت پلاؤ زردے کی تھالیاں بھر کر اپنے گھروں کی سمت جاتی تھیں۔

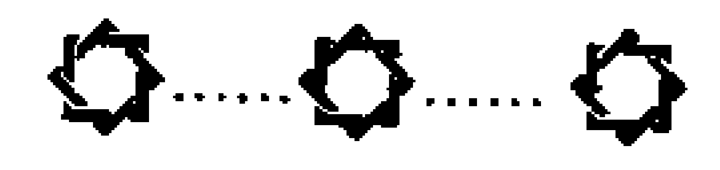
داتا صاحب سے عقیدت کا یہ حال تھا کہ لوگ چیک سائن کر کے اس میں رقم بھی نہیں لکھتے تھے مگر خورد برد کرنے والے کہاں نہیں ہوتے ہیں یہ سلسلہ اس وقت سے چل رہا ہے جب سے اوقاف کا محکمہ قائم کیا گیا۔ آخر ان حرکتوں کا ادبار کبھی تو آنا تھا۔

پیچھے مڑ کر دیکھیں تو ایسے خودکش حملے آج سے کئی برس پہلے، بری امام کے عرس کے موقع سے شروع ہوئے تھے۔ پھر بعد میں پختونخواہ کے مختلف علاقوں میں یہ سلسلہ چلا۔ حمزہ شنواری کے مزار پہ حملہ کیا گیا، نوشہرہ میں بہادر بابا کے مزار کو اڑا دیا گیا۔ سوات میں کئی گدی نشینوں کو قتل کیا گیا اور ان کی لاش کو چوک میں لٹکایا گیا۔

دنیا بھر میں جتنے سیاح آتے ہیں۔ وہ جمعرات کو شاہ جمال کے مزار پر پپو سائیں کا ڈھول سننے جاتے ہیں۔ کیا اب وہ بھی ختم کر دیا جائے گا۔ بی بی پاک دامن کے مزار پر عورتیں دعائیں مانگنا چھوڑ دیں گی۔ مرحوم پروفیسر اسلم، تاریخ والے بتایا کرتے تھے کہ لاہور کے ہر چوک اور ہر محلے میں ایک پیر کی قبر موجود ہے۔ جب تک یونس ادیب زندہ تھا وہ ساغر صدیقی کا عرس کیا کرتا تھا۔ اس زمانے کا ایک مشہور بدمعاش (اس زمانے میں چند ہی بدمعاش ہوتے تھے) وہ عرس کے موقع پر دیگیں دیسی گھی میں پکوا کر لایا کرتا

تھا۔ آج بھی آپ میانی صاحب کے قبرستان میں چلے جائیں جگہ جگہ درگاہیں بنی ملیں گی اور چڑھاوے جس میں چادریں اور دیگیں دونوں شامل ہیں وافر مقدار میں نظر آئیں گی۔ وہ لوگ جن کے پاس پیسہ ہے وہ ان غریب غرباء کو دے دیا کریں جو کہ بچوں سمیت خودکشی کرنے پہ مجبور ہوتے ہیں تو یہ نوبت نہ آئے۔ میں نے تو شاہ لطیف کے مزار پہ بیٹھے مرید کو سو روپے رشوت دے کر، آگے بڑھ کر چادر چڑھانے والی عورتیں بھی دیکھیں ہیں۔ بھنگ پی کر دوشالے لئے ہوئے فقیر بھی دیکھے ہیں کہ انہوں نے شاہ حسین کے مزار کے گرد ہالہ کیا ہوا ہوتا ہے۔ یہی حال میں نے بہاء الدین زکریا کے مزار پر دیکھا ہے اور بلھے شاہ کے مزار پر بھی دیکھا ہے ہر چند اس کو آپ ضعیف الاعتقادی بھی کہہ سکتے ہیں مگر اس کا مطلب یہ تو نہیں کہ لوگوں کو بے دردی سے مار دیا جائے...... داتا کی نگری کو اجاڑنا کسی طور پر بھی درست نہیں ہے۔

(روزنامہ جنگ ۸/جولائی ۲۰۱۰ء)



ناقصاں راپیرِ کامل

مطلوب وڑائچ

حضرت سیّد ابوالحسن علی بن عثمان ہجویری المعروف داتا گنج بخشؒ 1030ء میں لاہور تشریف لائے۔ آپ کے ہاتھوں پہلا حلقہ بگوش اسلام ہونے والا ہندو رائے راجو تھا۔ اس وقت وہ نہ صرف لاہور کا منتظم بلکہ سنیاسی اور جوگی ہونے کے ساتھ ساتھ علم نجوم، ریاضی اور جادو کا بھی ماہر تھا۔ وہ بارعب شخصیت کا مالک تھا۔ علاقے کی خواتین اس کے سامنے دودھ کا چڑھاوا چڑھایا کرتی تھیں۔ حضرت علی بن عثمان رحمۃ اللہ علیہ نے ایک روز ایک ہندو عورت کو کہا کہ وہ آج دودھ ان کو فروخت کر دے۔ خاتون نے پہلے تو لیت و لعل سے کام لیا بالآخر دودھ داتا صاحب کے حضور پیش کر دیا۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے تھوڑا سا پیا باقی دربار میں بہا دیا۔ یہ عورت گھر گئی تو شام کو گائے نے پہلے سے کہیں زیادہ دودھ دیا۔ اس کی دیکھا دیکھی باقی لوگ بھی داتا صاحب کے پاس دودھ لانے لگے۔ راجو کو پتہ چلا تو بھاگا چلا آیا اور کہا آپ نے ہمارا دودھ بند کرا دیا۔ اب کوئی اور کمال دکھاؤ۔ جواب تھا ”میں اللہ کا بندہ ہوں کوئی شعبہ باز نہیں تم میں کوئی کمال ہے تو دکھاؤ۔“ اس پر راجو نے ہوا میں اڑنا شروع کر دیا۔ داتا صاحب نے جوتے اس کی طرف پھینکے جو راجو کے سر پر برسنے لگے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ راجو نے آپ کے ہاتھ پر اسلام قبول کر لیا۔ سیّد علی بن عثمان ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے راجو کو ”شیخ ہندی“ کا لقب عطا فرمایا۔

آپ رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر حضرت بابا فرید الدین گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ نے اعتکاف فرمایا اور چلہ کشی بھی کی۔ حضرت خواجہ معین الدین اجمیری رحمۃ اللہ علیہ نے آپ

کے مزار پر چلہ کشی کی اور روانگی کے وقت آپ کی زبان پر یہ شعر تھا:

گنج بخش فیضِ عالم مظہرِ نورِ خدا
ناقصاں را پیرِ کامل کاملاں را رہنما

حضرت داتا گنج بخشؒ کی زندگی میں ہی غریب اور نادار لوگوں کے لئے لنگر کا اہتمام ہوتا تھا، آپ کے وصال 1079ء کے بعد سے لنگر کا سلسلہ جاری ہے۔ آپ کا مزار بلاتخصیص و امتیاز مرجع خلائق ہے۔ جہاں بادشاہ اور گدا سب حاضری دیتے رہے ہیں۔ آٹھ سو سال میں لاہور پر انگریزوں اور سکھوں کی بھی حکمرانی رہی لیکن کسی دور میں بھی لنگر کا سلسلہ بند ہوا نہ کسی نے میلی آنکھ سے اس دربار کی طرف دیکھا۔ بعض اوقات تو غیر مسلم بھی یہاں حاضری دیتے دکھائی دیتے ہیں۔ سکھوں کے دورِ حکومت میں مساجد کی بے حرمتی کی گئی ان میں گھوڑے تک باندھے گئے۔ مسلمانوں کے لئے ابتلا کے اس دور میں بھی داتاؒ دربار کی حرمت اور جاہ و حشم برقرار رہا۔

یکم جولائی 2010ء بروز جمعرات جب داتاؒ دربار میں عقیدت مند اپنی عقیدتوں کے پھول نچھاور کرنے جوق در جوق حسبِ سابق آئے ہوئے تھے۔ غیر ملکی طاقتوں کے ہاتھوں میں کھیلنے والے کچھ بدبختوں نے دہشت گردی کا بازار گرم کر دیا۔ جس میں جہاں پچاس کے قریب معصوم جانیں گئیں اور 200 سے زائد افراد زخمی ہوئے وہیں مزار کا تقدس بھی پامال ہوا۔ پاکستان میں ایسے لوگ موجود ہیں جو دشمن کے ایجنڈے کو عملی جامہ پہنانے میں اس کے ایجنٹ کا کردار ادا کر رہے ہیں۔ یہ وہی لوگ ہیں جو سوات اور وزیرستان میں بھی مزاروں کی بے حرمتی کر چکے ہیں۔ سوات میں تو ان دہشت گردوں نے بزرگوں کی نعشیں قبروں سے نکال کر درختوں سے لٹکا دی تھیں۔ دشمن کے ایسے ایجنٹوں کی تعداد آٹے میں نمک کے برابر ہے۔ پاکستان میں نہ صرف ہندو کے ایجنٹ بلکہ خود ہندو بھی مسلمانوں کے بھیس میں پاکستان کی تباہی و بربادی کی کارروائیوں میں شامل ہیں۔ قبائلی علاقوں میں ان کی ملنے والی لاشیں ہندوؤں کے براہِ راست پاکستان

کے خلاف سرگرم ہونے کا ثبوت ہیں۔

ایک مسلمان بھوک اور پیاس برداشت کر سکتا ہے۔ لگژری لائف چھوڑ سکتا ہے۔ اپنے مذہب کی بے حرمتی، بے توقیری اور تضحیک برداشت نہیں کر سکتا۔ بھارت اپنے ایجنٹوں کے ذریعے مساجد اور مزاروں پر حملے کر کے کشمیر سے دنیا کی توجہ نہیں ہٹا سکتا۔ وہ پاکستان میں مذہبی فساد برپا کر کے مخصوص مقاصد حاصل کرنا چاہتا ہے۔ اسے پتہ ہونا چاہئے کہ شیشے کے گھر میں بیٹھ کر سنگ باری کی جائے تو جواب میں پتھروں کی بارش سے شیشے کے محلات تو ہماری دست برد میں ہیں۔ دشمن کا گریبان پاکستانیوں کے ہاتھوں سے دور نہیں ہے۔ دشمن کے ہاتھوں میں کھیلنے والوں کو بھی علم ہونا چاہئے کہ وہ انسانوں کے قانون کو دھوکہ دے سکتے ہیں مکافاتِ عمل سے نہیں بچ سکتے۔ خودکش حملہ آوروں نے داتا دربار میں جو قیامت برپا کی۔ وہ مسلمان تو کیا کسی انسان کی کارروائی بھی نہیں ہو سکتی۔ ایسے لوگوں کا مذہب کے ساتھ دور کا بھی تعلق نہیں ہے۔ اگر کوئی مذہب کے نام پر ایسا کرتا ہے تو یقیناً گمراہ ہے اور اس سے ایسا کرانے والے صرف چند سکوں کے لالچ میں یہ سب کچھ کر رہے ہیں۔

(روزنامہ نوائے وقت ۱۰؍جولائی ۲۰۱۰ء)

۞......۞......۞

پاکستان میں فرقہ وارانہ معاشرتی خلیج پاٹنے کی ضرورت

رانا عبدالباقی

گزشتہ دنوں لاہور میں داتا کی نگری آگ وخون میں نہلا دی گئی ہے۔ داتا گنج بخش سے لیکر اجمیر شریف کی نگری تک، شاہ عبداللطیف بھٹائی سے لیکر حضرت سخی سلطان باہو اور حضرت نظام الدین اولیاء تک پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم اور ذاتِ خداوندی کی قربت کے متلاشی حیران پریشان ہیں کہ دکھی انسانیت کا دکھ درد بانٹنے والے ان اولیاء اللہ کی درگاہوں کو سامراجی ایجنٹوں نے کیونکر نشانہ بنانے کی جسارت کی ہے۔ صد افسوس کہ ایک طرف تو عوام الناس ملک میں دہشت گردی کی بڑھتی ہوئی پیچیدہ صورتحال سے سخت نالاں اور پریشان ہیں۔ دہشت گرد اور قاتل کھلے پھر رہے ہیں اور بے یقینی کا یہ عالم ہے کہ گھر سے اپنے پیاروں کے لئے روزی کی تلاش میں نکلنے کے بعد کوئی نہیں جانتا کہ کس نے لوٹ کر گھر واپس آنا ہے اور کس نے اپنی جان اور رمال اسی تگ ودو میں لٹا دینی ہے جبکہ عوام کے ٹیکس کی کمائی پر محفوظ محلوں میں رہنے والے حکمران دہشت گردی کی اصل وجوہات کا تعین کرنے اور عوام الناس کی جان و مال کی قربانیوں کا لحاظ و تکریم کرنے اور دہشت گردوں کے خلاف سنجیدہ اور متحدہ جدوجہد کا عزم کرنے کی بجائے نہ صرف ایک دوسرے کے خلاف سیاسی موشگافیوں میں مصروف نظر آتے بلکہ ذمہ داریوں کا بوجھ شٹل کاک کی طرح ایک دوسرے پر پھینکنے میں مصروف ہیں۔

حسب سابق، گورنر پنجاب نے ذُو معنی بات کہتے ہوئے اِس واردات کی ذمہ داری پنجاب حکومت پر عائد کرنے کی کوشش کی ہے جبکہ میڈیا اطلاعات کے مطابق

وفاق کے وزیر قانون بابر اعوان نے پنجاب میں وکلاء تنظیموں میں رقومات تقسیم کرتے ہوئے یہ کہنے سے بھی گریز نہیں کیا کہ یہ نقلی شیر کہاں چھپا ہوا ہے، لاہور بغداد بن گیا ہے اور پنجاب کا لیڈر دہشت گردی کے ہاتھوں مارے جانے والوں کی لاشیں چھوڑ کر لندن جا رہا ہے جبکہ وفاقی وزیر داخلہ پنجاب میں دہشت گردی کے واقعات کو پنجابی طالبان کہنے سے بھی گریز نہیں کرتے ہیں۔ یہ ایک ایسی ہی صورتحال ہے جس میں ایم کیو ایم کے الطاف حسین کو کہنا پڑا کے شہری اپنی حفاظت کے انتظامات خود کریں جس کا بظاہر مطلب یہی نکلتا ہے کہ حکومت شہریوں کی جان و مال کا تحفظ کرنے میں ناکام ہو گئی ہے۔ البتہ مسلم لیگ (ن) کے قائد میاں نواز شریف کی جانب سے ایک اچھی تجویز سامنے آئی ہے جس میں دہشت گردی کا مقابلہ کرنے کے لئے قومی کانفرنس بلانے کا اعلان کیا گیا ہے۔

دہشت گردی کے عفریت سے مقابلہ کرنے کے لئے سر جوڑ کر بیٹھنے اور مسائل کا حل ڈھونڈنے کے لئے یہ اعلان بہت پہلے وفاق کی جانب سے آنا چاہئے تھا، بہرحال وزیر اعظم پاکستان نے میاں صاحب کی تجویز سے اتفاق کرتے ہوئے وفاق کی جانب سے یہ کانفرنس بلانے کا عندیہ دیا ہے جو ایک خوش آئند بات ہے۔ لہٰذا اس قومی کانفرنس کو محض لفظی گفت و شنید تک محدود کرنے کی بجائے دہشت گردی کی اصل وجوہات کا تعین کرتے ہوئے قومی یکجہتی سے مسائل کو حل کرنے کی سنجیدہ کوششیں کرنی چاہئیں۔ دریں اثناء، ریاستی اہلکاروں کی جانب سے محض کسی بھی دہشت گرد کو کسی مخصوص علاقے سے منسوب کرنا اپنی ناکامیوں پر پردہ ڈالنے کے مترادف ہی ہے کیونکہ دہشت گرد کو بھرتی کہیں اور کیا جاتا ہے۔ اُسے تربیت کہیں اور دی جاتی ہے اور لانچ کہیں اور کیا جاتا ہے اور اِس کا بہتر توڑ انسداد دہشت گردی اصولوں پر قائم رہتے ہوئے زیادہ مؤثر انداز میں کیا جا سکتا ہے۔

چنانچہ، ملک میں انسداد دہشت گردی کے اصولوں کو پس پشت ڈالتے ہوئے

کاؤنٹر یا جوابی دہشت گردی کی جس راہ کو اپنانے کی کوشش کی جا رہی ہے جس میں ملکی اداروں کو دہشت گرد تنظیموں میں ایجنٹ داخل کر کے آپریشنل انٹیلی جنس کو اہمیت دیئے جانے کی بجائے بدلے ہوئے ناموں سے بلیک واٹر جیسی بیرونی ایجنسیوں کو سہولتیں مہیا کرنا ہمارے مسائل کا حل نہیں ہے۔

عوام الناس کو اس اَمر سے کوئی دلچسپی نہیں ہے کہ یہ افغانی طالبان ہیں، پنجابی طالبان ہیں، بھارتی طالبان ہیں یا بلیک واٹر کے طالبان ہیں، وہ تو صرف یہ جاننا چاہتے ہیں کہ قومی خزانے سے اربوں کی رقومات خرچ کرنے کے باوجود ریاست مقامی ایجنسیوں کو اہمیت دینے اور عوام کا تحفظ یقینی بنانے میں کیوں ناکام ہے؟

یہ درست ہے کہ نائن الیون سے قبل ہی ملک 1980ء کی دہائی سے ہی فرقہ وارانہ دہشت گردی کا شکار ہے۔ ایران میں آیت اللہ خمینی کی قیادت میں اسلامی انقلاب اور ابتدائی دنوں میں پُر جوش انقلابیوں کی جانب سے ایرانی انقلاب کو ہمسایہ ممالک تک پھیلانے کی خواہشات کے پیش نظر مشرق وسطیٰ اور بالخصوص خلیج کے ممالک میں جو غلط فہمیاں پیدا ہوئیں، امریکی اداروں نے ایرانی انقلاب سے ابتدائی کشمکش کے فوراً بعد مشرق وسطیٰ میں تیل کے مفادات کے پیش نظر ان اختلافات کو عرب دنیا اور ایران کے درمیان غلط فہمیوں کا ڈول ڈال کر مزید آگے بڑھانے کی کوشش کی۔

حج کے موقع پر مکہ اور مدینہ میں پُر جوش ایرانی حاجیوں کی جانب سے جلسے جلوسوں کا انعقاد اور سعودی انتظامیہ کے سخت ایکشن کے باعث پیدا ہونے والے شیعہ سنّی اختلاف نے بالآخر، فرقہ وارانہ شدت پسندی کی شکل اختیار کی اور اختلافات کی یہ خلیج ہمسایہ ممالک بشمول پاکستان کی آبادیوں میں بھی منتقل ہوگئی۔

گو کہ کچھ عرصہ کے بعد سعودی عرب اور ایران کے درمیان اچھائی کے خیالات عود کر آئے اور اختلافات کسی حد تک ختم ہوگئے لہٰذا، فرقہ وارانہ دہشت گردی میں بھی کمی کا

عنصر دیکھنے میں آیا لیکن خطے کے بدلتے ہوئے تناظر میں دہشت گردوں کو جب دیگر بیرونی قوتوں اور طالبان کی جانب سے نئے آقاؤں کی سرپرستی حاصل ہوئی تو فرقہ وارانہ دہشت گردی میں ایک مرتبہ پھر سے اضافے کا عنصر دیکھنے میں آیا ہے۔ دہشت گردی کی ان بے پایاں وارداتوں میں انسانی خون کی ارزانی اور بے توقیری کو دیکھتے ہوئے، سول سوسائٹی ریاستی ارباب اختیار سے شاکی ہے کہ ملک میں دہشت گردی کا زور توڑنے کے لئے انسداد دہشت گردی کے مسلمہ اصولوں کو خیر باد کہتے ہوئے بظاہر مغرب کی ڈکٹیشن پر ملک میں انسداد دہشت گردی کی بجائے ڈرون حملوں اور بدلے ہوئے ناموں سے بلیک واٹر اور بھارتی حمایت یافتہ تنظیموں کے ذریعے جوابی قتل و غارت گری کا جو بازار گرم کیا گیا ہے، کے باعث دہشت گردی میں کمی آنے کی بجائے انتہائی شدت پسندی کا عنصر دیکھنے میں آیا ہے۔ حکومت اس لئے بھی دہشت گردی پر موثر کنٹرول کرنے میں ناکام نظر آتی ہے کیونکہ جوابی دہشت گردی میں گناہ گاروں کے ساتھ بے گناہوں کی ہلاکتیں دہشت گردوں کے لئے نئے ریکروٹس کی نرسریاں بن کر رہ گئی ہیں۔

چنانچہ دہشت گردی کا زور خواص کی بجائے اب بیرونی عزائم کے حصول کے لئے قومی یکجہتی کو تہس نہس کرنے کے لئے عوامی قتل عام کی جانب مبذول ہوتا جا رہا ہے جبکہ ارباب اختیار سنجیدگی سے اس قومی زبوں حالی کا توڑ کرنے کی بجائے بازاری انداز میں ایک دوسرے کی پھبتیاں اڑانے میں مصروف ہیں۔

مندرجہ بالا تناظر میں بھارت امریکہ کا دفاعی اتحادی ہونے کے ناطے موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے پاکستان کو اندرونی طور پر کمزور کرنے پر تلا ہوا ہے۔ ہمیں اس امر کو کبھی نہیں بھلانا چاہئے کہ بھارت جنوبی ایشیا میں اکھنڈ بھارت کے فلسفے پر آج بھی قائم و دائم ہے اور بھارتی اداروں کے تقسیم ہندوستان سے قبل سے ہی پاکستان میں علیحدگی پسند عناصر اور چند مذہبی گروپوں سے گہرے مراسم تھے۔

سی آئی اے سے قربتیں رکھنے والے ایک اہم امریکی صحافی اور تجزیہ نگار اسٹیو کول،

2004ء میں نیویارک، ٹورنٹو، لندن اور نئی دہلی سے پینگوئن سیریز میں بیک وقت شائع ہونے والی کتاب ''گھوسٹ وارز'' میں یہ بات زور دے کر کہہ چکے ہیں کہ امریکہ کو احمد شاہ مسعود کی موت سے قبل نوے کی دہائی میں ہی افغانستان کے حوالے سے بھارت کے ساتھ موثر سیاسی پارٹنر شپ کو ممکن بنانا چاہئے تھا چونکہ خطے میں بھارت کے علاقائی مفادات، سکیورٹی وسائل اور بڑی مسلمان آبادی افغانستان میں خفیہ مداخلت کے لئے بہترین اثاثہ ہے۔

اسی منظر نامے میں ملک میں فرقہ وارانہ دہشت گردی کا پھر سے احیاء، مسلمانوں کا مسلمانوں کے خلاف استعمال کیا جانا اور دہشت گردوں کا اولیاء اللہ کے درباروں اور مساجد تک پہنچنا قومی یکجہتی کو غیر معمولی نقصان پہنچانے کے مترادف ہے۔ دیکھا جائے تو مغربی ممالک عرصہ دراز سے اسلامی ملکوں میں ''تقسیم کرو اور حکمرانی کرو'' کے اصول پر عمل پیرا ہیں۔ عراق میں فرقہ وارانہ دہشت گردی کو جس بہیمانہ انداز میں قتل و غارت گری کا بازار گرم کرنے کی کھلی چھٹی دی گئی اُس کی مثال نہیں ملتی۔

وفاقی وزیر بابر اعوان دہشت گردی کے عفریت پر قابو پانے میں ناکامی پر لاہور کو بغداد سے تشبیہہ دیتے ہوئے نہیں شرماتے۔ اُنہیں لاہور دہشت گردی کے حوالے سے اٹکھیلیاں کرنے سے پہلے مشہور امریکی صحافی، گوینی ڈائر'' کی کتاب The Mess They Made میں بغداد کی فرقہ وارانہ دہشت گردی کے حوالے سے جو کچھ کہا گیا ہے اور جسے راقم ملک کی موجودہ صورتحال کے سبب قابلِ اشاعت نہیں سمجھتا، بہتر ہے کہ وہ اس کتاب میں دی گئی المناک روداد کو تفصیل سے پڑھ لیں تو پھر شاید وہ آئندہ ایسی بے معنی سیاسی موشگافیوں سے گریز کریں گے جس کا اظہار وہ تواتر سے پنجاب میں وکلاء کو رقومات تقسیم کرتے ہوئے کر رہے ہیں؟ حقیقت یہی ہے کہ ہمیں ہر نوعیت کے فرقہ وارانہ تعصب سے ہٹ کر ملک میں فرقہ وارانہ خلیج کو صدق دل سے پاٹنے کی ضرورت ہے۔

(روزنامہ نوائے وقت ۱۰ جولائی ۲۰۱۰ء)

لاشوں پر اقتدار

عارفہ صبح خان

بچپن میں غالباً ڈائجسٹ میں یہ سنگین نما لطیفہ پڑھا کہ ہنگری میں ظلم ناانصافی بے رحمی انتقام اور کرپشن کا یہ عالم ہے کہ ایک دن دو دوست شراب کے نشے میں دُھت ریسٹورنٹ میں داخل ہوئے۔ اچانک ایک کی نظر چند میزیں چھوڑ کر ایک میز پر پڑی۔ اُس نے اپنے دوست سے کہا کہ یار وہ جو سامنے چار آدمی بیٹھے ہیں۔ اُن میں سے پرسوں ایک سے میرا پھڈا ہو گیا تھا۔ دوست نے پوچھا چار میں سے کون سا والا۔ پہلے نے اشارے سے کہا کہ وہ جو ادھر بیٹھا ہے دوستوں کے ساتھ...... شرابی دوست نے کہا کہ مجھے پتہ نہیں چل رہا کہ کونسا والا، پہلے دوست نے ریوالور نکالا اور تین آدمیوں کو گولی مار کر بولا کہ یہ جو باقی بچا ہے۔ اس کمینے سے میری لڑائی ہوئی تھی۔ دوسرا دوست بولا کہ اچھا تو یہ ہے تمہارا دشمن...... ارے اسے کیوں چھوڑ دیا۔ ایک گولی اسے بھی ٹھونک دو۔ پہلے دوست نے ریوالور کا ٹریگر دبایا مگر گولی دشمن کو لگنے کے بجائے کسی دوسرے کو لگ گئی کیونکہ دشمن اتنی دیر میں بھاگ گیا۔ پہلے نے افسوس سے کہا کہ ہائے میرا نشانہ چُوک گیا۔ دوسرے نے جواب دیا کہ یار شکر کرو کہ گولی تو ضائع نہیں گئی۔'' کافی دن اس واقعہ کو جھٹلانے کے باوجود ایک یاسیت سی طاری رہی لیکن آج عالمِ شعور میں یہ سنگین وارداتیں اپنے ملک میں ہر روز ہوتے دیکھتے ہیں تو سوچتی ہوں کہ کیا واقعی ہم ایک اسلامی فلاحی جمہوری سیاسی مملکت میں رہ رہے ہیں جہاں ہر روز انسان حشرات الارض کی طرح مر رہے ہیں۔ کبھی خودکش بم دھماکوں سے تو کبھی خودکشیوں سے کبھی نفرت و انتقام کی آگ میں قتل و غارت سے۔ پاکستان میں دہشت گردی کے خاتمے کے نام پر

بھی ہر روز بے گناہ شہری دیہاتی قبائلی مارے جاتے ہیں۔ ڈرون حملوں، خودکش بم دھماکوں میں ہر ماہ کئی سو افراد لقمۂ اجل بن رہے ہیں۔ اس تناسب سے پاکستان میں بے وقت اور غیر طبعی اموات کی تعداد سالانہ 18 ہزار سے 21 ہزار تک جا پہنچی ہے۔

داتاؒ دربار جو دنیا بھر میں بڑے اور معروف مزارات میں سے ایک ہے اور جس کے متعلق مشہور ہے کہ داتا کی نگری میں کوئی بھوکا نہیں سوتا اور داتاؒ دربار کی وجہ سے لاہور سرسبز زرخیز اور خوشحال ہے۔ اُس داتاؒ دربار پر خودکش حملہ جہاں انسانیت سوز واقعہ ہے وہاں حکومت کی ناکامی کا اعلامیہ بھی ہے۔ اگر مزارات بھی محفوظ نہیں تو یاد رکھئے کہ کوئی گھر بھی محفوظ نہیں۔ داتاؒ دربار میں خودکش حملوں اور شہادت پانے والوں کا داغ نہ مٹنے والا ہے جس نے اہلِ لاہور کا دل پاش پاش کر دیا ہے۔ صوبہ پنجاب میں دہشت گردی کی بڑھتی ہوئی فضا اور مسلسل خودکش بم دھماکوں کی وجہ سے اہلیان لاہور کی زندہ دلی مایوسی کرب اور سوگواری میں بدل گئی۔

جس جگہ ملک کو گروی رکھ دیا جائے، آزادی کو صلیب پر لٹکا دیا جائے اور امور مملکت ڈکٹیشن پر چلتے ہوں وہاں صرف کٹھ پتلیاں جنم لیتی ہیں۔ جہاں لاشوں پر اقتدار کا کھیل کھیلا جاتا ہو...... وہاں کبھی بھی کوئی بھی ایک جیتے جاگتے انسان سے لاش بن سکتا ہے۔ لاشوں پر اقتدار چھوڑیئے کیونکہ اقتدار سے بھی زیادہ بے وفا زندگی ہوتی ہے جو کبھی بھی، کہیں بھی، کسی کو بھی انسان سے لاش بنا سکتی ہے۔ طاقت اختیار اور اقتدار اصل میں انسان کا امتحان ہوتا ہے۔ کاش! ہمارے حکمران جان سکتے کہ لاشوں پر اقتدار کی مدت کا دورانیہ سب سے مختصر اور دلخراش ہوتا ہے۔ اکثر دیواروں اور رکشوں پر ایک رقت آمیز جملہ لکھا ہوتا ہے ''اٹھ! آج نماز پڑھ، اس سے پہلے کہ کل کوئی تیری نماز پڑھے۔'' تو اقتدار میں رہنے والے مقتدر حکمرانو...... لاشوں کی سیاست چھوڑ کر پاکستان اور پاکستانیوں کو بچاؤ...... اس سے پہلے کہ تم عبرت کا نشان بن جاؤ۔ ابھی وقت ہے جاگ جاؤ...... اور اپنے قائد کے ملک کو بچالو ورنہ تم بھی نہیں بچو گے۔

(روزنامہ نوائے وقت ۱۰ر جولائی ۲۰۱۰ء)

لاہور کی روح پر حملہ

رياض احمد چودھری

لاہور کو عموماً داتا کی نگری کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔شہر کا یہ اعزاز حضرت ابوالحسن ہجویری رحمتہ اللہ علیہ کے مزار مبارک کی وجہ سے ہے جو دربار حضرت داتا گنج بخشؒ کے نام سے معروف ہے۔یکم جولائی (2010ء)(جمعرات) کی شب داتا دربار میں تین خودکش حملے ہوئے، جن کے باعث پوری قوم ہل کر رہ گئی۔ان دھماکوں میں 43 افراد جاں بحق ہوئے اور سو سے زیادہ زخمی ہو گئے۔داتا دربار برصغیر کے نامور صوفیائے کرام کے مزاروں میں سب سے زیادہ معروف ہے۔یہ ایک ہولناک المیہ ہے کہ ایک صوفی کے مزار کو دہشت گردی کا نشانہ بنایا گیا حالانکہ سبھی صوفی حضرات نے ہمیشہ تشدد اور ظلم و ستم کی مخالفت کی ہے۔داتا دربار پر حملہ محض ایک مزار پر حملہ نہیں بلکہ یہ تو ہماری اقدار پر حملے کے مترادف ہے۔یہ حملہ معاشرے کے متحمل طبقات کے خلاف انتہا پسندوں کی طرف سے کھلے اعلانِ جنگ کے مترادف ہے۔

گزشتہ چند برسوں سے ملک کے طول و عرض میں سکیورٹی فورسز کے ارکان پر دہشت گردانہ حملے ہوتے چلے آرہے ہیں، جن کا نشانہ کئی شہری بھی بنے ہیں۔کئی بار دہشت گردوں نے عبادت گاہوں اور مذہبی مجالس پر بھی حملے کیے ہیں۔صوفیائے کرام کے مزار بھی ایسے حملوں سے محفوظ نہیں رہے۔خیبر پختونخواہ میں رحمان بابا اور میاں عمر بابا کے مزاروں کو بھی نہیں بخشا گیا، داتا دربار بھی دہشت گردوں کا ہدف تھا، جن میں سے بیشتر وہابی کہلاتے ہیں یا سلفی مکتبِ فکر سے تعلق رکھتے ہیں، وہ صوفیاء کے مزار پر حاضری

کو غیر اسلامی سمجھتے اور اسے "شرک" یا بدعت قرار دیتے ہیں۔ صوفیائے کرام کے سبھی مزاروں پر جمعرات کو زیادہ سے زیادہ افراد (خواتین و حضرات) حاضری دیتے ہیں۔ اس وقت وہاں قوالیاں ہوتی ہیں، عقیدت مند دھمالیں ڈالتے ہیں، لنگر تقسیم ہوتا ہے اور لوگ جمعہ سے قبل کی یہ رات عبادات اور ذکر الٰہی میں گزارتے ہیں۔ یہ مزارات بہت سے بے گھر افراد کے لئے پناہ گاہیں بھی ہیں۔ وزارت داخلہ نے اسی ہفتے کے دوران صوبائی حکام کو مطلع کیا تھا کہ لاہور میں کسی مزار پر دہشت گردانہ حملہ ہوسکتا ہے۔ کیا شہر کی سب سے بڑی اور معروف ترین درگاہ پر ممکنہ حملے کی اطلاع حفاظتی انتظامات کو مضبوط تر اور بہتر بنانے کے لئے کافی نہیں تھی تو کہا جاسکتا ہے کہ صوبائی حکومت کو اس کس چیز کی ضرورت تھی۔

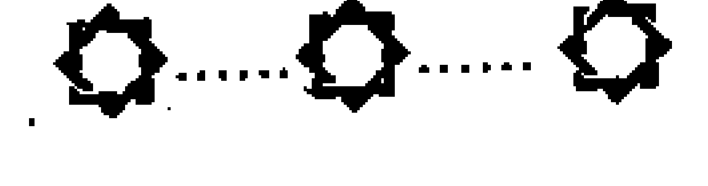
داتا دربار پر حملے کے بعد پورے ملک میں احتجاج کیا گیا۔ مذہبی علماء نے وزیر اعلیٰ پنجاب شہباز شریف، صوبائی وزیر قانون رانا ثناء اللہ اور دیگر سرکاری افسروں کے استعفے کا مطالبہ کیا۔ پنجاب حکومت کو بھی "پنجابی طالبان" کے معاملے میں شتر مرغ کا سا رویہ اختیار نہیں کرنا چاہئے۔ اب محض تردید کرتے رہنے کا وقت گزر چکا ہے۔ وقت آ گیا ہے کہ پنجاب حکومت تمام عسکری تنظیموں کے خلاف سخت اقدامات کرے۔

کوئی پاکستانی خاص کر لاہوریئے اپنے محترم بزرگوں کے مزاروں پر اس نوع کے حملے ہرگز ہرگز برداشت نہیں کریں گے۔ غالباً یہی وجہ ہے کہ تحریک طالبان پاکستان نے داتا دربار پر حملے میں ملوث ہونے کی تردید کی ہے۔ ہاں! اگر تحریک طالبان اس حملے میں براہِ راست ملوث نہیں تو بھی اس بات کا امکان مسترد نہیں کیا جاسکتا کہ تحریک طالبان پاکستان کا ہی کوئی گروپ اس ظالمانہ حملے کے پیچھے ہے یا یہ کسی اور دہشت گردانہ خیالات رکھنے والے گروپ کی کارستانی ہو۔

لاہور سے تعلق رکھنے والے ایک سولہ سالہ نوعمر لڑکے عثمان کی بطور دہشت گرد شناخت کی گئی ہے۔ یہ تصوف اور برصغیر کے صوفیاء کرام کے خلاف کتنی بڑی ناانصافی ہے

کہ داتا کی نگری کا ایک شہری اس نظریہ کا شکار ہو گیا جس پر صوفیائے کرام اظہار نفرت کرتے رہے ہیں۔ صوفی حضرات کا تو پیغام ہی محبت، تحمل و برداشت، میل ملاپ، قبولیت، مادی دنیا سے اظہار لاتعلقی اور عالمگیر اخوت کا ہے۔ صوفیائے کرام امن و تحمل اور برداشت کا نمونہ ہوتے ہیں اور ان کا شاندار پیغام تو مذہبی اختلاف سے بالاتر ہوتا ہے۔ عظیم صوفی شاعر رومی رحمۃ اللہ علیہ کے الفاظ میں ''پیار محبت تو دوسرے مرفوع کے جذبات سے الگ ہوتا ہے، پیار کرنے والے تو کسی قوم یا کسی فرقے پر یقین رکھتے ہیں نہ کسی کے تابع فرمان ہوتے ہیں۔''

(روزنامہ پاکستان ۱۰/جولائی ۲۰۱۰ء)



سانحہ داتاؒ دربار کی ذمہ داری؟

غلام جیلانی خان

خبر ہے کہ وزیراعلیٰ پنجاب نے سانحہ داتاؒ دربار کی ذمہ داری کا تعین کرنے کے لئے جو انکوائری ٹیم مقرر کی تھی، اس نے اپنی تحقیقاتی رپورٹ مکمل کر لی ہے اور اسے وزیراعلیٰ میاں شہباز شریف کو پیش بھی کر دیا ہے۔ یہ رپورٹ 170 صفحات پر مشتمل ہے اور اس میں پولیس کے کردار کے بارے میں پورے 30 صفحات لکھے گئے ہیں اور ثابت کیا گیا ہے کہ اس سانحہ کی ذمہ دار پنجاب پولیس ہے۔

یہ انکشاف (Findings) اس اعتبار سے اہم ہے کہ جس ادارے کو ذمہ دار ٹھہرایا گیا ہے، انکوائری ٹیم کے دونوں اراکین (ایڈیشنل آئی جی اور کمانڈنٹ پنجاب کانسٹیبلری) کا تعلق بھی پولیس سے ہے۔ ہمیں ان دونوں پولیس افسروں کو خراج تحسین پیش کرنا چاہئے کہ انہوں نے بڑی دیانتداری اور غیر جانبداری کا مظاہرہ کرتے ہوئے حق گوئی اور بے باکی کا مظاہرہ کیا ہے، وگرنہ آج کے دور پُر آشوب میں ایسا گناہ تو ''گناہ کبیرہ'' کی ذیل میں شمار ہوتا ہے۔

وزیراعلیٰ پنجاب کے لئے یہ انکشاف اس حوالے سے بھی قابلِ توجہ اور افسوسناک (Painful) ہوگا کہ انہوں نے وزارت اعلیٰ کا منصب سنبھالتے ہی پہلا کام یہ کیا تھا کہ انسپکٹر جنرل پولیس پنجاب کو تبدیل کر دیا تھا اور اپنی مرضی کا پولیس سربراہ مقرر کر کے عوام کو تاثر دیا گیا تھا کہ امن و امان کی بحالی میں ان کا یہ اقدام نہایت مؤثر ثابت ہوگا۔

جہاں تک عام قسم کے جرائم کی شدت اوران کی تعداد کا تعلق ہے۔ اس کا تو مجھے اندازہ نہیں، لیکن دہشت گردی اور خودکش حملوں کے کیف وکم میں بلاشبہ اضافہ ہوا ہے۔ سانحہ داتا دربار اس کی بدترین مثال کہی جاسکتی ہے۔

رپورٹ میں واضح کیا گیا ہے کہ دربار کی سکیورٹی کا پلان جو ایک سابق ایس ایس پی (آپریشنز) کی ذمہ داری تھی، بروقت تیار نہیں کیا گیا تھا اور ہفتے کے خاص ایام میں پولیس کی زیادہ نفری دربار کے اردِگرد تعینات ہونی چاہئے تھی اور مشتبہ افراد کی چیکنگ بھی سخت تر ہونی چاہئے تھی۔ ان دونوں باتوں پر دھیان نہیں دیا گیا، حالانکہ خفیہ اداروں کی طرف سے وارننگ دی گئی تھی کہ فلاں فلاں ایام اور فلاں فلاں اوقات میں رش چونکہ معمول سے زیادہ ہوتا ہے، اس لئے سکیورٹی انتظامات بھی زیادہ سخت ہونے چاہئیں...... اگر ایسا نہیں کیا گیا تو اس کی ذمہ داری پولیس کے سوا کس پر ڈالی جانی چاہئے؟

تاہم پولیس کا مؤقف یہ ہوسکتا ہے کہ خودکش حملہ اگر جی ایچ کیو کے اندر کیا جاسکتا ہے تو داتا دربار کے باہر اس کا ارتکاب پولیس کے ذریعے کیسے روکا جاسکتا ہے؟...... دوسرے کونسی ایسی پبلک جگہ ہے جہاں سکیورٹی معرض خطر میں نہیں؟ کیا پنجاب پولیس کے پاس اتنی نفری ہے کہ وہ لاتعداد پبلک مقامات کی سکیورٹی کے ایسے انتظامات کرے جو فول پروف کہے جاتے ہیں؟...... سارا جسم اگر داغ داغ ہو تو مرہم کہاں کہاں رکھا جائے؟...... گزشتہ چند برسوں میں ہمارے سکیورٹی اداروں (فوج، رینجر، پولیس) نے اتنی قربانیاں دی ہیں کہ ان پر کسی نوع کی غفلت کوشی، سست انگاری، سہل کیشی اور پہلوتہی کا کوئی الزام لگانا سفاکی نہیں، بلکہ ظلم ہوگا...... حقیقت یہ ہے کہ داتا دربار جیسے مقامات پر خودکش حملوں کو روکا ہی نہیں جاسکتا۔

جن شقی القلب درندوں نے داتا دربار کے سانحے کی پلاننگ کی اور پھر جنہوں نے اس کی تکمیل کی، ان کے لئے مزارِ داتا نرم ترین ہدف تھا! دن ہو کہ رات، جمعرات یا جمعہ ہو نہ ہو، یہاں زائرین کا ٹھٹھ لگا رہتا ہے۔ برصغیر پاک و ہند میں سعودی عرب سے آکر

کسی سالارِ لشکر نے ہندوستان کو وہ مسلم اکثریت فراہم نہیں کی، جس کے صدقے میں اگست 1947ء میں پاکستان کی تشکیل ممکن ہوئی۔ یہ مسلم اکثریت ان اولیائے کرام کی دین ہے جو چٹا گانگ سے طورخم اور خنجراب سے گوادر تک آسودۂ خاک ہیں۔ ان مکتبِ فکر کی اعتدال پسندی اور صلح جوئی نے ہندوستان کے اصنام پرستوں کو حلقہ بگوش اسلام کیا۔ جب ان بزرگوں کا چشمۂ فیض جاری تھا تو کسے خبر تھی کہ ایک دن آئے گا جب اس چشمے سے سیراب ہونے والے دینِ متین کے دیوانے اور فرزانے بت کدۂ ہند میں ایک ایسی ریاست کی بنیاد رکھیں گے جو اپنی تہی دامنی اور رکم کوشی کے باوجود دنیا کی واحد مسلم جوہری قوت ہوگی، اس کی افواج جدید سلاحِ جنگ سے لیس ہوں گی، اس کی پبلک جدید سائنسی علوم سے آشنائی کو شعار بنائے گی اور جہاں ہزار مشکلات کے باوجود لوگوں میں زندہ رہنے اور آگے بڑھنے کا جذبہ سرد نہیں ہوگا۔

مفکرِ پاکستان، حضرت اقبال رحمۃ اللہ علیہ دو شخصیات کے شیدائی تھے۔ اہلِ لشکر انہیں اس لئے پسند تھے کہ عصا کے بغیر کارِ کلیمی بے بنیاد ہوتا ہے اور اہلِ دل اس لئے مرغوب تھے کہ کفر و شرک کے خارزاروں کو صاف کرنے کے بعد ان میں ایمان و آگہی کے گلاب بونے کے لئے خدا کے ان برگزیدہ بندوں کا وجود لازمی ٹھہرتا ہے...... اقبال رحمۃ اللہ علیہ جہاں بھی گئے، اہلِ لشکر اور اہلِ دل کے مزارات پر حاضری دی...... ہندوستان میں جاتے ہیں تو سلطان ٹیپو کے مزار پر حاضری کے ساتھ ساتھ حضرت نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ کی درگاہ پر بھی حاضری دیتے ہیں۔ افغانستان کے سفر میں جہاں بابر اور محمود غزنوی کے مزارات پر جاتے وہاں حکیم سنائی کے مزار پر بھی حاضر ہوتے ہیں۔ یورپ جاتے ہیں تو نپولین کے مزار پر جا پہنچتے ہیں اور لندن کی سرد زمستانی راتوں میں ان کی سحر خیزی تو معمول رہی۔ سارے یورپ میں اگر چہ کوئی مسلمان اہلِ دل آسودۂ خواب نہیں تھا۔ لیکن اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے اس درد اور اس محرومی کا اظہار کئی جگہ بار بار کیا۔ مثلاً اس دور کا یہ شعر دیکھئے:

اگر کوئی شے نہیں ہے پنہاں تو کیوں سراپا تلاش ہوں میں؟
نگہ کو نظارے کی تمنا ہے، دل کو سودا ہے جستجو

اور حضرت داتا گنج بخشؒ کے بارے میں تو ان کے یہ اشعار نجانے کتنی مرتبہ آپ کی نظروں سے گزرے ہوں گے، ایک بار اور سہی:

خاکِ پنجاب از دمِ او زندہ گشت
صبحِ ما از مہر او تابندہ گشت
پاسبانِ عزتِ اُمّ الکتاب
از نگاہش خانۂ باطل خراب

داتاؒ دربار کا یہ سانحہ اس اعتبار سے ہمارے لئے چشم کشا ہونا چاہئے کہ پاکستان کا تو ذرّہ ذرّہ ان جیسے بزرگانِ دین کی خوابگاہ ہے۔ یہ ادب گاہیں زیرِ آسماں عرش سے بھی نازک تر ہیں۔ یہاں سینکڑوں زائرین کو قتل اور زخمی کرنا کس مذہب اور کس فرقے میں جائز ہے۔ اس پر سنجیدگی سے غور کرنا چاہئے۔ سوال یہ بھی ہے کہ اگر پولیس کی نفری دوگناہ کر دی جاتی تو کیا اس قسم کے سانحے کو روکا جا سکتا تھا؟ اگر نہیں تو ہمیں دیکھنا چاہئے اس سفا کی کا اصل منبع کہاں ہے؟

کیا یہ لوگ ہمارے اپنے شہر میں تو کہیں ارد گرد موجود نہیں ہیں؟ اگر ہیں تو ان کی ''تخلیق'' کب ہوئی اور کیونکر ہوئی؟ یہ کس ایکشن کا ری ایکشن کہے جا سکتے ہیں؟ پولیس کی نفری بڑھانے کے علاوہ ہمیں اور کیا کیا لانگ ٹرم اور شارٹ ٹرم اقدامات اٹھانے چاہئیں کہ اس قسم کے گھناؤنے جرائم کا دوبارہ ارتکاب نہ ہو...... اس تحقیقاتی رپورٹ میں آخر میں سفارشات بھی کی گئی ہوں گی۔ ان سفارشات کی روشنی میں میاں شہباز شریف کو بہت جلد فیصلے کرنے ہوں گے۔ بڑے بڑے مزاروں اور اجتماع گاہوں کا سکیورٹی پلان منگوا کر چیک کرنا ہوگا، ان شہروں اور قصبوں کے آس پاس واقع دینی درسگاہوں اور مساجد کے آئمہ اور خطیبوں کے مسلکی رجحانات کی رپورٹ منگوانا ہوگی۔ خطبات جمعہ پر

خفیہ اداروں کی طرف سے مسلکی نزاعات کے موضوع پر تقریروں کی مانیٹرنگ کرنا ہوگی، ایسے اقدامات کی بندش کے فوری احکامات جاری کرنا ہوں گے کہ جو اس سانحہ کے کرتا دھرتاؤں کے مسلک سے براہِ راست متصادم ہیں اور جو لوگ داتا دربار کے اس سانحہ میں ملوث پائے جائیں، ان کے "آقاؤں" کے ساتھ بھی وہی سلوک کیا جانا چاہیے جو سانحے میں شہید ہو جانے والوں کے ساتھ ہوا ہے۔

(روزنامہ پاکستان ۱۵ر جولائی ۲۰۱۰ء)

کوئی مسلمان داتاؒ دربار پر حملہ نہیں کرسکتا؟

افضال ریحان

احباب پوچھتے ہیں کہ ویسے تو آپ صوفی ازم کے بڑے پرچارک بنتے ہیں، لیکن حضرت داتا گنج بخشؒ کے دربار میں اتنا بڑا سانحہ ہوا ہے تو اس پر آپ کا قلم کیوں خاموش ہے؟ اس پر کبھی تو عدیم الفرصتی کو جواز بناتا ہوں تو کبھی اپنی قنوطیت کا بہانہ تراشتا ہوں، لیکن سچ تو یہ ہے کہ اپنی قوم کی فکری اپروچ سے خاصا شاکی و غیر مطمئن بلکہ دکھی ہوں۔ قوم کی جن بنیادوں پر تربیت کی جا رہی ہے، ان پر غور کرتا ہوں تو جی کڑھتا ہے، تعلیم و تربیت صرف وہ نہیں ہے جو مدرسوں، سکولوں یا کالجوں میں دی جا رہی ہے، بلکہ جو کچھ ہماری مساجد سے بنایا اور سکھایا جاتا ہے، ہمارے اخبارات میں پڑھایا جاتا ہے اور ہمارے چینلز پر سنایا و دکھایا جاتا ہے، اگر سب کچھ نہیں تو بہت کچھ اذیت ناک اور نفرت انگیز ہے۔ جب تک یہ حوزہ ہائے ''علمی'' جوں کے توں قائم و دائم ہیں، امریکہ دہشت گردی و انتہا پسندی کو ہمارے معاشرے سے ختم نہیں کرسکتا۔ بظاہر یہ اچھا جواز ہے کہ سکیورٹی کا مناسب بندوبست نہیں تھا اس لئے خودکش حملے ہو گئے، لیکن آپ سکیورٹی کا بندوبست کہاں کہاں کریں گے؟ اگر آپ داتا صاحب کے لئے سکیورٹی کا بندوبست کریں گے تو حضرت مادھولعل حسین رحمۃ اللہ علیہ کے دربار پر حملہ ہوسکتا ہے، وہاں کریں گے تو بابا بلھے شاہ رحمۃ اللہ علیہ اور بابا فرید شکر گنج کے مزارات پر کل کلاں ایسے سانحات ہو سکتے ہیں۔ مزاروں کو بچالیں گے تو مساجد ہیں، مساجد کو بچالیں گے تو امام بارگاہیں ہیں،

پھر چرچ ہیں، ان سے ہٹیں گے تو سینما اور تھیٹر ہیں، بارونق مارکیٹیں اور سیر گاہیں ہیں، دیگر قومی ادارے ہیں۔

......تو آپ اصل سوال کی طرف کیوں نہیں آتے ہیں کہ نفرت انگیز جنونیت سے کیونکر بچا جاسکتا ہے؟ ہماری سیاسی قیادت، ہمارے مذہبی گروہ بشمول علماء اور ہمارا طاقتور میڈیا سب پورے زور و شور سے قوم کو گمراہ کرنے پر کیوں تلے بیٹھے ہیں؟ یہاں کوئی سچ بیان کرنا چاہتا ہے نہ سننا۔ ہمارے ایک پڑھے لکھے دوست ہیں، کنگ ایڈورڈ میڈیکل کالج سے ڈاکٹر بنے ہیں، ماشاءاللہ آدھی سے زیادہ دنیا دیکھ چکے ہیں، لیکن مجال ہے کہ مذہبی سوچ کے حوالے سے ان کی اولین فکر میں کسی نوع کی کوئی آمیزش ہوئی ہو، راسخ العقیدہ مسلمان ہیں اور اپنے سوا ہر ازم اور نظریے کو گمراہی قرار دیتے ہوئے لعنت بھیجتے ہیں۔ ہم نے ان سے پوچھا کہ حضرت! داتا گنج بخشؒ کے دربار میں جو خودکش حملے ہوئے ہیں، آپ کے خیال میں یہ کس نے کروائے ہیں؟ سو فیصد ایمانی جذبے اور چشم دید ایقان کے ساتھ بولے: ''بھارت نے اور کس نے، بلکہ اس کے ساتھ امریکہ اور اسرائیل بھی پوری طرح شریک ہیں۔'' وہ اس تیقن کے ساتھ اظہارِ خیال فرما رہے تھے کہ گویا یہ سب کچھ ان کی آنکھوں کے سامنے ہوا ہے اور اس میں شک کرنے والا جاہل مطلق ہے۔ جب ہم نے سوال کیا کہ آپ کے خیال میں احمدیوں کی عبادت گاہوں میں ہونے والے خودکش حملے کس نے کیے تھے؟ تو اسی اعتماد اور یقین سے بولے: ''وہ تو قادیانیوں نے خود کروائے تھے کہ اپنی مظلومیت کا ڈھنڈورا پیٹ کر اپنے اوپر عائد ہونے والی پابندیاں ہٹوا سکیں۔''

ہمارا الجھاؤ یہ ہے کہ جب اس نوع کی منافرتیں ہماری سوسائٹی میں اوپر سے لے کر انتہائی نچلی سطح تک پوری مضبوطی سے قائم و دائم ہوں اور ہمارا میڈیا اسے مزید بڑھاوا یا ڈھارس دے رہا ہو تو پھر اصلیت تک کیسے پہنچا جاسکتا ہے؟ کیا امریکیوں نے یہ حماقت نہیں کی کہ اپنے وسائل کو سلگتی آگ میں جھونک دیا ہے۔ مسلمانوں کے تو آپس کے

جھگڑے، باہمی رقابتیں اور اندرونی مذہبی منافرتیں اتنی شدید تھیں کہ انہیں کسی بیرونی و خارجی دشمن کی ضرورت ہی نہیں تھی۔ امریکیوں نے تو بیچ میں کود کر انہیں ہنگامی طور پر ہی سہی، ایک نوع کا ایکا دیا ہے۔ آج اگر وہ اپنا بوریا بستر اٹھا کر کوچ کر جائے تو اگلے روز ہم نئی جہادی جہتوں کو پھوٹتا دیکھ لیں گے۔ تہران میں اسلامی انقلاب کے طلوع ہونے پر پوری دہائی پر محیط ایران عراق جنگ میں کتنے لاکھ مسلمان ہر دو اطراف سے لقمۂ اجل بنے؟ ذرا کوئی ان کے اعداد و شمار تو نکالے، پھر بھی کسر رہ جائے تو افغانستان کے اس جہاد اکبر کی فتوحات پر نظر ڈالیں جو طالبان اور شمالی اتحاد میں برسوں جاری و ساری رہا۔

ہم پوچھتے ہیں کہ ہمارے مقدس دین میں خلافت و امامت کے مقدس پیروکاران کی جہادی لڑائیاں کیا آج شروع ہوئی ہیں؟ کیا ہماری پوری تاریخ آگ اور خون سے لبریز نہیں ہے؟ 1979ء کے ایرانی انقلاب کے فوری بعد آیت اللہ خمینی نے پوپ جان پال کو ایک بھرپور خط لکھا تھا، اس میں انہوں نے اپنے شیعہ مذہب کی فخریہ پہچان تاریخی طور پر خون ریزی اور خون بہانے کے حوالے سے کروائی تھی اور اصرار کیا تھا کہ ہم جنگوں یا لڑنے مرنے سے نہیں ڈرتے۔ اسلامی تاریخ کے کسی بھی طالب علم کو یہ معلوم ہونا چاہئے کہ ہم مسلمانوں میں اقتدار کی جنگ کب اور کیونکر شروع ہو گئی تھی؟ صرف ایک خلیفہ راشد حضرت ابوبکر صدیقؓ کا وصال طبعی صورت میں ہوا، بقیہ تینوں ادوار میں انتقال اقتدار شہادت کی صورت میں وقوع پذیر ہوا۔

سیّدنا عمر فاروقؓ جیسی عظیم ہستی عربی و عجمی تعصبات کی بھینٹ چڑھا دی گئی، جبکہ حضرت عثمانؓ کو شہید کرنے والے خود مسلمان تھے۔ کیا یہ حقیقت نہیں ہے کہ مولا علیؓ کے قاتل خود کو زیادہ پکے، سچے اور راسخ العقیدہ مسلمان سمجھتے تھے؟ کوفہ کی جامع مسجد میں امیر المومنین کی پیشانی پر تلوار مارنے والے کا نام کیا عبدالرحمٰن ابن ملجم نہیں ہے؟ کیا وہ اپنے تئیں نیکی کے اس جذبے سے نہیں آیا تھا کہ امت محمدیہ انتشار کا شکار ہے، اگر بشمول عمرو بن العاصؓ ہر سہ شخصیات کا کام تمام کر دیا جائے تو اُمتِ مسلمہ سے فتنہ و خلفشار ختم ہو

جائے گا، مسلمانوں میں ایک بار پھر یکجہتی و وحدتِ اسلامی قائم ہو جائے گی؟...... آج جب داتا دربار پر خودکش حملہ ہوا ہے تو ہمارے اخبارات یہ لکھ رہے ہیں کہ کوئی مسلمان ایسی مکروہ حرکت نہیں کر سکتا۔ تمام سیاسی و صحافتی اور مذہبی رہنما رطب اللسان ہیں کہ کوئی مسلمان ایسی گھٹیا کارروائی کر ہی نہیں سکتا۔ اسلام اس کی قطعی اجازت نہیں دیتا۔ کیا مسلمان پہلے جو کچھ کر رہے ہیں، اسلام کی اجازت لے کر رہے ہیں؟

ذرا قریب آؤ ان چہروں کو تو پہچانو جو سیّدہ عائشہ کے لے پالک بھانجے عبداللہ ابن زبیر کو قتل کرنے کے لئے خانہ کعبہ کا محاصرہ کیے ہوئے ہیں۔ ابرہہ اور اس کے ہاتھی وساتھی بیت اللہ شریف کو بال برابر نقصان نہ پہنچا سکے اور ''ابابیلوں'' نے ان کا کام تمام کر دیا، لیکن یہ کون سے کلمہ گو مسلمان ہیں جو خانہ کعبہ پر آگ برسا رہے ہیں؟ یہ وہی ہیں جن کے قائد نے ہندوستان میں اسلام پھیلانے کے لئے اپنے بھتیجے محمد بن قاسم کو دیبل (سندھ) بھیجا۔ جی ہاں! یہ حجاج بن یوسف وہی ہیں، جنہوں نے ایک طرف قرآن پاک پر اعراب لگا کر اسلام کی اتنی بڑی ابدی خدمت کی کہ آج غیر عرب اقوام بھی قرآن کو آسانی سے پڑھ رہی ہیں، لیکن دوسری طرف انہوں نے منجنیقوں کے ذریعے پتھر برساتے ہوئے کعبۃ اللہ کو پوری طرح منہدم کر دیا اور کعبے کا دروازہ جل کر راکھ ہو گیا۔ سیّدنا ابراہیمؑ کے زمانے سے موجود مینڈھے کے سینگ بھی جل گئے، تب کوئی ابابیل آئے، نہ آسمان سے کوئی چھوٹے بڑے کنکر برسے، کیونکہ حملہ آور کلمہ گو مسلمان تھے۔ حجاج کی فوج کے یہ سپاہی امریکہ، اسرائیل یا بھارت سے نہیں آئے تھے، بلاد حجاز و عراق و شام کے دو جانثار سپاہی تھے جو عساکرِ اسلامی سے منسلک تھے۔

آج ہمارا میڈیا مذہبی علماء سے ہم آہنگی بڑھاتے ہوئے چلا رہا ہے کہ کوئی مسلمان داتا دربار میں حملے نہیں کر سکتا، یہ امریکی سازش ہے اور یہود و ہنود کی کارستانی۔ ہم پوچھتے ہیں کہ مسلمانوں میں شیعہ اور سنّی کی تقسیم بھی کیا امریکی سازش اور یہود و ہنود کی کارستانی جی چاہتا کہ میں ایک مفصل مضمون اس حوالے سے لکھوں کہ...... ''جب میں دیوبندی

تھا'' اس میں اپنے وہ تمام تر احساسات قلم بند کروں جو مزاروں اور قبروں کے متعلق رکھتا تھا، ایک دیو بندی کے تصورات کیا ہو سکتے ہیں؟ جی چاہتا ہے کہ وہ پوری شرح بسط کے ساتھ بیان کروں تا کہ نئی نسلوں کو علم ہو سکے کہ دہشت گردی و انتہا پسندی کی جڑیں مسلمانوں کے اندر ہیں، باہر نہیں۔

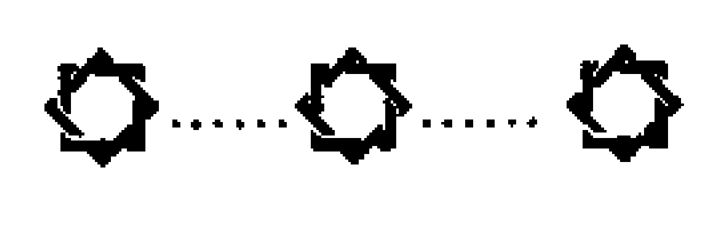
ایک وہابی و دیو بندی ذہن ''پیر پرستی'' و ''مزار پرستی'' کو کن نظروں سے ملاحظہ کرتا ہے وہ اپنے تئیں یہاں ہونے والے خرافات و بدعات کو کتنی نفرت و حقارت سے دیکھتا ہے؟ اس کا اندازہ کسی بھی راسخ العقیدہ دیو بندی کی نجی محفلوں میں ہونے والی گفتگو سے لگایا جا سکتا ہے۔ ایک وہابی یا دیو بندی ذہن کے مطابق تو ''حضرت داتا گنج بخش'' کی اصطلاح بھی قابلِ اعتراض ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہابی یا دیو بندی ذہن داتا صاحب یا داتا گنج بخش'' کی اصطلاحات استعمال کرنے سے احتراز کرتا ہے یا بامر مجبوری اضطراراً ایسا کہے گا۔ جب ہم خود دیو بندی تھے تو حضرت شیخ کے لئے ''سید علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ'' ہی لکھتے تھے، اگر مجبوری ہوتی تو ''المعروف'' کا لاحقہ ڈال کر آگے لکھتے۔

پشاور میں رحمان بابا کے مزار کو جس بے دردی سے اڑایا گیا، اس کی پوری تفصیلات میڈیا میں آ چکی ہیں، اس لئے داتاؒ دربار میں ہونے والی خونریزی ہمارے لئے پوری طرح قابلِ فہم ہے، جسے شک ہے، وہ متذکرہ مذہبی لٹریچر' فکر اور تعلیمات سے بے خبر ہے، بلاشبہ جس طرح اہلِ تشیع میں اندرونی تقسیم نہایت گہری ہے، اسی طرح اہلِ سنت کی اندرونی فرقہ بازی بھی تقسیم در تقسیم کا شکار ہے، خود دیو بندی فکر کے اندر کئی دھارے ہیں، اس میں جہاں ایک طرف توحید پرست جہادی ہیں، وہاں دوسری طرف تصوف و طریقت کی طرف راغب گروہوں اور شخصیات کی بھی کمی نہیں۔ جہاں ایک طرف سیاست کو اوڑھنا بچھونا اور اسلامی نظام کو بطور نعرہ استعمال کرنے والے ہیں تو دوسری طرف تبلیغی جماعت کے تزکیۂ نفس کا ڈھول پیٹنے والے بھی ہیں۔ علمائے دیو بند کے اندر ہر نوع کی ورائٹی پائی جاتی ہے، جس طرح ہماری موجودہ مسلمان جہادی و اصلاحی تحریکوں

میں گرچہ جتنی بھی منافرت ہے، امریکہ کے مقابلے میں وہ سب ایک ہیں، اسی طرح علمائے دیوبند کے جو بھی اندرونی اختلافات ہیں، بقول ان کے بدعتیوں کے مقابلے میں ان کے اندر ایک نوع کا باہمی اشتراک ہر لمحے موجود ہے۔

احمدی عبادت گاہوں پر حملہ آور ہونے والے جہاں مسجد ابراہیمؑ میں ٹھہرے، وہیں انہوں نے رائیونڈ کے تبلیغی مرکز میں بھی سہ روزہ قیام کیا۔ پھر ہمارے ان حضرات کا اصل تنازع صرف مزارات یا ان کے ماننے والوں سے تو نہیں ہے، انہیں غصہ تھیٹروں اور سینماؤں پر بھی ہے، آرمی، پولیس اور ان کی ایجنسیوں پر بھی بوجوہ انہیں شدید غصہ ہے۔ آرمی کا رول انہیں سخت ناپسند ہے۔ عامۃ المسلمین کے ڈبل رول پر بھی رونا آتا ہے، جو ان کی پاکیزہ جدوجہد میں ان کے شامل حال نہیں، وہ سب جائیں جہنم میں، وہ سب گردن زدنی اور اڑا دیئے جانے کے قابل ہیں۔ حال ہی میں جہادی حضرت صاحب نے ٹھیک فرمایا ہے کہ اگر دہشت گردی کو ختم کرنا ہے تو کاملاً اسلامی نظام نافذ کر دیا جائے۔

(روزنامہ پاکستان ۱۹؍جولائی ۲۰۱۰ء)



مظہرِ نورِ خدا حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ

نعمان قادر مصطفائی

آبروئے تصوف، مظہرِ نورِ خدا سیّد علی بن عثمان الہجویری المعروف داتا گنج بخشؒ جو اپنے مرشدِ کامل پیرانِ پیر حضرت شیخ ابوالفضل رحمۃ اللہ علیہ کے حکم سے غزنی سے دو مہینے کی طویل مسافت طے کر کے بے سروسامانی کے عالم میں پیدل چل کر لاہور تشریف لائے۔ غزنی سے پہلے نہ جانے کس کس نگر کی آپ رحمۃ اللہ علیہ نے سیر کی۔

گلی گلی، قریہ قریہ، بستی بستی، نگر نگر، ڈگر ڈگر آپ رحمۃ اللہ علیہ کا پھرنا محض یار کی تلاش میں تھا، حضرت داتا گنج بخشؒ نے اپنی ظاہری حیات میں لاہور کی شرک و بت پرستی کی اندھیر نگری میں نور و معرفت اور حکمت و دانش کے وہ چراغ روشن کیے جس سے انسانیت آج بھی فیض یاب ہو رہی ہے اور مرکز تجلیات سے منور ہو رہی ہے۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ کے روحانی مرشد حضرت شیخ ابوالفضل رحمۃ اللہ علیہ ہی کے فیض یافتہ مرید خاص حضرت شیخ حسین زنجانی رحمۃ اللہ علیہ جب وصال فرمانے لگے تو آپ رحمۃ اللہ علیہ کے شیخ ابوالفضل رحمۃ اللہ علیہ نے محسوس کیا کہ لاہور کی نگری کو روحانیت کے فیضان سے خالی نہیں چھوڑنا۔ اللہ تعالیٰ کی حکمت اور شیخ ابوالفضل رحمۃ اللہ علیہ کا روحانی کشف دیکھئے کہ جب نور و معرفت کا ایک چراغ بجھنے لگا تو آپ رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت داتا گنج بخش کی ذات والا صفات کی صورت میں ایک اور چراغ روشن کر دیا مگر چند ٹکوں کے لالچ میں آ کر روحانیت کے نا آشنا عناصر نے گزشتہ دنوں نور و معرفت اور حکمت و دانش کے اسی چراغ کی روشنی کو مدھم کرنے کی ناپاک جسارت کی اور داتا گنج بخشؒ کے پروانوں کو مرکز تجلیات

سے دور کرنے کی مذموم منصوبہ بندی کی شاید عقل کے اندھوں اور زر کے پجاریوں کو معلوم نہیں ہے کہ پروانہ جل تو جاتا ہے مگر شمع کی روشنی سے فیض حاصل کرنے کے لئے ٹل نہیں سکتا۔ داتا گنج بخشؒ کے پروانوں نے جان تو دے دی مگر جاتے جاتے یہ پیغام بھی دے گئے کہ:

جان دی دی ہوئی اسی کی تھی
حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

چند لمحوں پہلے جہاں انوار و تجلیات کی بارش ہو رہی تھی تلاوت قرآن پاک کا نور فضاؤں میں روشنی تقسیم کر رہا تھا۔ حق ہو...... کی ضرب سے دلوں کا میل اتر رہا تھا، نعت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشبو رنگ و نور بکھیر رہی تھی، وہاں پر بارود کے دھوئیں نے نورانی ماحول کو دیوالی میں تبدیل کرنے کا پروگرام ترتیب دیا مگر یہ سب کچھ ہونے کے باوجود بھی بارگار فقر کے صحن سے عجیب خوشبو محسوس ہو رہی تھی، جس جگہ 30 کلووزنی بارود پھٹا ہو وہ جگہ عجیب منظر پیش کرتی ہے مگر داتا گنج بخشؒ کے مزار مقدس سے چند گز کے فاصلے پر ہونے والی قیامت سے جس نے انسانی جانوں کے چیتھڑے تک اڑا کے رکھ دیئے، مزار اقدس کو خراش تک نہیں آئی۔ پاس کے اندھیروں میں بھٹکنے والے آس کے نور کی تلاش میں غم ہائے روزگار کے ستائے ہوئے لوگ آسودگی، راحت، اطمینان قلب، ذہنی سکون حاصل کرنے کے لئے حاضری کی سعادت حاصل کر رہے تھے مگر شقی القلب گروہ نے بیرونی طاقتوں کے اشارے پر انسانیت کا سکون چھیننے کی مذموم کوشش کی وقتی طور پر تو وہ اپنی اس گھناؤنی سازش میں کامیاب ٹھہرا مگر ابھی بھی جا کر دیکھئے تو زبان سے سبحان اللہ کے الفاظ کی ادائیگی کے ساتھ ہی شیخ ہجویر حضرت داتا گنج بخشؒ کے مزار پر انوار سے فیوض و برکات حاصل کرنے والی ہستی شیخ اجمیر حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمۃ اللہ علیہ کی زبان اقدس سے نکلے ہوئے نورانی الفاظ بھی گنگنانے کو دل کرتا ہے:

گنج بخش فیضِ عالم ، مظہرِ نورِ خدا
ناقصاں را پیرِ کامل، کاملاں را رہنما

ڈاکٹر علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ کی زبان سے عجز وانکساری کے پیکر میں ڈھل کر یہ گیت گائے پائے جائیں گے:

خاکِ پنجاب از دم او زندہ گشت
صبح یار از مہر او تابندہ گشت

حضرت داتا گنج بخش ؒ کے فیضان کا صدقہ ہے کہ آج بھی روزانہ لاکھوں لوگ شیخ ہجویر رحمۃ اللہ علیہ کی نورانی چوکھٹ سے جسمانی اور روحانی غذا حاصل کرتے نظر آتے ہیں جس کو ہمارے دنیا دار ٹھکرا دیتے ہیں اس کو شیخ ہجویر رحمۃ اللہ علیہ اپنی روحانی آغوش میں پناہ دیتے ہیں۔ پوری دنیا میں لاہور کی پہچان تعلیمی درس گاہوں، پوش ایریاز، بلند و بالا عمارات اور بڑی بڑی لائبریریوں کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ لاہور کا تعارف، پہچان، شناخت، صرف اور صرف حضرت داتا گنج بخش ؒ کے حوالے سے ہے۔ یار لوگ، لاہور کو داتا کی نگری بھی کہتے ہیں۔ حضرت داتا گنج بخش ؒ کے پرنور صحن میں ہونے والے دلخراش واقعہ پر پوری دنیا کی سیاسی، مذہبی، روحانی، سماجی، ادبی، تنظیموں، تحریکوں، جماعتوں اور شخصیات نے رنج وغم کا اظہار کیا ہے، حتیٰ کہ اقوام متحدہ کے سیکرٹری جنرل، یورپی یونین کے عہدیداروں، امریکہ اور برطانیہ کے سفیروں نے بھی اظہار افسوس کیا۔ اللہ تعالیٰ اولیاء کے فیضان کے صدقے کشور حسین پاک سرزمین اسلامی جمہوریہ پاکستان کو نظرِ بد سے محفوظ رکھے۔ (آمین)

(روزنامہ دن ۱۹ جولائی ۲۰۱۰ء)

۞.....۞.....۞

مزارات پر حملوں کی تفصیل

''داتا کی نگری'' لاہور میں حضرت داتا گنج بخش علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر ہونے والا خودکش حملوں کا واقعہ پاکستان میں مزاروں کو دہشت گردی کا نشانہ بنایا جانے کا پہلا واقعہ نہیں ہے۔ تاہم یہ پاکستان میں کسی مزار پر ہونے والا اب تک کا سب سے بڑا حملہ ہے جس میں 43 افراد اپنی قیمتی جانوں سے محروم ہو چکے ہیں جبکہ زخمیوں کی تعداد 200 کے قریب بتائی جاتی ہے۔ اس سے قبل اسلام آباد کے قریب بری امام کے مزار پر خودکش حملے میں 20 افراد جاں بحق ہو گئے تھے۔ اس سے قبل خودکش حملوں کے لگ بھگ تمام واقعات دہشت گردی کے خلاف جنگ کے مرکز افغانستان کے پڑوس میں واقع خیبر پختونخواہ اور قبائلی علاقوں میں ہوتے رہے ہیں جن کی تفصیل کچھ یوں ہے:

5 مارچ 2009ء: صوبہ خیبر پختونخواہ کے دارالحکومت پشاور کے مضافات میں چمکنی کے علاقے میں نامعلوم افراد نے پشتو کے مشہور صوفی شاعر رحمان بابا کے مزار کے ستونوں کے ساتھ دھماکہ خیز مواد رکھ کر مزار کو تباہ کر دیا۔ اس مزار کے چوکیدار کے مطابق اسے تین روز قبل فون پر دھمکی ملی تھی کہ مزار پر عورتوں کو آنے جانے سے روکا جائے۔

6 مارچ 2009: نوشہرہ میں واقع بہادر بابا کے مزار کو نامعلوم افراد نے بموں سے نقصان پہنچایا تاہم کوئی جانی نقصان نہیں ہوا۔

11 مئی 2009ء: خیبر ایجنسی میں لنڈی کوتل سب ڈویژن میں مقبول پشتو شاعر امیر حمزہ خان شنواری کے مزار کی بیرونی دیوار کو دھماکہ خیز مواد سے اڑا دیا گیا۔

مارچ 2008ء: پشاور سے ملحق قبائلی علاقے خیبر ایجنسی میں سرگرم لشکر اسلام نے صوبائی دارالحکومت کے قریب شیخان کے علاقے میں چار سو سال پرانا ابو سید بابا کا مزار تباہ کرنے کی کوشش ناکام بنانے کے دوران جھڑپ میں 10 افراد ہلاک ہو گئے تھے۔

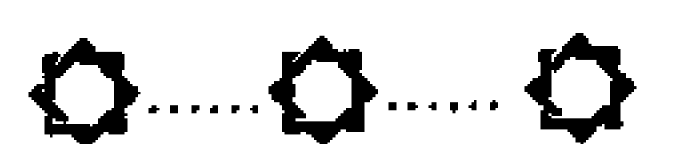
31 جولائی 2007ء: قبائلی علاقے مہمند ایجنسی میں شدت پسندوں نے اسلام آباد میں لال مسجد آپریشن کے ردعمل میں برطانوی سامراج کے خلاف لڑنے والے حریت پسند حاجی صاحب ترنگزئی کے مزار پر قبضہ کرلیا۔ صدر مقام غلنئی سے پچیس کلو میٹر شمال میں اس مزار اور اس کے قریب مسجد کو شدت پسندوں نے لال مسجد کا نام دے دیا تھا۔ کئی روز تک جاری رہنے والا یہ قبضہ بعد میں پُرامن طور پر ختم کر دیا گیا تھا۔

18 دسمبر 2007ء: عبدالشکور ملنگ بابا کے مزار کو دھماکے سے نقصان پہنچایا گیا تاہم کوئی جانی نقصان نہیں ہوا۔

27 مئی 2005ء: وفاقی دارالحکومت اسلام آباد میں معروف بری امام کے مزار پر پانچ روزہ عرس کے اختتامی دن ایک خودکش حملے میں 20 افراد جاں بحق جبکہ درجنوں زخمی ہو گئے تھے۔ اس کے بعد سے آج تک مقامی انتظامیہ نے عرس کی اجازت نہیں دی۔ یہ مزار سنّی اور شیعہ دونوں کے لئے قابلِ احترام ہے اور ملک بھر سے عقیدت مند یہاں آتے ہیں۔

خیبر ایجنسی میں منگل باغ کے لشکر اسلام نے سال 2008ء میں اخوندزادہ پیر سیف الرحمٰن کو شدید جھڑپوں کے بعد علاقہ بدر کر دیا تھا۔ ان کے علاقے سوات کے گدی نشین پیر سمیع الرحمان کو دسمبر میں شدت پسندوں کے خلاف لشکر کشی کے بعد جھڑپ میں ہلاک کر دیا گیا تھا۔ ان کی لاش کو بھی بعد میں قبر سے نکال کر مینگورہ کے ایک چوراہے میں لٹکا دیا گیا تھا۔

(روزنامہ ایکسپریس ۳ر جولائی ۲۰۱۰ء)



جو دلوں کو فتح کر لے وہی فاتحِ زمانہ

محمود الحسن

اولیاء اللہ کے مزارات صدیوں سے مرجع خلائق ہیں۔ یہ وہ ہستیاں ہیں، جو قلوب و اذہان تسخیر کر کے فاتح عالم کہلائیں۔ ان کا پیغام، تعصب، تنگ نظری اور ہر نوع کی جکڑ بندی سے مبرا رہا۔ انہوں نے فکر و عمل میں تفاوت در نہ آنے دی نتیجتاً لوگ انبوہ در انبوہ ان کی طرف کھنچتے چلے آئے۔ ان کے جود و کرم کا دائرہ کسی خاص عقیدے اور گروہ تک محدود نہ تھا بلکہ یہ جو آئے، آئے کہ ہم دل کشادہ رکھتے ہیں، نظریے کے موید تھے۔ رحم دلی، کرم گستری اور خلق خدا سے محبت ان کا فلسفہ زیست تھا۔ برصغیر میں بڑے بڑے اولیاء کرام آئے اور انہوں نے اپنے حصے کی شمع روشن کی، جس کی تابناکی سے گھٹا ٹوپ اندھیرے روشنی میں بدل گئے۔ ہجوم عاشقاں صدیوں سے ان کے مزارات پر حاضری کے لئے دست بستہ حاضر ہو کر فیوض و برکات، فکری و روحانی بالیدگی حاصل کر رہا ہے۔ ان بزرگانِ دین کا دامن اتنا کشادہ ہے کہ ہر کسی کو یہاں پناہ مل جاتی ہے۔ مغرب میں مولانا روم کو جو آج بے پناہ قدرت و منزلت مل رہی ہے، اس کی بنیادی وجہ ان کے پیغام کی وسعت و گہرائی ہے۔ اس کے برعکس ہمارے ہاں کے اکثر علماء کی تصانیف صرف ان کے مدحین اور ان کی فکر کے اسیران کی تشفی کا باعث بنتی ہیں۔ ممتاز مستشرق ایچ آر گب کے بقول "تاریخ اسلام میں بارہا ایسے موقع آئے ہیں کہ اسلام کے کلچر کا شدت سے مقابلہ کیا گیا، لیکن بایں ہمہ وہ مغلوب نہ ہو سکا۔ اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ تصوف یا صوفیا کا انداز فکر اِس کی مدد کو آ جاتا تھا

اور اس کو اتنی قوت اور توانائی بخش دیتا تھا کہ کوئی طاقت اس کا مقابلہ نہ کر سکتی تھی۔" پروفیسر خلیق احمد نظامی کے بقول "پروفیسر گب کی رائے سے ہمیں پورا پورا اتفاق ہے۔ اسلامی تاریخ میں صوفیا کے کارنامے یقیناً اسی نظر سے مطالعہ کے مستحق ہیں۔ مسلمانوں کی ملی زندگی میں جب کوئی مشکل مقام آیا ہے تو بزرگوں نے بصیرت اور حکمت کے ساتھ نامساعد حالات کا مقابلہ کیا ہے۔ ان کا ہاتھ ملت کی نبض پر اور ان کا دماغ تجدید واحیاء کی تدبیریں سوچنے میں مصروف رہتا ہے۔ اسلامی سوسائٹی کا صحیح مزاج قائم رکھنے کے لئے انہوں نے بڑی پُرخلوص جدوجہد کی تھی۔" اس بیان سے آپ اہلِ تصوف کے مقام ومرتبے کا اندازہ کر سکتے ہیں۔ ممتاز مؤرخ محمد مجیب نے اپنی کتاب "The Indian Muslim" میں بیان کیا ہے کہ یہ صوفیا کرام ہی تھے جنہوں نے اپنے طرزِ تبلیغ اور اپنے روّیے سے شمالی ہندوستان سے تعلق رکھنے والے ہندوؤں کے دل جیت کر ان کو مشرف بہ اسلام کرلیا تھا۔

صوفی اپنی تبلیغ کی بنیاد محبت پر استوار کرتا ہے جبکہ مولوی، لوگوں کو ڈرا اور خوف سے اپنی طرف راغب کرنا چاہتا ہے اس کے پاس نوید نہیں، وعید ہوتی ہے، اس لئے لوگ اس سے عارضی طور پر تو قریب ہوتے ہیں لیکن آہستہ آہستہ دور ہٹتے جاتے ہیں۔ اس کے برخلاف صوفیا کی طرف رجوع کرنے والا پھر کسی اور در کا گدا بننا گوارا نہیں کرتا اور تمام عمر ایک ہی چوکھٹ پر سر رکھے عمر گزار دیتا ہے۔ صوفیا کی تعلیمات پر صدق دل سے ایقان رکھنے والا، نرم خو، تشدد گریز، لوگوں میں خوشیاں بانٹنے والا اور دکھ درد میں ان کا مونس وغم خوار بننے میں زیادہ دلچسپی رکھتا ہے۔ وہ اوروں کو طرزِ کلام کے بجائے طرزِ عمل سے متاثر کرتا ہے۔ صوفیا کرام کی تعلیمات کے بارے میں شیخ نظام الدین اولیاء کہتے ہیں کہ "درویشوں کا راستہ عوام کے راستہ سے مختلف ہے۔ درویش دوست اور دشمن دونوں کا دوست ہوتا ہے۔" مسلمانوں پر اپنی تاریخ میں شورشِ تاتار سے بڑھ کر نازک مرحلہ کوئی نہیں آیا، جس نے مسلمان قوم کو ایسی صورتِ حال سے دوچار کیا کہ ان کو رستہ بجھائی نہ دیتا تھا، اس نازک مرحلہ پر بھی صوفیا کرام ہی تھے جو آگے آئے اور مردہ جسد ملی میں روح پھونکی۔ خلیق احمد نظامی کے بقول "جو قوم منگولوں کی چیرہ

دستیوں اور سفاکیوں سے مضمحل ہو کر نبضیں چھوڑ چکی تھی، تصوف کے ذریعے سے پھر ایک بار زندہ ہوئی۔'' آج مسلمان پھر آشوب کا شکار ہیں، ضرورت اس امر کی ہے کہ پھر سے صوفیاء کرام کی تعلیمات پر عمل پیرا ہوا جائے تا کہ منتشر فکر کو کسی مرکز پر لایا جاسکے اور وہ عناصر، جو امن کے ان گہواروں پر حملہ آور ہیں ان کے مکروہ عزائم کو خاک میں ملایا جاسکے۔

(روزنامہ ایکسپریس ۳؍ جولائی ۲۰۱۰ء)

مرکز تجلیات

غلام محی الدین

کیا اب بھی کسی کو اس بات میں شک ہوگا کہ وطن عزیز کو اندرونی خانہ جنگی کے شعلوں میں جھونک دینے والے سفاک قاتلوں نے ہر اُس علامت کو اپنی نفرت کے زد پر لے رکھا ہے جو انسان کو آپس میں جوڑنے، نفاق کو رد کرنے اور محبت کی حوصلہ افزائی کا موجب ہے۔ وہ خیبر پختونخواہ کے رحمان باباؒ یا بہادر بابا ہوں، خیبر ایجنسی کے ابو سید بابا، مہمند ایجنسی کے حاجی صاحب تورنگزئیؒ ہوں، عبدالشکور ملنگ بابا ہوں، بری امام ہوں یا لاہور میں داتا گنج بخش علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ اِن سب میں قدر مشترک انسانوں کے ساتھ بے لوث محبت ہے۔ جیسے اِن بزرگوں کی خانقاہیں اِن کی زندگیوں میں دُکھی انسانوں کی خدمت اور دادرسی کے مراکز تھے، اِس جہان فانی سے رخصت ہو جانے کے بعد بھی اُن کے مزارات بھوکے ننگے، دُکھوں کے ستائے ہوئے لوگوں کی پناہ گاہ ہیں۔ لاہور کے داتاؒ دربار کا لنگر خانہ 24 گھنٹے آباد رہتا ہے اور ہر در سے ٹھکرا دیئے جانے والے کو بھی یہاں پیٹ بھر کھانا میسر آتا ہے۔ ایک اندازے کے مطابق ہر روز 20 ہزار لوگ یہاں کھانا کھاتے ہیں۔

داتا علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کی توحید پرستی اور فہمِ دین کا اندازہ اُن کے اِس ایک قول سے بخوبی لگایا جا سکتا ہے۔ فرماتے ہیں: ”خوش قسمت ہے وہ بادشاہ جو عالم کے پاس جاتا ہے اور بدقسمت ہے وہ عالم جو بادشاہ کے پاس جاتا ہے۔“

داتا دربار پر ہونے والے خودکش حملے ہمارے لئے حیرت کا باعث نہیں ہونے چاہئیں، حالانکہ ہر ایسے واقعے کے بعد ہم حیرت کا اظہار کر رہے ہوتے ہیں۔ پتہ نہیں کہ کیوں عوامی سطح پر ہم اِس بات کو ذہنی طور پر تسلیم کرنے پر آمادہ نہیں ہو پار ہے ہیں کہ ہم پر ایک ہولناک جنگ مسلط ہے، بلکہ یہ تو جنگ سے بھی زیادہ تباہ کن صورتِ حال ہے۔ یہ ایک ایسی جنگ ہے جس میں دشمن باہر سے وار نہیں کر رہا بلکہ ہمیں اِس طرح اندر سے تباہ کر رہا ہے جیسے کوئی مہلک جرثومہ خون میں شامل ہو کر پورے جسم میں تباہی مچاتا پھرتا ہے۔ داتا دربار پر حملے کے واقعہ پر حیران اِس لئے نہیں ہونا چاہئے کہ ہمارے دشمن مساجد کے اندر نماز میں مشغول لوگوں کو بربریت کا نشانہ بنا چکے ہیں۔ کوئی دینی اور اخلاقی اُصول ان کے نزدیک کوئی اہمیت نہیں رکھتا۔ اللہ کے حضور سجدہ ریز نمازی، گلی میں کھیلتا ہوا معصوم بچہ، مزار پر فاتحہ خوانی کے لئے کھڑی عورت یا اُن پر گولی چلانے والا شخص، سب اُن کے نزدیک برابر ہیں۔ یہ لوگ پینترے بدل بدل کر حملہ آور ہوتے ہیں۔ ان کا مقصد ہے کہ پاکستان کے شہریوں کو فرقہ وارانہ منافرت کی بھٹی میں جھونک دیا جائے۔ اِس سے زیادہ بدنصیبی کسی کے لئے کیا ہو سکتی ہے کہ دوسرے انسانوں کو اُس کے ہاتھ سے صرف دُکھ، تکلیف، زخم اور موت ہی مل سکتی ہے۔

ملک میں ہونے والے دہشت گردی کے واقعات کے بعد کے ماحول میں اس قدر یکسانیت ہوتی ہے کہ اس سے مایوسی کے سوا کچھ ظاہر نہیں ہوتا۔ کچھ عرصہ سہمی ہوئی خاموشی کے بعد کسی اور جگہ سینکڑوں لوگ خوف میں نہا جائیں گے۔ کسی اخبار یا ٹی وی چینل پر دہشت گردی کے نقصانات کے دلدوز تفصیلات سے کہیں زیادہ اذیت ناک صدر اور وزیر اعظم کی جانب سے مذمت اور تحقیقات کا حکم صادر فرمانے کی خبر ہوتی ہے۔ اس رسمی تکلف کا علم بھلا کس کو نہیں۔ لوگ یقیناً جانتے ہیں کہ ایسے واقعات کو حکمران قابلِ مذمت قرار دیں گے اور یقیناً تحقیقات بھی ہوں گی۔ لوگ یہ بھی جانتے ہیں کہ دہشت گردی کے اس ماحول میں اِس سے بھی ''اہم'' معاملات حزب اقتدار اور حزب اختلاف

کی تمام تر توانائیوں کے متقاضی ہیں۔ مثال کے طور پر ملک بھر کی بار کونسلوں کو رقوم فراہم کرنا درست ہے یا غلط۔ اقتدار کی طاقت اور دبدبے کی ریت کو مٹھیوں میں قابو کیے رکھنے، اقتدار کے فوائد سے زیادہ سے زیادہ حصہ حاصل کرنے اور برسر اقتدار سے اقتدار چھین لینے کی کشمکش میں ایک لمحے کا قرار نہیں۔

عوام کو یہ بات سمجھ لینی چاہئے کہ موت آج جس قدر ارزاں ہے پہلے کبھی نہیں تھی۔ اگر موجودہ حالات پر غور کریں تو بہترین حل یہی نظر آتا ہے کہ دہشت گردی کی کسی واردات میں جان ہار دینے سے بہتر ہے کہ ساری قوم دہشت گردوں کا مقابلہ کرنے کے لئے صف آراء ہو جائے۔ ہر سطح پر اپنی استعداد کے مطابق جدوجہد کا راستہ اختیار کیا جائے ذرا سوچیں نبی رحمت حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے توہین آمیز خاکے بنانے والے بدبخت اور اللہ کے حضور سجدہ ریز نمازیوں کے خون سے ہاتھ رنگنے والے، دونوں ہی مسلمانوں کے لئے شدید ترین اذیت کا باعث بن رہے ہیں۔ ملک کے طول وعرض میں دہشت گردی کا طوفان اُٹھانے والے کیا سلامتی اور امن کے اس دین کے چہرے کو مسخ کرنے کی کوشش نہیں کر رہے۔

ہمارے لئے بقاء کا صرف ایک ہی راستہ ہے کہ ہم دہشت گردوں سے برسرِ پیکار سکیورٹی ایجنسیوں کے دست و بازو بن جائیں۔ دہشت گردی کے کسی واقعہ کا شکار ہونے سے بچ جانے پر اطمینان سے پورے معاشرے کو درپیش یہ مہیب خطرہ ٹلے گا نہیں۔ سی سی ٹی وی کی فوٹیج کے مطابق خودکش حملہ آور نے سبز پگڑی پہن رکھی تھی۔ یہ دھوکہ محض حملے میں ہی نہیں بلکہ پورے ملک میں دیا جا رہا ہے۔ یہ لوگ ہمارے اندر موجود ہیں۔ ان کے ہمدرد اور مددگار ہر جگہ پھیلے ہوئے ہیں۔ ہمیں نظریاتی سطح پر انہیں شکست دینی ہے۔ دین کا نام لے کر باطل دلیلوں کے ذریعے ظلم کی حمایت کرنے والوں کو بے نقاب کرنا ہم سب کی ذمہ داری ہے۔ (روزنامہ ایکسپریس ۳ جولائی ۲۰۱۰ء)



روحانی امراض کا دارالشفاء......دہشت گردی کا نشانہ

(ماہنامہ ''اہلسنّت'' گجرات کا فکر انگیز اِداریہ)

''چمکی خرابی خشکی اور تری میں ان برائیوں سے جو لوگوں کے ہاتھوں نے کمائیں، تا کہ انہیں ان کے بعض کوتکوں (بُرے کاموں) کا مزہ چکھائے، کہیں وہ باز آ جائیں''۔

پانچویں صدی ہجری کا عہد ہے۔ ہندوستان کی سرزمین ظلمت کفر و شرک کی گھٹاؤں میں گھری ہوئی ہے۔ کہیں کہیں اور کبھی کبھی مسلمان سالاروں کی صورت میں انوارِ اسلام کی برکات روشن ہو جاتی تھیں اور پھر وہی تیرگی غالب آنے لگی۔ ہندوستان کی سلطنتیں نہایت مضبوطی سے قائم تھیں کہ محمود غزنوی کے حملوں نے نعرۂ تکبیر کی گونج سے ان اقوام کے کانوں سے سیسہ نکال دیا تھا۔ جن کے جسم خوف زدہ تھے مگر قلوب توحید و رسالت کے ثمرات کی لذت سے صحیح معنوں میں ناآشنا تھے۔

۴۳۰ھ کے قریب قریب ایک مردِ درویش اپنے دو ساتھیوں سمیت وارِدِ لاہور ہوتے ہیں، جن کا اسمِ گرامی علی بن عثمان ہجویری قدس سرہ تھا۔ آج ان کی شہرت ''داتا گنج بخش'' کے نامِ نامی سے چار دانگِ عالم میں پھیلی ہوئی ہے۔ ان کے ہاتھ میں تلوار نہیں تھی، نہ قوت و طاقت کا عصا تھا۔ وہ مردِ خلیق و شفیق، مجسم امن و امان، قاصدِ طیّارِ عشق، نورِ توحید و رسالت کا مظہر اور دلوں کو خُدا اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے عشق و محبت سے معمور کرنے پر مامور ہوئے تھے۔ وہ تشریف لائے تو مرکز عہد وفا بن گئے، ان کی مجالس حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی تعلیمات کا منظر پیش کر رہی تھیں، جس طرف نگاہ اُٹھتی دلوں سے حجاباتِ کفر و شرک اُٹھتے جاتے، لوگ دائرہ سکون و سلامتی میں داخل

ہونے کے لیے بے تاب نظر آنے لگے، یہاں تک کہ صوفیہ مابعد جو تبلیغ اسلام کی خاطر خطۂ ہند میں داخل ہوتے وہ اس بارگاہ میں حاضری کو مقدم سمجھتے۔

حضور سیّدنا داتا گنج بخش............ کی کتاب ''کشف المحجوب'' آج بھی، اپنی نوعیت میں بے نظیر و بے مثال ہے۔ اور وہ:

آج بھی ہو جو ابراہیم کا ایماں پیدا
آگ کر سکتی ہے اندازِ گلستاں پیدا

علامہ اقبال مرحوم نے فرمایا تھا:

حمد بے حد مر رسولِ پاکؐ را
آن کہ ایماں داد مشتِ خاک را

اور جس کے سبب ایمان و اسلام کی دولت ملی، اس کا احسان عظیم یاد رکھنا ہر شریف انسان کی عظمت کی دلیل ہے اور یہ برصغیر، اس کے ہر مومن و مسلمان کی گردن حضور داتا گنج بخشؒ کے زیر بارِ منت ہے اور اگر کوئی مقر نہیں تو وہ اس خلوص و صداقت سے عاری ہے جو ایک مخلص مومن کی علامت ہے۔

حضور داتا گنج بخشؒ کے بعد بے شمار صوفیہ تشریف لائے اور اپنے حُسنِ اخلاق اور نورِ خدا داد سے دلوں کو منور کرتے رہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہر قریہ و شہر میں ان کے مزارات، ان کی برکات و فضائل کی گواہی دے رہے ہیں اور............ نام فقیر تنہاں دا با ہو قبر جنہاں دی جیوے ہو۔

اور کچھ لوگ جن میں بعض بزعم خود علمی حلقے ابتداء ہی سے ان صوفیہ کے انوار کے سامنے ٹھہر نہ پائے اور حسد کی بناء پر ان کی مخالفت کا اِرادہ باندھ بیٹھے اور آج تک وہ جماعتیں اور گروہ کسی نہ کسی بہانے ان صوفیہ کی بارگاہوں کو ختم کرنے، عوام کو ان سے دور رکھنے اور خود کو بڑھا چڑھا کر پیش کرتے چلے آرہے ہیں۔ کبھی توحید کے نام پر، کبھی شرک و کفر قرار دے کر، ان مزارات کو مٹانے کے درپے رہے۔ یہ وہی فلسفہ ہے جو ابرہہ نے

خانہ کعبہ پر حملہ سے شروع کیا کہ نہ تو مرکز رہے گا اور نہ لوگ اس طرف رُخ کریں گے اور پھر یہودی نصاریٰ کی مشترکہ سازش جب حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مزارِ اقدس سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جسدِ عنصری کو نکالنے کا ناپاک اِرادہ کیا اور سلطان نورالدین محمود زنگی نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرمان پر ان بدطینتوں کو انجام تک پہنچایا اور یہ سلسلہ یہیں تک نہیں رُکا۔ ہر صدی میں ایسی حکومتیں معرضِ وجود میں آتی رہی ہیں جو کسی نہ کسی بہانے محض اپنی ذات، اپنے اقتدار کو طول دینے کے لیے ان خانقاہوں اور ان مزارات کو ختم کرنے کی کوشش کرتی رہیں اور ان آثارِ متبرکہ جمہور عوام کی نگاہوں سے اوجھل کرنے کے خبیث ارادوں پر عمل پیرا رہیں، تاکہ اگر یہ آثار موجود رہے تو عوام خُدا اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جانب کھنچتے رہیں گے اور اُمراء و سلاطین کی اطاعت سے گریزاں رہیں گے۔

گزشتہ صدی سے شروع ہونے والے فتنوں نے اس صدی کو بھی اپنے فتنہ و فساد کی لپیٹ میں لے رکھا ہے۔ وہ فتنہ جو نہایت ہی پیچیدہ اور عسیر الفہم ہے، حقیقت میں یہ سرمایہ دارانہ قوتوں کا شاخسانہ ہے، جو اپنی تجارتی اور منفعت بخش اقتصادی پالیسیوں کے ذریعے پوری دُنیا کو اپنے قبضے میں کرنے پر تُلی ہیں۔

اسلحہ ساز کمپنیاں اپنے روز افزوں ہتھیاروں کو استعمال کرنے کے مواقع بھی خود ہی پیدا کرتی ہیں اور اسلحہ کی فراہمی کا موقع بھی مل جُل کر حاصل کرتی ہیں۔ یہ لوگ اس قدر ظالم ہیں کہ آپ سوچ بھی نہیں سکتے۔ ایسٹ انڈیا کمپنی کے گورنروں نے ہندوستان کی ریاستوں پر تسلط جمانے کے لیے جو طریقے آزمائے تھے، وہی آج مختلف سرکاری اور غیر سرکاری ادارے عوام کی گردن مروڑنے کے لیے استعمال کرتے آرہے ہیں۔ پاکستان کی اقتصادی صورتِ حال اور عوام کی بے بسی کے پس منظر میں یہ تمام حربے آزمائے جارہے ہیں، تمام معاشی اور معاشرتی مسائل کو دہشت گردی کے مختلف اور متنوع واقعات کے پیچھے چھپا دیا جاتا ہے اور ایک طرف تو دہشت گردی کا کوئی واقعہ رونما

ہوتا ہے تو دوسری جانب سرمایہ دارانہ قوتیں اپنی من مانی کرتی ہوئی لازمی اشیاء کی قیمتوں میں گرانی پیدا کرتی ہیں کہ عام انسان کی فکر ونظر کی تمام قوتیں شل ہو جاتی ہیں اور یہ سب سیاست اور سیاست دانوں کی عیارانہ پالیسی کا مظہر ہیں۔ صرف یہی نہیں مختلف مذہبی گروہ پریشر گروپ بن چکے ہیں جو پُرامن اور پُرسکون جماعتوں .... جو اہلِ سنت و جماعتِ حقیقی، جن کا مسلک اور عقیدہ عشق مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ومحبت اولیاء پر مبنی ہے .... کو آئے روز قتل کرنے میں مصروف ہیں۔ پشاور سے لے کر کراچی تک غارت گری کا منظر دکھائی دیتا ہے۔

حضرت داتا گنج بخش قدس سرہ کے مزار پر دہشت گردی کا سانحہ مزار سے منسلک ہزار سالہ تاریخ میں پہلا واقع ہے، جب کچھ خبیث افراد نے احاطۂ مزار کے اندر موجود عقیدت مندوں کو اس گھناؤنے جرم کا ہدف بنا ڈالا۔ وہ عظیم شخصیت جس کی بارگاہ اخلاقِ خداوندی کا مظہر تھی۔ غریبوں، مسکینوں اور مسافروں کی پناہ گاہ، سکون کی تلاش میں بھٹکنے والوں کو یہاں دولتِ سکون ملتی، روحانی امراض کے علاج میں مارے مارے پھرنے والوں کا بہترین دارالشفاء، عبادت گزاروں اور ذکرِ خداوندی میں شب زندہ داروں کا مرکز .... اور ظالموں نے اسی کو نشانہ بنا ڈالا۔

لیکن دیکھنے والوں نے دیکھا کہ دوسری صبح ہی دروازے کھلے تو لوگ پہلے سے بھی زیادہ جوش وخروش سے عقیدت کا اظہار کرنے آ پہنچے۔ ادھر لوگ اپنے پیاروں کی جُدائی میں تڑپ رہے تھے اور ادھر .... سیاست کس قدر ظالمانہ کھیل ہے کہ سیاست دان اپنی اپنی مکروہ بولیاں بولتے نظر آنے لگے۔ وہ لوگ بھی مزار شریف پر حاضری دینے جا پہنچے، جو اہلِ سنت کی مساجد پر قبضہ کرانے میں مصروف رہے اور جن کا عقیدہ ومسلک مزار پر حاضری دینے کی اجازت نہیں دیتا تھا۔

یہ سانحہ اور حادثہ فاجعہ جس کی بھی سعی نامسعود تھی، عمومی تو تھا ہی لیکن ہم اہلِ سنت و جماعت کے لیے خصوصی تھا۔ ہمارے دِلوں، ہماری روحوں اور ہمارے جذبات و

احساسات کو یکبارگی کچلنے کی کوشش کی گئی تھی۔

اے اہلِ سنت! تمہارے سنبھلنے اور اپنی عقیدتوں اور محبتوں کے مراکز و مساجد محفوظ کرنے اور خود کو اس لائق بنانے کے لیے یہ آخری موقع ہے۔

وگرنہ تمہاری داستان تک بھی نہ ہوگی داستانوں میں

اس کے لیے ضروری ہے کہ تمام سربراہان سلاسل اور گروہ علماء کے مقتدر حضرات، خبطِ عظمت سے باہر نکلیں اور عجز وانکساری کی روش اپنائیں۔ اخلاقِ مصطفوی کو سامنے رکھیں، جبہ وقبا کے شکوہِ اظہار کو ترک کر دیں۔ جو لوگ جھوٹی شانِ عظمت میں گرفتار ہیں، ان کی دربارانہ حاضریوں سے خود کو مستثنیٰ سمجھیں۔ ان لوگوں کو دیکھیں جو مخالف جماعتوں سے متعلق ہیں، کس قدر فروغِ مسلک میں جرأت وتندہی سے مصروفِ عمل ہیں۔ ہم لوگ سنّی ہوتے ہوئے بھی خوف زدہ رہتے ہیں کہ کہیں لوگ یہ جان نہ لیں کہ ہم سنّی ہیں۔ اپنی الگ شناخت رکھتے ہیں۔ حالانکہ حقیقت ہے کہ تمام فرقے اور جماعتیں اس ایک عظیم دریا سے الگ ہو کر خشک اور بنجر صحرا کی صورت موجود ہیں۔ جن میں روحِ محبت رسول ہے ہی نہیں۔ اتفاق واتحاد اور محبت ویگانگت نہایت ضروری ہے۔ خود کو محض مساجد اور خانقاہوں اور اپنے سلسلہ تک محدود نہ رکھیں۔ تبلیغی اور تحریکی امور میں ایک دوسرے کے ساتھ کندھے سے کندھا ملا کر شریک وشامل ہوں اور ایک جان ہو جائیں۔ جب تک تمام ادارے مل کر اور متحد ہو کر نظم واہتمام سے کام نہیں کریں گے، ہمیں اس طرح کے حوادثات کا منہ دیکھنا پڑتا رہے گا۔

آخر میں ان تمام شہدائے کرام کے لیے بارگاہِ خداوندی میں التجا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے، ان کی حاضری قبول فرمائے اور درجات بلند فرمائے اور انہیں بالآخر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خوشنودی حاصل ہو۔ ان کے پس ماندگان ووابستگان کو سکون وقرار اور صراطِ مستقیم پر دوام حاصل رہے۔

(ماہنامہ "اہلسنت" اگست 2010ء)

سانحہ دربارِ حضرت داتا گنج بخشؒ

(خصوصی اداریہ، ماہنامہ "البر" لاہور)

دربار حضرت داتا صاحبؒ صوفی روایات کا پہلا چراغ ہے جو برصغیر کی سرزمین پر روشن ہوا اور اس کے بعد مسلم تصوف کے چراغ سے چراغ جلتے گئے اور دِل روشن ہوتے گئے، لیکن دہشت گردوں اور مغربی سرحدوں سے آنے والی خونیں ہواؤں نے حضرت داتا گنج بخشؒ کے مزار شریف کو اپنی نفرت کا نشانہ بنا کر اس تقسیم کو مزید واضح اور گہرا کر دیا ہے جو وطن عزیز میں مسلک اور فرقے کی بنیاد پر اپنی دُکان چلانے اور سجانے والوں نے پہلے سے قائم کر رکھی تھی۔ ظالمان نے یہ ظالمانہ اور فاسقانہ فعل اس وقت انجام دیا جب ہزاروں لوگ مزار شریف کے اِرد گرد موجود تھے۔ دن بھی جمعرات کا چنا جب عقیدت مندوں کی کثیر تعداد یہاں فیض حاصل کرنے آتی ہے۔ ظالمان جو بموں سے مزاروں کو اُڑانے کی خاص شہرت رکھتے ہیں، نے یہ نہ سوچا کہ گزشتہ دس صدیوں سے جس مزار کو گلاب کے عطر سے غسل دیا جاتا رہا ہے، لیکن پہلی بار امن و اسلام کے دشمنوں، اولیائے کرام سے عداوت اور اُن کے مزاروں سے بغض رکھنے والوں نے اسے خون کا غسل دیا ہے۔

لاہور پر تقریباً ایک ہزار سال کے دوران ہندو بھی حکمران رہے، سکھوں کا پرچم بھی یہاں لہراتا رہا اور انگریز بھی اس شہرِ بے مثال پر تقریباً ایک صدی سے زائد عرصہ تک حکمرانی کرتے رہے لیکن کسی کو یہ جرأت نہیں ہوسکی کہ وہ داتا گنج بخش کی نیند میں

مخل ہوتے اور ان کے مرقد شریف کی طرف بدنیتی سے انگلی بھی اُٹھاتے۔ یہ بدبختی اب ہماری مغربی سرحدوں سے آنے والے مجاہدین، جنہیں عرف عام میں طالبان کہا جاتا ہے، کے حصے میں آئی۔ یہ دراصل ان لوگوں کا قابلِ مذمت اقدام ہے جو سید علی ہجویریؒ صاحب کی پُرامن تعلیمات سے حسد بھی کرتے ہیں اور اُن کی زندہ رہ جانے والی لاثانی تصنیف ''کشف المحجوب'' کے خلاف دلوں میں کینہ بھی رکھتے ہیں۔

داتا دربار کو بھینٹ چڑھانے والے دراصل اس مسلک کے حامل ہیں جنہوں نے سوات اور اس کے مضافات میں واقع مزارات کو آگ لگائی، انہیں بموں سے اُڑایا اور اُن مقابر میں آرام کرنے والے بزرگانِ دین کی میتوں کو قبروں سے نکال کر درختوں سے پھانسیاں دیں۔ پھانسی دینے والے یہ گروہ اور گماشتے دراصل وہ لوگ تھے جو دشمنانِ دین وملت بھی ہیں اور جو امن کی فاختہ کو اپنی بندوق کی سنگین میں پرو کر قلبی راحت محسوس کرتے ہیں۔ جناب تنویر قیصر شاہد صاحب نے ٹھیک کہا کہ ہمارے صدر اور وزیراعظم دونوں ہی بزرگوں کو ماننے والے ہیں، اب وہ ان قاتل گروہوں اور اُن کی سرپرست تنظیموں کا مزید عزم مصمم سے کھرانا پنے کا اعلان کریں اور کیا وزیراعلیٰ پنجاب اب بھی اِس بات پر مُصر رہیں گے کہ جنوبی پنجاب طالبان کا گڑھ نہیں ہے؟ کیا پنجاب کے حکمران مجرموں کے خلاف آہنی ہاتھ اُٹھانے سے قبل اس وقت کا انتظار کریں گے کہ جب لاہور میں حضرت میاں میر، حضرت مادھو لال حسین، قصور میں حضرت بابا بلھے شاہ، جھنگ میں حضرت سلطان باہو، پاکپتن میں حضرت بابا فریدالدین مسعود گنج شکر اور ملتان میں حضرت خواجہ بہاؤالدین زکریاؒ کے مزاروں کو بھی دہشت گرد خون کا غسل دے دیں اور وہاں آنے والے ہزاروں زائرین کو خاک وخون میں لٹا دیا جائے گا؟

اب بھی کہا جائے گا کہ بیرونی ہاتھ نے خون کی یہ ندی بہائی ہے اور خون خواروں کا تعلق اسلام سے نہیں۔ جناب والا یہ گھسا پٹا بیان قابلِ قبول نہیں۔ جو گروہ یا جہادی تنظیمیں ملک کے اندر آگ وخون کا یہ بہیمانہ کھیل کھیل رہی ہیں، وہ ہمارے مدارس

میں پلے بڑھے ہیں اور وہ خود کو مسلمان اور مخالف مسلک کو مشرک اور غیر مسلم قرار دیتے اور انہیں گردن زدنی سمجھتے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے لاہور کی عدالت عالیہ میں اپنے ساتھی کے رہا ہونے پر طالبان زندہ باد، جج صاحب زندہ باد اور شہباز شریف زندہ باد کے نعرے لگائے تھے، لیکن کسی نے ان کی زبان روکی نہ ان پر توہین عدالت کا مقدمہ چلایا گیا۔ گڑھے مُردے اُکھاڑنے کی ضرورت تو نہیں ہے لیکن یاددہانی اور آئینہ دکھانے کے لیے یہ ضروری بھی ہے کہ گورنر راج میں جب مناواں پر حملہ ہوا تھا تو میاں شہباز شریف نے کہا تھا کہ "اگر میں حکمران ہوتا تو دیکھتا ایسے حملے کیونکر ہو سکتے ہیں؟ آج میاں صاحب پنجاب کے حکمران ہیں اور ان کے صوبے کے دل پر حملہ ہوا ہے اور مسجد و مزار کی بے حرمتی کر کے اسے خون کے دریا میں ڈبو دیا گیا ہے مجھے یقین ہے کہ اب انہیں اس حقیقت کا ادراک ہو گیا ہو گا کہ آہنی ہاتھ استعمال کیے بغیر دہشت گردوں کو قتل و غارت گری سے نہیں روکا جا سکتا۔

سانحہ داتاؒ دربار کے شہداء

ترتیب وتحقیق: مفتی ظفر جبار چشتی، محمد ضیاء الحق نقشبندی

نمبر شمار	نام بمعہ ولدیت	ایڈریس	عمر سال
1	محمد عامر ولد محمد اسلم	سکنہ عثمان نگر غازی آباد مکان نمبر 7 گلی نمبر 2 ضلع لاہور	24
2	محمد الیاس ولد رشید احمد	رضی پور، کچی آبادی، راوی روڈ لاہور	23
3	شیخ فواد ولد شیخ سجاد	توحید پارک 40,c گلشن راوی لاہور	23
4	محمد اعجاز ولد محمد شریف	سکنہ S-26 شاکر روڈ اچھرہ لاہور	32
5	ثاقب علی ولد محمد یوسف	مکان نمبر 157 بلاک نمبر B-3 گجر پورہ چائنہ سکیم بڑی پارک لاہور	24
6	محمد خالد ولد نذیر احمد	مکان نمبر 365 گلی نمبر 7 صدیقہ کالونی کھوکھر روڈ بادامی باغ لاہور	40
7	محمد انجم ولد محمد اختر	موہنی روڈ بلاک K، کوارٹر نمبر 3 لاہور	34
8	محمد نواز ولد برکت علی	نارنگ منڈی تحصیل مریدکے ضلع شیخوپورہ	45
9	محمد وقار ولد محمد نواز	نارنگ منڈی تحصیل مریدکے ضلع شیخوپورہ	20
10	خاور اسحاق ولد محمد اسحاق	مکان نمبر B-11, 569 نزد واٹر ورکس نمبر 1 بشارت والا لاہور	22
11	عبدالغفار ولد مقبول احمد	گلی نمبر 17، مکان نمبر 9 لوہے والی بھٹی بادامی باغ لاہور	25
12	اسد علی ولد محمد یوسف	مکان نمبر 5، گلی نمبر 2 یاسر روڈ محلہ کریم پارک راوی روڈ لاہور	17
13	محمد ندیم ولد خوشی محمد	نسبت روڈ گیان چند بلڈنگ لکشمی چوک لاہور	28
14	محمد نذیر ولد خوشی محمد	ماڈل کالونی نمبر 2 والٹن روڈ لاہور	54

15	سلیم اختر ولد محمد عظیم	ڈاکخانہ خاص چک 82 جنوبی سرگودھا تحصیل و ضلع سرگودھا	45
16	محمد شہزاد ولد محمد اکرم	مکان نمبر 10، گلی نمبر 14، اسلام پورہ نزد پکو کمپنی بادامی باغ لاہور	17
17	خاور عباس ولد غلام رسول	موضع احمد آباد خاص تحصیل و ضلع وہاڑی، مکان نمبر: 36 محلہ نجف کالونی علامہ اقبال ٹاؤن لاہور	16
18	محمد اشرف ولد معراج دین	مکان نمبر 51 گلی نمبر 3 محلہ زرگراں قینچی امرسندھو لاہور	55
19	محمد رفیق ولد محمد اشرف	شیخ سعید کالووالہ ڈاکخانہ عثمانوالہ تحصیل و ضلع قصور	20
20	محمد ظفر اللہ ولد محمد اصغر	ڈاکخانہ خاص سہاؤ کے ورکاں تحصیل نوشہرہ ورکاں ضلع گوجرانوالہ	22
21	محمد نواز ولد محمد شریف	محلہ انصاریاں شمال روڈ تحصیل شکرگڑھ ضلع نارووال	35
22	محمد رفیق ولد نصیر الدین	مکان نمبر 1 گلی نمبر 45/H قلعہ لچھمن سنگھ راوی روڈ لاہور	60
23	علی مرتضیٰ ولد عبدالرشید	مکان نمبر 28 گلی نمبر 173 کالج پارک کالج روڈ لاہور	19
24	ملک حضور الدین ولد سردار احمد	رموکی گاؤں تحصیل و ضلع شیخوپورہ	60
25	محمد اقبال ولد سید شان محمد	صدیق پورہ بادامی باغ لاہور	50
26	محمد اقبال ولد یعقوب علی	657 گ ب فیصل آباد	
27	محمد طاہر ولد محمد غفور	کماہاں روڈ تحصیل و ضلع لاہور	20
28	ولی خان ولد مظفر خان	گلی نمبر A/1 مکان نمبر 26 نزد فدائی کالونی بادامی باغ لاہور	27
29	محمد خالد ولد رسول بخش	خان بیلہ ضلع رحیم یار خان	20
30	سمیع اللہ ولد نذیر احمد	سنکھترہ پنڈ سید و داتا تحصیل و ضلع نارووال	25
31	محمد عمر ولد محمد نذیر	مکان نمبر 18 گلی نمبر 8 عثمان گنج بادامی باغ لاہور	18
32	شاہد اقبال ولد محمد رفیق	گلی نمبر 3 مکان نمبر 12 مسلم پارک شاہدرہ ٹاؤن ضلع لاہور	45
33	محمد رفیق ولد محمد یٰسین	رامپورہ خورد ڈاکخانہ برکی تھانہ ہڈیارہ ضلع لاہور	27

34	محمد ارسلان ولد مختار احمد	محلہ محمد پورہ گلی نمبر 2 نزد نوری شاہی مسجد اوکاڑہ	18
35	محمد صادق ولد رحیم بخش	چک نمبر DMB-14 ڈاکخانہ خاص تحصیل یزمان تھانہ ہڈار جکاں ضلع بہاولپور	69
36	طارق محمود ولد محمد عظیم کھوکھر	صدیق سٹریٹ گوندلاں والا روڈ محلہ ڈھلے گوجرانوالہ	37
37	محمد آصف ولد غلام شبیر	چک نمبر 118 ڈاکخانہ خاص تحصیل جڑانوالہ ضلع فیصل آباد	19
38	عبدالرحمٰن ولد مستری عبدالحق	بوستان کالونی چونگی امرسدھو لاہور	50
39	تاج دین ولد عبدالغفور	نشتر کالونی ضلع لاہور	50
40	محمد اشرف ولد شیخ ابراہیم	مکان نمبر 345D ڈگی محلہ مین روڈ صدر کینٹ لاہور	42
41	عمیر اقبال ولد محمد اقبال	مکان نمبر 5 گلی نمبر 5 حکیم لطیف والی رانا آئس کریم فیکٹری روڈ شاہدرہ کوٹ شہاب الدین لاہور	18
42	انیس احمد ولد ظہور احمد	مکان نمبر 7 گلی نمبر 21 سفید مسجد حنفیہ داتا نگر بادامی باغ لاہور	18
43	عبدالجبار ولد عنایت اللہ	اکرام پارک سانده بند روڈ لاہور	
44	میاں رضوان محمود ولد میاں محمود	مکان نمبر A-10-56 گلی نمبر 4 علامہ اقبال روڈ میاں چنوں خانیوال	

سانحہ داتاؒ دربار میں زخمی ہونے والے افراد

1	محمد اعجاز ولد عبدالعزیز	66 ماڈل کالونی فردوس مارکیٹ لاہور
2	محمد طارق ولد عبدالحنیف	66 ماڈل کالونی فردوس مارکیٹ لاہور
3	محمد جواد ولد رانا محمد اصغر	66 ماڈل کالونی فردوس مارکیٹ لاہور
4	محمد عامر ولد انوار	کراچی نارتھ
5	نوید ولد امیر علی	بھٹہ چوک آرے بازار لاہور
6	نبیل ولد خادم حسین	مکھن پورہ شادباغ سکیم نمبر 2 مکان نمبر 25 لاہور
7	الطاف حسین ولد حکیم علی	سوڈیوال نیازی اڈہ لاہور

8	ملازم حسین ولد محمد اقبال	1 نرسری PHA لاہور
9	خالد ولد رام دین	تھانہ نواں کوٹ ڈھولن والی لاہور
10	محمد الیاس ولد محمد طفیل	مکان نمبر 1 گلی نمبر 8 موہنی روڈ بادامی باغ لاہور
11	یٰسین ولد انوار	پرانی بستی لال پل ڈاکخانہ خاص تحصیل و ضلع ملتان
12	عابد علی ولد نور محمد	مکان نمبر 1 گلی نمبر 8 موہنی روڈ لاہور
13	محمد عثمان ولد محمد سلیم	ملتان روڈ لاہور
14	علی شہزاد ولد بابو زوار حسین	ہڑپہ شہر
15	محمد شعیب ولد عبد الرقیب	گاؤں ٹھٹھی علی نوشہراں ورکاں ضلع گوجرانوالہ
16	محمد فاروق ولد محمد علی	چھپڑ سٹاپ لاہور
17	راحت ولد اللہ دتہ	جڑانوالہ فیصل آباد
18	زاہد ولد جہانگیر	اچھرہ شاہ دمان لاہور
19	محمد صفدر ولد محمد شفیع	مولانا احمد علی روڈ لاہور
20	اقراء والدہ نور جبیں	بھگت پورہ لاہور
21	نامعلوم	
22	زاہد اقبال ولد محمد اسلم	باغبانپورہ لاہور
23	نامعلوم	
24	شرافت ولد علم دین	بیگم پورہ شاہدرہ لاہور
25	ذاکر ولد منظور	نیشنل ٹاؤن کوٹ عبد المالک لاہور
26	محمد مختار ولد محمد سردار	لکڑی منڈی راوی روڈ لاہور
27	محمد مستقیم ولد ناظر	شاہدرہ موڑ لاہور
28	الیاس ولد قمر دین	رنگ محلہ لاہور
29	شاہد ولد حامد	چوبرجی لاہور
30	ضیاء الدین ولد حافظ محمد اکبر	60 رنگ محل لاہور
31	اکرم ولد محمد طفیل	گلی نمبر 2 اقبال کالونی شریف پورہ داروغہ والا لاہور

32	اعظم ولد اللہ دتہ	مغلپورہ لاہور
33	شوکت ولد خان محمد	داتا دربار لاہور
34	محمد عمران ولد محمد لطیف	بادامی باغ لاہور
35	نور حسین ولد صوفی سردار	کاموکی پنڈ ضلع گوجرانوالہ
36	رفاقت علی ولد عبد الحق	ماڈل ٹاؤن لاہور
37	اکمل ولد محمد اشرف	شیزان فیکٹری لاہور
38	امتیاز ولد اللہ لوک	قصور پورہ لاہور
39	اللہ لوک ولد عبد الحمید	مکان نمبر 10 گلی نمبر 10 قصور پورہ لاہور
40	سلمان ولد شاہد	موری گیٹ لاہور
41	رفیع ولد شفیع	ونڈالہ روڈ شاہدرہ لاہور
42	خالد ولد نامعلوم	لوہاری گیٹ لاہور
43	محمد عامر ولد رشید احمد	P-F کالونی لاہور
44	زاہد پرویز ولد محمد منیر	سعید پارک شاہدرہ لاہور
45	رشید ولد نذیر	چندیال لاہور
46	محمد الیاس ولد محبوب الٰہی	نیا پل چمن پورہ لاہور
47	عبد اللطیف ولد سراج دین	کوٹ عبد المالک' لاہور
48	ساجد الحسن ولد علی حسین	11416 اکبری منڈی لاہور
49	سونا ولد بگا	ماناوالا پنڈ لاہور
50	شیر علی اکبر ولد عبد الجبار	375 جہانزیب بلاک A2 لاہور
51	عمران ولد ارشد	حویلی لکھا اوکاڑہ
52	فیروز چوہان ولد مشتاق	بادامی باغ لاہور
53	عظمت اللہ ولد غلام رسول	ونڈالہ نصیر خان فیروز والا ضلع شیخوپورہ
54	نعیم ولد اسحاق	سمن آباد لاہور
55	تیمور ولد احمد	PF کینٹ کالونی ضرار شہید روڈ لاہور

56	صغیر احمد ولد اللہ دتہ	ضلع ساہیوال
57	صفدر احمد ولد اللہ دتہ	داتا دربار لاہور
58	اکمل ولد فدا حسین	داتا دربار لاہور
59	میاں خان ولد پہلوان	430 چک ضلع فیصل آباد
60	حیدر علی ولد عنایت	کریم پورہ لاہور
61	شہباز ولد محمد اشرف	مانوالہ ضلع شیخوپورہ
62	غلام اکبر ولد جیون بخش	G-C لاہور
63	کاشف ولد عبد الوحید	اسلام پورہ لاہور
64	حمید رشید ولد عبد الرشید	مکان نمبر 3 گلی نمبر 57 محمدی محلہ وسن پورہ لاہور
65	حافظ جاوید ولد محمد	شاہدرہ سٹیشن لاہور
66	ارشد علی ولد اصغر	1/6 مصطفیٰ آباد لاہور
67	حاجی ارشد ولد رشید ۔	موہنی روڈ لاہور
68	محمد شہباز ولد تاج دین	ٹوبہ ٹیک سنگھ ۔
69	عمر ولد نذیر	حبیب گنج شیرانوالہ گیٹ لاہور
70	وسیم ولد اکرم	کھوکھر ٹاؤن شفیق آباد لاہور
71	عبد الشکور ولد عبد الغفور	چک نمبر 560 جڑانوالہ فیصل آباد
72	عاقب ولد عارف	بھگت پورہ لاہور
73	راحت ولد اللہ دتہ	چک نمبر 234 جڑانوالہ فیصل آباد
74	رفیق ولد بشیر	گوجرانوالہ
75	عمران ولد اکرم	کرشن نگر لاہور
76	جاوید	شاہدرہ فرخ آباد لاہور
77	اعظم ولد نعیم	فتح گڑھ مغلپورہ لاہور
78	عابد ولد نور محمد	موہنی روڈ لاہور
79	محمد عرفان ولد عبد الرشید	نین سکھ شاہدرہ موڑ لاہور ۔

80	نامعلوم	
81	ثاقب ولد محمد یوسف	گجر پورہ چائنہ سکیم لاہور
82	نامعلوم	
83	ندیم ولد فضل دین	عامر روڈ شادباغ لاہور
84	ارشد ولد نور حسین	گوجرانوالہ
85	محمد اکبر ولد محمد شریف	بھاٹی گیٹ لاہور
86	سعد ولد زمرد خان	لاہور کینٹ
87	حیدر سلیم ولد محمد سلیم	مکان نمبر 6 گلی نمبر 7 عشرت نگر مغلپورہ لاہور
88	ارشد ولد رشید	انارکلی لاہور
89	بخت زادہ ولد خان زادہ	داتا دربار لاہور
90	عمران ولد ارشد علی	گلی طالب زرگر والی محلہ راٹھوراں والا حویلی لکھاں اوکاڑہ
91	فاروق ولد علی محمد	سمن آباد لاہور
92	یٰسین ولد عبدالرشید	فاروق گنج مصری شاہ لاہور
93	نامعلوم	
94	افتخار ولد اقبال احمد	موچی گیٹ لاہور
95	علی اکبر ولد عبدالجبار	اقبال ٹاؤن لاہور
96	اسلم ولد مظفر دین	14/47 سٹریٹ سوئی گوالمنڈی لاہور
97	اقرار ولد نور محمد	جڑانوالہ فیصل آباد
98	صداقت ولد نامعلوم	شیخوپورہ
99	منیر احمد ولد نامعلوم	داتا دربار لاہور
100	سہیل بٹ ولد نامعلوم	داتا دربار لاہور
101	عابد ولد نامعلوم	
102	عظیم ولد اللہ رکھا	قصور پورہ لاہور
103	راشد ولد محمد نذیر	جنڈیالہ روڈ لاہور

104	شہباز ولد الیاس	گلی نمبر 3 لاجپت روڈ لاہور
105	محمد سجاد ولد محمد یٰسین	ڈسکہ ضلع سیالکوٹ
106	اشرف ولد ابراہیم	داتا دربار لاہور
107	اللہ دتہ ولد میاں خان	داتا دربار لاہور
108	ارشد ولد غوث بخش	علی پور ملتان روڈ لاہور
109	ندیم ولد اسحاق	سٹیل باغ چوک قصور
110	محمد فیاض ولد محمد الیاس	حفیظ روڈ لاہور
111	عبدالجبار	داتا دربار لاہور
112	طارق ولد اظہر	داتا دربار لاہور
113	قیصر	داتا دربار لاہور
114	قاسم جاوید ولد جاوید اختر	الٰہی پاوک وسن پورہ لاہور
115	عبدالجبار ولد عنایت اللہ	اکرام پارک سانده بند روڈ لاہور
116	ملک محمد اشرف ولد ملک محمد یعقوب	داتا دربار لاہور
117	مشتاق ولد اللہ رکھا	داتا دربار لاہور
118	فہد	داتا دربار لاہور
119	مرزا علیم ولد مرزا عظیم	شاہدرہ لاہور
120	محمد عامر ولد فاروق	گلی نمبر 4 مکان نمبر 22 سانده روڈ گلشن راوی لاہور
121	ایاز ولد سیّد شفاقت علی	فیزال کالونی شاہ جمال لاہور
122	بلاول ولد عارف	سانده گلشن راوی
123	محمد ثاقب ولد محمد اشرف	مکان نمبر 22 گلی نمبر 4 سانده روڈ گلشن راوی لاہور
124	شہزاد ولد محمد احمد	115 جنوبی سرگودھا
125	محمد نواز ولد عبدالرشید	گاؤں میانوالی ضلع ڈسکہ
126	یاسر ولد محمد سلیم	یادگار لاہور
127	محمد اجمل ولد محمد منور	عمر سٹریٹ نمبر 9 مکان نمبر 6 بلال گنج لاہور

128	نادر حسین ولد خالد حسین	پرانا ائیر پورٹ گلاب دیوی لاہور
129	علی رحمان ولد عبدالرحیم	یادگار لاہور
130	خرم شہزاد ولد ریاض الدین	خانیوال mehnby والی پلی
131	ناصر ولد توقیر حسین	مسلم آباد مغلپورہ لاہور
132	ملازم حسین ولد محمد اقبال	شمیل روڈ PHA نرسری گلبرگ 2 لاہور
133	محمد اعجاز ولد حکیم نواب دین	بابا چوک رزاق سٹریٹ اچھرہ لاہور
134	محمد نیاز ولد فقیر محمد	مکان نمبر 194 گلی نمبر 3 فیزال کالونی شاہ جمال لاہور
135	محمد حنیف بٹ ولد خورشید احمد بٹ	149E گلی نمبر 2 گلشن پارک علی ویو بیڈن روڈ کینٹ لاہور
136	حازق ولد محمد امتیاز	میاں شاکر روڈ اچھرہ لاہور
137	محمد منیر ولد جان محمد	منہالہ لاہور
138	محمد حنیف ولد ابراہیم	مکان نمبر 36 گلی نمبر 16 بھلہ سٹاپ ملتان روڈ لاہور
139	مرزا ضیاء الدین ولد محمد حافظ	1066 رنگ محل لاہور
140	محمد شہباز ولد محمد صدیق	چک نمبر 153 ٹوبہ ٹیک سنگھ
141	محمد قاسم ولد محمد اعظم	باغبانپورہ نیو شالیمار ہسپتال لاہور
142	چودھری اختر ولد منظور حسین	نیازی سٹریٹ مسلم روڈ سمن آباد لاہور
143	محمد فاروق ولد محمد علی	نیازی سٹریٹ مسلم روڈ سمن آباد لاہور
144	محمد خالد ولد حسن دین	3572-D قریب لاہور سوتر منڈی لاہور
145	اللہ یار ولد محمد سلطان	3572-D قریب لاہور سوتر منڈی لاہور
146	عثمان ولد خالد	3572-D قریب لاہور سوتر منڈی لاہور
147	مدثر حسین ولد محمد اشرف	جلال پور سبیتال تحصیل و ضلع گجرات
148	صفیہ کرامت زوجہ حاجی کرامت	مکان نمبر 51 گلی نمبر 51 عمر پارک نزد نواں کوٹ سمن آباد لاہور
149	محمد عارف ولد ہدایت علی	مصطفیٰ آباد لاہور
150	محمد صدیق ولد شیر علی	مکان نمبر 4 ساقی سٹریٹ سعید پورہ ملتان روڈ لاہور
151	محمد حسن ولد رحمت علی	اکرم پارک بغدادی محلہ سانده لاہور

152	محمد الیاس ولد محمد بشیر	سانده لاهور
153	محمد وسیم ولد محمد حنیف	اردو بازار لکشمی چوک لاهور
154	نور احمد ولد میاں سلیمان	گاؤں بوچکی محلہ اسلام پورہ ضلع شیخوپورہ
155	عامر اسماعیل ولد محمد انور	مکان نمبر 764 ضلع نارتھ کراچی
156	نوید علی ولد امیر علی	مکان نمبر 36 گلی نمبر 3 بیدیاں روڈ لاهور
157	عبدالرحمٰن ولد غلام محمد	وارڈ نمبر 2 میر کالونی نزد مسلم مسجد کاہنہ نو لاهور
158	حیدر علی ولد رحمت شاہ	علی پور سیداں نارووال
159	اشتیاق احمد صدیقی ولد عبدالکاہر	178/D انگوری باغ سکیم باغبانپورہ لاهور
160	محمد عدیل ولد محمد اقبال	مکان نمبر 17 گلی نمبر 21 سانده لاهور
161	ساجد علی ولد مہراب علی	غلہ حسین دروازہ داتا صاحب لاهور
162	محمد عاشق ولد خوشی محمد	ابراہیم روڈ بلال گنج لاهور
163	محمد یٰسین ولد محمد اقبال	سوئی گیس روڈ مصطفیٰ آباد شاہدرہ لاهور
164	عمر غفور ولد غفور احمد	مکان نمبر 20 گاخی محلہ سنت نگر لاهور
165	شیخ علی اکبر ولد عبدالجبار	جہانزیب بلاک علامہ اقبال ٹاؤن لاهور
166	پروین شریف زوجہ محمد شریف	مکان نمبر 19 گنج بخش بکر منڈی لاهور
167	میاں سجاد ولد علاؤالدین	ٹیمپر روڈ لاهور
168	شریف عظیم ولد محمد عظیم	خوانچہ غلام دستگیر مکان نمبر 118 مزنگ لاهور
169	محمد عاشق ولد اشرف	جلالپور
170	قاسم ولد محمد عاشق	بند روڈ لاهور
171	محمد وسیم ولد محمد حنیف	کرنل پلازہ فرسٹ فلور روم نمبر 5 اردو بازار لاهور
172	سلیمان بشیر ولد محمد بشیر	گاخی روڈ سنت نگر لاهور
173	محمد زاہد ولد محمد جہانگیر	رحمان پورہ راوی روڈ لاهور
174	محمد تنویر ولد محمد اسماعیل	بادامی باغ لاهور
175	محمد اقبال	سنت نگر لاهور

176	محمد وسیم	خالد پارک کھوکھر ٹاؤن لاہور
177	محمد عرفان	گلی نمبر 10 مین بازار نانک سکھ لاہور
178	عبدالجبار ولد عبدالرحمٰن	مکان D-313 بھاری گیٹ لاہور
179	محمد فیاض	
180	محمد صغیر	گلی نمبر 7 سنت نگر لاہور
181	محمد جاوید	B بلاک گلشن راوی لاہور
182	محمد مشتاق	خالد پارک کھوکھر ٹاؤن لاہور
183	محمد اقبال	بند روڈ لاہور
184	محمد اشتیاق	بکر منڈی بند روڈ لاہور
185	محمد اصغر	B بلاک سبزہ زار سکیم لاہور
186	محمد اویس	ملک پارک لاہور
187	محمد مشتاق	کریم پارک لاہور
188	محمد بلال ولد محمد اسلام	مین بازار چنگی امرسدھو لاہور
189	محمد شہزاد ولد حاجی محمد	چنگی ستارہ کالونی گلی نمبر 2 مکان نمبر 132 لاہور
190	عبدالرضا ولد بیگ دین	چنگی ستارہ کالونی گلی نمبر 2 مکان نمبر 132 لاہور
191	عابد ولد محمد رفیق	مصطفیٰ آباد روڈ گلی نمبر 5 لاہور
192	آصف ولد عطا محمد	89E نیو شوکت ٹاؤن لاہور
193	محمد حبیب ولد حبیب	نشتر کالونی عامر بلاک لاہور
194	علی ولد یٰسین	قادری بخش کالونی گلی نمبر 3 لاہور
195	محمد آصف ولد عطا محمد	قادری بخش کالونی گلی نمبر 3 لاہور
196	جاوید ولد مبارک علی	گلی نمبر 3 اعوان کالونی لاہور
197	عمران ولد مقبول علی	گلی نمبر 10 بوستان کالونی لاہور
198	محمد نذیر ولد صدیق	قادری سندھو قبوجی محلہ لاہور
199	محمد مقدس ولد محمد طفیل	ڈیفنس لاہور

200	وحید ولد اقبال	B بلاک سبزہ زار لاہور
201	طاہر خان ولد محمد خان	کوپل نگر گلی نمبر 7 مکان 91 لاہور
202	سلیمان ولد بشیر	مکان A-59 سلطان نگر بابو محلہ گنج لاہور
203	رضوان ولد قیوم اللہ	چونگی امرسدھو مدینہ بازار لاہور
204	خرم	مین بازار چونگی امرسدھو لاہور
205	سنبیل ولد کرم حسین	ہاؤس نمبر 25 سکیم 2 مکھن پورہ شادباغ لاہور
206	نادر ولد خادم حسین	کوارٹر 3 گلاب دیوی کوپل نگر لاہور
207	زاہد علی شاہ	
208	فریاد ولد انور	
209	محمد ریاض ولد شیر محمد	
210	سلیم ولد شوکت	
211	اصغر ولد عمر حیات	
212	فیضان ولد آصف	
213	امتیاز ولد اشفاق	
214	محمد حسین ولد صادق	
215	صابر ولد محمد صدیق	

سانحۂ دربار داتا

"وحشت آثار ہے"

1431ھ

"آہ نالہ وفریاد سانحۂ دربار داتا صاحب"	"وائے سانحۂ امید گاہ دربار داتا گنج بخش"
1431ھ	2010ء
بے جا تو نہیں آج بچھی ہے صفِ ماتم	ایماں کے ہوا ہے در و دیوار پہ حملہ
منکر نے کیا دل کے تعفن کو ہے ظاہر	ملحد نے کیا مرکزِ انوار پہ حملہ
حد درجہ بڑھے آج مظالم میں خوارج	یہ دیو کے بندوں کا ہے دربار پہ حملہ
رنگ اپنا دکھانے لگے خود ساختہ موّحد	کرنے کو چلے حق کے ہیں شہکار پہ حملہ
مردودِ جہاں نے یہ لگائے ہیں نئے زخم	ملعوں نے کیا خلق کے غم خوار پہ حملہ
بدبختوں نے دی اپنی شقاوت کی گواہی	کُتوں نے کیا ولیوں کے سردار پہ حملہ
تاریخ رقم تازہ ہوئی جورو جفا کی	ظالم نے کیا دین کے آثار پہ حملہ
رنگین ہوئی خون سے ہے داتا کی چوکھٹ	دل چیر گیا دارِ گُہر بار پہ حملہ
تاریخ میں ہے پہلی دفعہ بند ہوا لنگر	جس روز ہوا مطلعِ انوار پہ حملہ
لے ہوش کے ناخن تو اے پنجاب حکومت!	کیوں تجھ کو نظر آیا نہ دربار پہ حملہ
خودکش کی حمایت میں کمربستہ یہ سن لیں	مہنگا یہ پڑے گا انہیں افکار پہ حملہ
بدبخت ہے بے دین ہے ملعون ہے وہ شخص	جس نے بھی کیا داتا کے دربار پہ حملہ
اک جگ میں مہک جس کی رچی اور بسی ہے	یہ حملہ ہے اس سیرت و کردار پر حملہ

یہ حملہ ہے گنج بخش زمانہ کے چمن پر
یہ حملہ ہے اسلام کے معمار پہ حملہ

یہ حملہ ہے مخلوق کے داتا و معین پر
یہ حملہ ہے ہم سب کے مددگار پہ حملہ

یہ حملہ ہے قدرت کے حسیں فضل و کرم پر
یہ حملہ ہے اللہ کے اک پیارے پہ حملہ

یہ حملہ نبی پاکؐ کے ہے لختِ جگر پر
یہ حملہ لگے سیّد ابرارؐ پہ حملہ

یہ حملہ ہے ہجویر کے سیّد کی لحد پر
یہ حملہ ہے اجمیر کے سالار پہ حملہ

یہ حملہ ہے فیضانِ دو عالم کی جبیں پر
یہ حملہ ہے دامانِ شہریار پہ حملہ

یہ حملہ ہے ایماں کے 'تیقّن' کے بدن پر
یہ حملہ عقائد کے ہے رُخسار پہ حملہ

یہ حملہ حقیقت کو ہے جھٹلانے کی کوشش
یہ حملہ طریقت کے ہے گلزار پہ حملہ

یہ حملہ شریعت کے مقاصد کی نفی ہے
یہ حملہ تصوف کی ہے 'مہکار' پہ حملہ

یہ حملہ ہے آداب کی ہر شق کے منافی
یہ حملہ ہے ہر قسم کی اقدار پہ حملہ

یہ حملہ ہے امید گہہ اہلِ جہاں پر
یہ حملہ ہے امداد کے گھر بار پہ حملہ

یہ حملہ ہے 'تسکین نظر' وجہ سکوں پر
یہ حملہ ہے اک سایۂ دیوار پہ حملہ

یہ حملہ ہے بھوکوں کی فقط جائے پناہ پر
یہ حملہ ہے ننگوں کے طلبگار پہ حملہ

یہ حملہ ہے بے بس کیلئے چھاؤں گھنی پر
یہ حملہ ہے بے کس کے پری وار پہ حملہ

یہ خلق خدا کی ہے امنگوں کا کرے خون
یہ حملہ ہے ہر مفلس و نادار پہ حملہ

یہ حملہ کوئی عام سا حملہ نہیں یارو
یہ حملہ ہے داتا مری سرکار پہ حملہ

مہجور ''غمِ ظلم'' ہے
یہ ''خونچکاں اثر''

۲010ء
1431ھ

مغموم کرے داتا کے دربار پہ حملہ

سید عارف محمود مہجور رضوی

نذرانۂ عقیدت
بحضور حضرت داتا گنج بخش رحؒ

فخرِ دیں، شاہِ اولیاءؒ داتاؒ — منبع رافت و سخا، داتاؒ
ناقصوں کا وہ پیرِ کامل ہے — کاملوں کا ہے رہنما، داتاؒ
فیضِ عالم ہے اس کی ذات عظیم — دور کرتا ہے ہر بلا، داتاؒ
اہلِ دیں ہو کہ اور کوئی ہو — لطف سب پر کرے سدا، داتاؒ
بے نوا کو لگائے سینے سے — دردمندوں کو دے دوا، داتاؒ
جس کی پوری نہ ہو مراد کوئی — اس کی خاطر کرے دعا، داتاؒ
جو خزانے ہے بانٹنے والا — وہ مرا مہرباں، مرا داتاؒ
جو تڑپتے ہیں اور بے کل ہیں — چین ان کو کرے عطا، داتاؒ

گھر میں الیاس کے ہے تاریکی
بخش دے گا اسے ضیا، داتاؒ

جسٹس (ر) محمد الیاس

منقبت فیضِ عالم رحمۃ اللہ علیہ

اس لئے نکھرا ہوا موسمِ جاں ہے داتا
میرے ہونٹوں پہ تیرا نام رواں ہے داتا
در بہ در یوں نہ پھرو کاسۂ غربت لے کر
آؤ لاہور چلے آؤ یہاں ہے داتا
تیری نسبت سے یہ دنیا مجھے پہچانتی ہے
یہ حوالہ ہی میرا نام و نشاں ہے داتا
روشنی تیری محبت کی یہاں پھیلی ہے
کتنا تابندہ میرے دل کا مکاں ہے داتا
لوگ کیوں روتے ہیں پھر تشنہ لبی کا رونا
جب تیرا چشمۂ فیضان رواں ہے داتا
اس لئے شورش دنیا کا ہمیں خوف نہیں
آپ کی چشمِ عنایت نگراں ہے داتا
منقبت لکھے تو ایسی کہ دلوں میں اترے
تیرے سرور کی طلب حسن بیاں ہے داتا

سرور حسین نقشبندی

منقبت

فیضِ عالم ہے تری ذات زمانے تیرے
گنج بخشی کے ہیں مشہور افسانے تیرے

جھولیاں بھر کے لیے جاتی ہے خلقت کیا کیا
ختم ہونے میں نہیں آتے خزانے تیرے

دور و نزدیک سے آتے ہیں کھنچے تیرے حضور
تیری چاہت کے طلب گار دوانے تیرے

جس کو جو فیض ملا تیری وساطت سے ملا
آستانے ہیں یہاں جتنے، گھرانے تیرے

کتنے غربت زدہ آباد ہیں چوکھٹ پہ تری
زندگی دی ہے انہیں آبِ بقا نے تیرے

سبز گنبد پہ کبوتر ہیں ثنا میں مصروف
رحمتِ حق کی ہے تنزیل سرہانے تیرے

کوئی جوگی کہ برہمن جو مقابل میں ہوا
راہِ راست اُس کو دکھائی ہے عصا نے تیرے

کشورِ ہند پہ سلطانی مطلق بخشی
خواجۂ چشت کو اقبالِ ہما نے تیرے

کفر و باطل کے اندھیروں میں گھرا تھا انساں
نورِ ایماں دیا صدق و صفا نے تیرے

غزنوی عہد میں لاہور کو زینت بخشی
اور بجنے لگے ہر سمت ترانے تیرے

لطف فرما کہ سنور جائے مری بھی تقدیر
تجھ کو بخشے ہیں تصرف یہ خدا نے تیرے

میری کشکول نظر میں بھی کوئی جلوۂ ذات
سب کو ممنون کیا ہے جود و سخا نے تیرے

تیری سرکار سے پلٹے ہیں سبھی شاہ و گدا
کوئی خالی نہ رکھا دستِ عطا نے تیرے

مظہرِ نورِ الٰہی ہے تری تربتِ پاک
ذرّے ذرّے میں ہیں انوار یگانے تیرے

بار بار آتا ہے اور جا کے پلٹ آتا ہے
دل کو بے چین رکھا شوق لقا، نے تیرے

لوگ استادہ رہے در پہ وزیروں کے منیرؔ
ہم فقیروں کو دیا حرف دعا نے تیرے

(پروفیسر محمد منیر الحق کعبی)

سدا رہے آباد ترا دربار

احفاظ الرحمٰن

سدا رہے آباد ترا دربار
تری سرکار
سدا تری چھاؤں میں پائے
دُکھیا چین قرار۔
سدا رہے ترا چشمہ میٹھا
سدا رہے ترا پیار
سدا رہے آباد ترا دربار
تری سرکار
پیار کیا دھرتی سے تُو نے
دھرتی تیری یار
پیار کیا انساں سے تُو نے
انسان تیرا یار
مرہم جیسے ہاتھ ترے
ترے بولوں میں مہکار
سدا رہے آباد ترا دربار

تری سرکار

نفرت کی سب دیواروں سے
نفرت تو نے کی
انسانوں کے بیچ کھلایا
رحمت کا گُلزار
سدا رہے آباد ترا دربار
تری سرکار

کس کے اندر دَم ہے روکے
تیرے پریم کا راگ
بھوکے ننگے پاتے ہیں
اس پریم سے دادِ مُراد
وحشی، قاتل، غارت گر
اندھے، خونی، جلّاد
ہو جائیں گے برباد
خوش بُو تیری جاگے ہر سُو
ہر سُو تری پُکار
سدا رہے آباد ترا دربار
تری سرکار

۞......۞......۞

سانحہ داتا علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ

اس بار میری نظم کا عنوان ہے داتا
بے جا دھماکوں پہ جو حیران ہے داتا
کس جرم میں ایسا ہوا سب سوچ رہے ہیں
افسوس ہے کہ اب ماؤں کے مرلعل گئے ہیں
جس ہستی کا دربار تھا عظمت کی گواہی
افسوس کہ ظالم نے وہاں کی ہے تباہی
بھوکوں کو جہاں ملتا تھا دو وقت کا کھانا
ظالم نے اجاڑا ہے غریبوں کا ٹھکانا
داتا ترے دربار سے ہے جن کی عقیدت
ہر وقت وہ کرتے ہیں دھماکوں کی مذمت
پردیسی مسافر بھی یہاں سوتے تھے آ کر
ظالم نے کیے سارے ہی بے چین مسافر
اک ماں کی سُنی میں نے جو ٹی وی پر یہ فریاد
یہ چیک نہیں منظور کہ لا دو میری اولاد
شہباز بھی زرداری بھی سوچے ہے یہ گیلانی
مرقد میں تڑپا ہے اسی ملک کا بانی
داتا ترے دربار کی ہوتی نہ یہ حالت
خادم ترے دربار کی کرتے جو حفاظت
سوچے یہ حکومت یہاں سوچے یہ دوبارہ
کہ ایسا دھماکہ یہاں دیکھے نہ دوبارہ

(رخشندہ حبیب جالب)

داتا کا گلشن

دھماکے کر رہے ہیں جو مسلماں ہو نہیں سکتے
یہ سب ہیں ملک دشمن، اہلِ قرآں ہو نہیں سکتے
میرے داتاؒ کی چوکھٹ پہ قیامتِ صغریٰ برپا تھی
تھے بکھرے جابجا لاشے جبر کی انتہا ہے کی
یہ ہیں حیوان سے بدتر، یہ انساں ہو نہیں سکتے
خدا کے برگزیدہ دوستوں کی خانقاہوں پر
دھماکے کر رہے ہیں روز یہ سجدہ گزاروں پر
خدا کو چاہنے والے پریشاں ہو نہیں سکتے
یہاں پہ فیض بٹتا ہے نگر ہے میرے داتاؒ کا
یہ چوکھٹ رحمتوں کی ہے اُترتے ہیں ملائکہ
یہاں پر آنے والا خالی داماں ہو نہیں سکتا
یہ وہ در ہے جہاں شاہ و گدا دامن بچھاتے ہیں
علی ہجویریؒ کی چوکھٹ سے دامن بھر کے جاتے ہیں
مٹانا ان کے متوالوں کو آساں ہو نہیں سکتا
اے اہلِ دین کے دشمن تو یہ بھی غور سے اب سن
یہ ہے اللہ کے محبوبؐ کے محبوبؒ کا گلشن
لگائے باغ جو اللہ ویراں ہو نہیں سکتے
اشاروں پہ کفر کے رات دن اے ناچنے والو
جہنم کے انگارے اپنے ہاتھوں پھانکنے والو

کبھی فردوس کے حقدار شیطان ہو نہیں سکتے
جہاں پہ اولیاء اللہ کے چمکے ستارے ہیں
معین الدین چشتی نے یہاں سجدے گزارے ہیں
کبھی آنگن میرے داتا کے ویراں ہو نہیں سکتے

(جاوید احمد عابد شفیعی)

حضرت داتا علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر حملوں کے تناظر میں

ان محبت کے مزاروں پہ محبت والی
آج جلتی ہوئی شمعوں کو بجھانے والو
درد کی آنچ پہ سلگے ہیں محبت کے چمن
آگ نفرت کی سرِ عام جلانے والو

(ندیم اختر ندیم)



سینے میں محبت رسول سے دھڑکتا ہوا دل دل میں خدمت اسلام کا جذبہ اور ہاتھ میں چمکتا ہوا قلم لے کر میدان تصنیف وتالیف میں قدم رکھنے والے صاحب عزم وجنوں جناب مفتی ظفر جبار چشتی [illegible] مروت‘ صداقت اور دیانت‘ شرافت اور سنجیدگی [illegible] سے سجی ہوئی دلآویز شخصیت کے مالک ہیں۔ [illegible] گداز جذبوں اور اجلے من والے اس نوجوان محقق کو اللہ [illegible] بہت کم عمری میں کتاب ہدایت قرآن مجید فرقان حمید کا اردو ترجمہ مکمل کرنے کا [illegible] چھ دوسری اہم کتابیں تحریر کرنے کا شرف عطا کیا ہے۔ زیر نظر روشن کتاب جناب مفتی ظفر جبار چشتی کا ایک اور ناقابل فراموش کارنامہ اور ان کے قلم حقیقت نگار کا ایک [illegible] یہ کتاب سانحہ داتا دربار کے حقیقی اور کالموں کے راہنما سید ہجویر کے آستان عظمت [illegible] رحم حقائق‘ آنکھیں کھول دینے والے انکشافات اور ناقابل تردید سچائیاں اس کتاب میں شامل ہیں۔ یہ کتاب عقیدتوں کا خراج ہے۔ کرن کرن اجالے بانٹتے داتا علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ [illegible] جن کی جہاں تابیاں اپنی مثال آپ تھیں اور ہیں اور جن کے ذکر سے دل [illegible] چراغ جل اٹھتے ہیں۔

جناب مفتی ظفر جبار چشتی اپنے اندر ایک [illegible] ہیں۔ ہمارے مذہبی ماحول میں مفتی ظفر جبار چشتی جیسے [illegible] تازگی کا استعارہ ہے۔ میں اپنے اس پیارے دوست کو [illegible] پیش کرتا ہوں۔ خوشبو کو اپنا وجود قسم اٹھا کر ثابت نہیں کرنا [illegible] فیض عالم‘ مخدوم امم سے ٹوٹ کر محبت [illegible] روحانیت پر چاند بن کر چمکنے والے حضرت [illegible] گے یہ چراغ ہمیشہ روشن رہیں گے۔

محمد نواز کھرل